1504 61

اوم

دنیا کے نو مذہبی ریفارمر

جس میں

(۱) مہاتما کنفوشش (۲) حکیم فیثاغورث (۳) مہاتما زراشٹر
(۴) حضرت موسےٰ (۵) بھگوان بدھ (۶) سوامی شنکر آچاریہ
(۷) حضرت مسیح (۸) حضرت محمد اور (۹) مہرشی دیانند
کے جیون اور قربانیوں کے دردناک حالات نہایت
ہی مؤثر پیرایہ میں تحریر کئے گئے ہیں

مصنفہ

لالہ شام لال جی ستیارتھی ایڈیٹر اخبار بلیٹن لاہور

بار اوّل — تعداد اشاعت ۱۵۰۰ — قیمت فی جلد ۹

اصل واقعات مہابھارت

یعنے

مہرشی ویاس کرت مہابھارت اپنے اصلی رُوپ میں

(باتصویر)

مصنفہ ٹھاکر سکھرام داس چوہان مالک راجپوت گزٹ لاہور

جس میں

ویاس جی کرت ۲۴ ہزار شلوکوں کا فوٹو۔ بعید از قیاس واقعات کی تشریح۔ مبالغہ آمیز بیانات کی توضیح۔ شیر دل کشتریوں کی پُر جوش و خونریز لڑائیوں کا اصلی مرقع۔ بھارت کے انقلابات اور دُنیا کی بے ثباتی کا پُر درد خاکہ۔ سری کرشن جی کے چرتر کا تشریح کیا ہے کا مکمل آئینہ اور بھیشم پتامہ کی بے لوث نصائح کا گنجینہ ناول کے طریق پر کچھ ایسے پیرایہ میں لکھا گیا ہے۔ کہ ان سب واقعات کے فوٹو آنکھوں کے سامنے آجاتے ہیں

صرف یہی نہیں

بلکہ اس میں بدلائل قاطع و براہین ساطع ثابت کیا گیا ہے کہ مہرشی ویاس جی ستیہ وتی کے بطن سے پیدا نہیں ہوئے۔ کرن کُنتی کا لڑکا نہیں تھا۔ اور نہ ہی پانچوں پانڈو نیوگ سے پیدا ہوئے تھے۔ بلکہ یہ مہاراجہ پانڈو ہی کے ویریہ سے تھے۔ اور نہ دروپدی کے پانچ پتی تھے۔ غرضیکہ اس کتاب میں اسی قسم کے جملہ امور پر روشنی ڈال کر ستیہ اور استیہ کا نرنے کیا گیا ہے۔ متلاشیانِ حق اس کا مطالعہ ضرور فرماویں۔ قیمت باایں ہمہ فی کاپی (ہے)

پتہ:۔ دفتر راجپوت گزٹ لاہور سے طلب کیجئے

اوم

دُنیا کے مذہبی لیڈر

جس میں

(۱) مہاتما کنفیوشش (۲) حکیم فیثاغورث (۳) مہاتما زرتشٹر
(۴) حضرت موسےٰ (۵) بھگوان بدھ (۶) سوامی شنکر آچاریہ
(۷) حضرت مسیح (۸) حضرت محمدؐ اور (۹) مہرشی دیانند

کی معروف زندگی اور قربانیوں کے دردناک حالات
نہایت ہی موثر پیرایہ میں تحریر کئے گئے ہیں

مصنفہ
لالہ شام لال جی ستیارتھی ایڈیٹر اخبار بلیٹن لاہور

مینیجر ودیا ساگر پستکالیہ لاہور نے
علمیہ سٹیم پریس لاہور
میں چھپوا کر شائع کیا

بار اول — تعداد اشاعت [illegible] — قیمت فی جلد ۹/

گذارش حال

اپنی تصنیف دُنیا کی ۹ مہادیویوں کی تیاری کے لیئے مختلف ممالک کی تواریخ کا مطالعہ کرتے ہوئے مجھے کئی اُن بزرگوں اور مہاتماؤں کے حالات مطالعہ کرنے کا موقعہ ملا۔ کہ جنہوں نے اپنی عمریں اہلِ دُنیا کی مذہبی اور اخلاقی حالت سدھارنے میں صرف کر دیں دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ اِن بزرگوں کی قربانیوں کے حالات بھی احاطہ تحریر میں لائے جاویں۔ چنانچہ اُس وقت تو مَیں نے ضروری نوٹ کر لیئے۔ مگر بعد ازاں جب مجھے فرصت ملی تو مَیں نے اِن واقعات کو قلمبند کر دیا۔ دُنیا میں اَور بھی بہت سے ایسے اصحاب ہو گذرے ہیں۔ جنہوں نے اپنی زندگی میں مذہبی اور سوشل سدھار کا کام کیا۔ مگر مَیں نے اُن میں سے فی الحال صرف ۹ کے حالات زندگی شایع کرنے کا انتظام کیا ہے۔ اگر موقع ملا تو میرا ارادہ ہے کہ باقی ماندہ اصحاب کے حالات زندگی کو بھی پبلک کے سامنے ایک کتاب کی صورت میں پیش کروں۔ میرا پہلے ارادہ تھا کہ اس کتاب میں مختلف مذہبی ریفارمروں کے حالات زندگی شایع کرنے کے ساتھ ہی اُن کی مذہبی تعلیم کا بھی مقابلہ کروں۔ مگر اس سے کتاب کی ضخامت بڑھ جانیکا اندیشہ تھا۔ اِس لیئے مَیں نے اس کام کو کسی دُوسرے وقت کے لیئے ملتوی کر دیا۔ مَیں یہ بھی عرض کر دینا چاہتا ہُوں کہ مَیں نے یہ کتاب ایک آزاد اور بے تعصب شخص کی حیثیت سے لکھی ہے۔ مگر مَیں نے اس کتاب کو تحریر کرتے ہوئے ہر وقت اِس بات کا خیال رکھا ہے کہ واقعات کی صحت میں فرق نہ آئے۔ کتاب اب ناظرین کے سامنے ہے اور وہ اِس پر رائے زنی کا پُورا حق رکھتے ہیں۔

لاہور کوچہ بیلی رام
مورخہ یکم مارچ ۱۹۱۶ء

شام لال ستیارتھی

دُنیا کے نو مذہبی لیڈر

کنفیوشس

چین دُنیا کا نہایت ہی گنجان آباد مُلک ہے۔ اس مُلک کی آبادی رُو سے زمین کی آبادی ایک تہائی کے برابر ہے۔ یہ ایک نہائت ہی پُرانا مُلک ہے۔ اور بہُت سی پُرانی روایات رکھتا ہے۔ چین میں آج کل بُدھ کا نام ہر ایک چینی جانتا ہے۔ بلکہ چین میں اس وقت بُدھ مت ہی رائج ہے۔ لیکن بُدھ کے قریب زمانہ میں خود چین نے ایک بڑے دھرماتما اور نیک مزاج شخص کو پیدا کیا تھا۔ جو آج چین میں بُدھ کی طرح ہی پُوجا جاتا ہے۔ اور بُدھ کی طرح ہی اُس کی شہرت ہے۔ یہ نیک شخص حکیم کنفوشش ہے۔ جو مسیح سے ساڑھے پانچ سو سال پہلے سرزمین چین میں پیدا ہوا۔ اس نے اپنی عُمر کا ایک بڑا حصہ چین کی مُلکی و اخلاقی حالت سدھارنے کے ارپن کیا۔ اُسے اپنے مشن میں کہاں تک کامیابی ہوئی؟ یہ ایک دُوسرا سوال ہے۔ مگر اُس نے اپنی عُمر کا بہترین استعمال کیا۔ اور جہاں تک اس سے ہو سکا۔ اُس نے چین کے بچّوں کو چین اور چینی قوم کے لئے بلکہ ہر ایک انسان کو انسانیت کے لئے زندہ رہنا سکھایا۔ آج کنفوشش دُنیا کے بڑے اشخاص میں سے سمجھا جاتا ہے۔ اور ہر شخص جو اس کی زندگی کے حالات مطالعہ کرتا ہے۔ اس کا نام عزّت اور بزرگی سے لیتا ہے۔ لیکن یہ بزرگی حاصل کرنے کے لئے اُسے بڑی بڑی قربانیاں کرنی پڑی تھیں۔ بڑی بڑی

تکالیف سہنی پڑی ہیں۔ اور بڑے بڑے مشکل پتھر اُلٹنے پڑے ہیں۔ اُس کی جان کئی دفعہ خطرات کا شکار ہونے کو تھی۔ لیکن اُس نے اپنا قدم پیچھے نہ ہٹایا۔ بلکہ مضبوطی کے ساتھ اپنے مقصد کے لئے ہمت اور کوشش کرتا رہا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مشکلات کا خاتمہ ہو گیا۔ اور اُس نے اپنا قدم آگے بڑھا لیا۔

کنفیوشش کا خاندان چین میں بڑا معزز تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس کا باپ سی لنگ ہی ملک چین کی ایک خود مختار ریاست شنگ کا بڑا معزز عہدہ دار تھا۔ بعض مورخ تو یہاں تک کہتے ہیں کہ یہ شخص فغفور لو کا وزیر اعظم تھا۔ اس کی ماتا خاندان فغفور لو میں سے تھی۔ اور اس نیک بیوی کا نام تنگ لٹ بائی تھا۔ یہ دیوی بڑی نیک اور شریف تھی۔ اپنے پتی کے ساتھ اسکو بڑی محبت تھی۔ اور اپنی عقل۔ دانائی اور پارسائی کی وجہ سے اُس نے اپنا گھر سورگ دھام کی مانند بنا رکھا تھا۔ کوئی بات ہو یہ اپنے پتی کی مرضی کے بغیر نہ کرتی تھی۔ اور ہر طرح سے اُس کی خوشی کو مد نظر رکھنا اپنا فرض سمجھتی تھی۔ کنفیوشش کا باپ بھی اپنی عادات میں بڑا نیک اور شریف تھا۔ وہ ہمیشہ اپنے رشتہ داروں اور ہمسایوں کو خوش رکھنے کی کوشش کرتا تھا۔ گھر کے اندر یا گھر کے باہر یہ شریف النفس ہمیشہ دوسروں کے ساتھ نیک سلوک کرنے پر آمادہ رہتا تھا۔ اس کی معزز اور شریف بیوی اسکے اور اسکے دوستوں کو خوش رکھنے میں اپنی تمام طاقت صرف کر دیتی تھی۔ اور یہ عام طور پر مشہور تھا کہ جو شخص اُس کے مکان پر کسی بھی حاجت کو لے کر جاتا ہے۔ وہ پوری کر دی جاتی ہے۔

ایسے ماتا پتا کے گھر میں پیدا ہو کر کنفیوشش اگر دیوتاؤں کی طرح نیک نہ ہو جاتا۔ تو یہ ایک حیرانی کی بات ہوتی۔ مگر اتہاس بتاتا ہے کہ اُس نے اپنی تمام زندگی دیوتاؤں کی طرح دوسروں کی بھلائی اور بہبودی میں صرف کی۔ اس کی پیدائش پر خوشی محض سی لنگ ہی تک محدود نہ رہی۔ بلکہ تمام علاقہ میں خوشی منائی گئی۔

اور خوب جشن کئے گئے۔
کئی روز تک گانے بجانے کا بازار گرم رہا۔ ماتا نے بچّہ کی پرورش کا خاص خیال رکھا۔ کوئی بات ایسی نہ ہونے دی۔ جس سے بچّہ کے دل پر بُرے سنسکار پڑ سکیں۔ بلکہ اِس امر کی بڑی کوشش کی کہ بچّہ بہتر سے بہتر حالات میں رہے۔ جو دائیاں اِس کی پرورش کے لئے مقرر تھیں۔ اُنہیں بڑی سخت ہدایت تھی کہ وہ اسے کسی ایسے مقام پر نہ لے جاویں جہاں کی آب و ہوا خراب ہو۔ یا جہاں کا نظارہ دلکش نہ ہو۔

ایک امیر والدین کے گھر میں پیدا ہونے سے ایک بچّہ کو جو سہولتیں حاصل ہو سکتی ہیں۔ وہ کنفوشش کو سب حاصل تھیں۔ اور اِس کے بچپن کے ایّام نہایت ہی مسرّت سے گذرے۔ اُس وقت کسی کو یہ معلوم نہ تھا کہ یہ شخص اپنے زمانہ کا ایک بڑا حکیم ہوگا۔ اِس لئے کسی کو یہ خیال نہ آیا کہ اس کے پیدائش و بچپن کے حالات قلمبند کرے۔ اور آج اگرچہ کنفوشش کی عزّت دُنیا کے ہر ایک حصہ میں کی جاتی ہے۔ مگر بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ اس کا بچپن کس طرح بسر ہُوا۔ البتہ لوگ اِس قدر جانتے ہیں کہ ابھی اس کی عُمر مشکل سے پانچ سال کے قریب تھی۔ کہ قدرت نے اسے سخت ترین آزمائش میں ڈالا۔ یعنی اِس کے سر سے باپ کا سایہ اُٹھ گیا۔ اور یہ اوائل عُمر میں یتیم بن گیا۔

دیوی ٹنگ لٹ پائی کے دل پر خاوند کی وفات کا بڑا صدمہ ہُوا۔ وہ اِس صدمہ سے پاگل سی بن گئی۔ اُسے نہ تو اپنے گھر کی خبر رہی نہ بچّے کی پرورش کی۔ پتی کی موت نے اُس کے صبر اور آرام سب کا خاتمہ کر دیا۔ وہ دیوی جو چند روز پیشتر ایک بڑے عہدہ دار کی عورت تھی۔ لاوارث بن گئی۔ اور وہ بچہ جو ایک ریاست کے وزیر کا لڑکا تھا۔ ایک یتیم بن گیا۔ کنفوشش کی ماتا بہت دنوں تک اپنے پیارے پتی کے ماتم میں مصروف رہی۔ اس کی صحت رنج اور غم کی وجہ سے بہت خراب ہو گئی۔ اس کے کھانے اور سونے کا وقت خراب ہو گیا۔ اکثر رات کے وقت وہ سوتی سوتی چلّا اُٹھتی تھی۔ میرے پیارے پتی! آپ اِس اندھیری رات میں مجھے یہ چھوڑ کر

کہاں چلے گئے؟ کیا آپ کو میرا اور بچہ کا کچھ خیال نہیں آتا۔ آؤ۔ میری آزمائش نہ کرو۔ آپ کے
بغیر یہ گھر مجھے کاٹنے کو آتا ہے۔ اور آپ کے بغیر میں پاگل سی بن گئی ہوں۔ آؤ! کیونکہ آپ
کے آجانے سے میری تسلی ہو گی۔" اکثر راتیں یہ جاگ کر کاٹا کرتی تھی۔

لیکن غم اور رنج کی بھی مدت ہوتی ہے۔ اسے بھی اس سے فرصت ہوئی۔ کنفوشس دن
بدن بڑا ہوتا جاتا تھا۔ اس کا باپ اگر زندہ ہوتا تو نہ معلوم اس کی تعلیم کا کیا انتظام کرتا۔
اب اس کی تربیت وغیرہ کا انتظام اس کی ماتا کے ہاتھ میں تھا۔ اگرچہ خاوند کی موت نے
اس دیوی کی کمر ہمت توڑ دی تھی۔ مگر اُس نے کنفوشس کی تعلیم کی طرف سے ذرا لاپرواہی
نہ کی۔ مناسب عمر میں اُس نے اسے سکول میں بھیجا۔ اور اپنی نیک نصیحتوں سے اُسے تمام
نشیب و فراز سمجھانے شروع کئے۔ کنفوشس نیک باپ کا بیٹا تھا۔ اس کے دل میں اپنی
ماتا کے لئے بڑی عزت تھی۔ اور جسطرح وہ اسے ہدایت کرتی تھی۔ اسی طرح ہی وہ چلتا تھا۔
اُس نے کبھی یہ جرأت نہ کی کہ ایک دفعہ بھی اپنی ماتا کا کہا نہ مانے۔ اس گستاخی سے وہ ہمیشہ
بچا رہا۔ اور ماتا کو اس کی عادتوں کی شکایت کبھی نہ کرنی پڑی۔

اپنے ہمعصر طالبعلموں میں کنفوشس بڑا ہوشیار تھا۔ جو اُستاد اسے پڑھاتے تھے۔
اُنہیں کبھی یہ ضرورت محسوس نہ ہوئی کہ اس کی شکایت کریں۔ وہ اپنے کام میں بڑا چالاک
تھا۔ اور ذرا سی محنت سے اسباق کو ازبر یاد کر لیتا تھا۔ ایشور نے اُسے ذہن بھی ایسا تیز
دیا تھا کہ جو بات اُس نے ایک دفعہ اُستاد کی زبان سے سُن لی۔ اُسے تمام عمر کبھی نہ بھُولا۔
اُستاد اُس کی ذہانت کو دیکھ کر حیران تھے۔ اور اس کی وجہ سے اس کی بڑی عزت کرتے
تھے۔ کنفوشس کے سر پر باپ کا سایہ نہ تھا۔ فلک کج رفتار نے جو ہمیشہ سے بہادروں
کی مخالفت کرتا آیا ہے۔ اس کے باپ کو تو اس سے چھین لیا۔ اور اس کے آرام میں خلل
ڈال دیا۔ لیکن یہ ظالم بھی اس کی ذہانت اور ذکاوت میں رخنہ نہ ڈال سکا۔ اور بہادر
کنفوشس جو باپ کی موجودگی میں کر سکتا تھا۔ وہ بغیر باپ کے اپنی رسائی طبع کی بدولت

بڑی آسانی سے کر لیا کرتا تھا۔

اس کی ماتا نے اس کے سامنے ہمیشہ یہ اصول پیش رکھا کہ وہ ایک بڑے باپ کا لڑکا ہے۔ اور اُسے دُنیا میں بڑا بننا ہے۔ وہ اتہاسک کہانیاں سُنا کر اُس کے حوصلہ کو بڑھایا کرتی تھی۔ اور اُس کے دل کو باپ کی جُدائی محسوس کرنے کے خیال سے ہمیشہ پاک رکھنے کی کوشش کرتی تھی۔ وہ اسے خراب کتابیں پڑھنے یا فضول کاموں میں وقت ضائع کرنے سے روکتی رہتی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اس کا باپ ایک بڑی ریاست کا وزیر تھا۔ اور اس کی خواہش تھی کہ اُس کا بیٹا بھی مناسب عمر حاصل کر کے اُسی رتبہ کو پہنچے۔ اس کیلئے اُس نے کنفوشش کی تعلیم کا بہترین انتظام کیا۔ اُسے اُس وقت کے اعلےٰ سے اعلےٰ اُستادوں کی خدمت میں بھیجا۔ اور تعلیم دلوائی۔ وہ جب کبھی دیکھتی کہ اُس کا لختِ جگر اداس ہے۔ اُس کی تسلّی کے لئے اُسے اپنے پاس بُلاتی یا خود اس کے پاس چلی جاتی۔ اور اس قسم کی باتیں کرتی کہ وہ اپنے رنج و غم کو بھول جاتا۔ بعض اوقات یہ اُس وقت تک اُس سے جُدا نہ ہوتی جب تک کہ اُس کی طبیعت کو قطعی خوش و بشاش نہ بنا لیتی۔

کنفوشش نے اپنے وقت کا بہترین استعمال کیا۔ اُس نے اپنا ایک ایک منٹ سیکھنے اور علم حاصل کرنے میں صرف کیا۔ اور اپنے ایک ایک لمحہ کو اس قدر بیش قیمت سمجھا کہ اُسے کسی حالت میں بھی ضائع نہ ہونے دیا۔ اُس کے سامنے خود اس کے باپ کی مثال تھی۔ وہ جانتا تھا کہ اُس نے اپنے باپ کے عہدہ پر پہنچنا ہے۔ اور اپنے خاندان کی عزت کو زیادہ کرنا ہے۔ چنانچہ اُس نے ۱۸-۱۹ سال کی عمر میں ہی وہ تمام علم حاصل کر لیا۔ جو اُس کے لئے اپنے باپ کے عہدہ پر پہنچنے کے لئے ضروری تھا۔ تعلیم حاصل کرنے کے بعد جب یہ اپنی ماتا کے پاس آیا۔ اس کے دل میں بڑی تسلّی تھی۔ یہ اس وقت اس قسم کی فلسفیانہ گفتگو کرتا تھا کہ اس کے ہمعصر دیکھ کر اسے فلاسفر کا خطاب دیتے تھے۔ اُس نے کوشش کی۔ مگر باپ کا عہدہ اسے نہ ملا۔ اِس سے اس کے دِل کو صدمہ تو پہنچا۔ مگر اُس نے ہمّت نہ

ہاری۔ اور اپنی توجہ کو اپنے ملک کی بہتری کی طرف مبذول کرنا شروع کیا۔

اس وقت چین میں عجیب حالات تھے۔ چاروں طرف بدامنی اور شرارت کے آثار نظر آتے تھے۔ لوگوں کا کیرکٹر گر رہا تھا۔ لوگ حرص اور طمع کے غلام بنے ہوئے ایک دوسرے کی تباہی میں مشغول تھے۔ اور ذرا ذرا سی بات پر لڑ کر خاندان کے خاندان تباہ ہو جاتے تھے۔ بددیانتی کا لوگوں میں بڑا پرچار تھا۔ چالاک آدمی کسی کو بددیانتی سے ٹھگ کر بڑے خوش ہوتے تھے۔ اور جب اپنے دوستوں میں بیٹھتے تھے۔ تو اپنی حرکات کا بڑے فخر سے ذکر کرتے تھے بلکہ اس فن میں ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی کوشش کرتے تھے۔ یہی حال عورتوں کا تھا۔ شراب اور دیگر برائیاں چینی قوم کو گھن کی طرح کھا رہی تھیں۔ ریفارمر لوگ ان خرابیوں کو دیکھ رہے تھے۔ اور ان کے دور کرنے کے لئے بھی بہت کچھ اپائے کرتے تھے مگر یہ خرابیاں اس قدر بڑھ چکی تھیں کہ جب تک کوئی خاص شکتی ان کو روکنے کے لئے آگے نہ بڑھے ان کا انسداد ہونا مشکل تھا۔

کنفوشش نے یہ حال دیکھ کر چاہا کہ نوکری کی خواہش کرنے کی بجائے اپنے اہل وطن کی خدمت کرے۔ چنانچہ اس نے لوگوں کو برائیوں سے بچنے کی تعلیم دینی شروع کی۔ اس کے لئے اس نے اپنے ہی شہر سے لیکچر دینا شروع کیا۔ وہ اکثر محلوں۔ بازاروں اور چوکوں میں کھڑا ہو کر برائیوں کے برخلاف تقریریں کرتا تھا۔ اور لوگوں کو سمجھاتا تھا کہ ان برائیوں میں پڑ کر اپنے قیمتی جیون کا ناش نہ کریں۔ مگر بہت کم لوگ تھے۔ جو اس کی بات سنتے تھے۔ اس نے بڑے زور سے اپنے اہل شہر کو سمجھایا کہ جن خرابیوں میں وہ پڑے ہوئے ہیں۔ وہ ان کا بہت جلد خاتمہ کر دینگی۔ لیکن کسی نے اس کی آواز نہ سنی۔ یہاں تک کہ کنفوشش ان کی طرف سے مایوس ہو گیا۔ اور اس نے چاہا کہ ایسے بیوقوف لوگوں کو چھوڑ کر چلا جاوے۔ جو اس کی نیک ہدایات کو سننے تک کے لئے بھی تیار نہیں۔

یہ سوچ کر کنفوشش نے ارد گرد کے شہروں میں اپنا کام جاری کرنا چاہا۔ اس نے بخشش

مقامات میں جا کر بکھیر دیئے۔ اور لوگوں کو نیکی کی طرف بلایا۔ لیکن یہاں بھی یہی حال تھا۔ چند منٹ کے لئے لوگ اس کے لیکچروں میں جمع ہو جاتے تھے۔ مگر پھر جنگلی کبوتروں کی طرح ذرا سی دیر میں اُڑ جاتے تھے۔ کنفوشش کو یہ فائدہ تھا کہ ایک اچھے خاندان سے ہونے کی وجہ سے وہ جہاں چاہتا تھا۔ پہنچ سکتا تھا۔ لیکن جب یہ اپنی باتیں لوگوں کو سناتا اور اُن سے اُن پر کاربند ہونے کے لیئے کہتا تو وہ اس کے منہ کی طرف دیکھنے لگتے کہ یہ کیا کہتا ہے۔ اور اکثر اسے صاف کہہ دیتے کہ وہ اس کی باتوں کو ایک پاگل کی بڑ سے زیادہ نہیں سمجھتے۔ لوگوں میں بُری عادتوں کا اس قدر پرچار ہو گیا تھا کہ وہ ان ہی میں اپنے تئیں آنند سمجھتے تھے۔ اور انہیں چھوڑنا اُن کے لیئے بڑا دکھ دینے والا نظارہ تھا۔ تین چار سال تک کنفوشش نے یہ کام کیا۔ مگر اُس نے دیکھا کہ اس میں کچھ خاص کامیابی نہ ہوئی۔ وہ اپنے وقت کے بڑے بڑے لائق پنڈتوں اور فلاسفروں سے ملتا رہتا تھا۔ اور اپنے کام کے بارہ میں اُن سے صلاح مشورہ بھی لیتا رہتا تھا۔ وہ سب اس کے سب اس کی تعلیم کے ساتھ اتفاق تو رکھتے تھے لیکن اس کا ساتھ دینے سے وہ بھی کتراتے تھے۔

اکثر ایسا ہوتا تھا کہ جب کنفوشش کسی خرابی یا بُرائی کے برخلاف پرچار کرتا ہوتا تو کوئی شریر اُس کی باتوں کا خیال اُڑانے کے لئے اس سے بحث کرنے لگ جاتا۔ اور اس قسم کے بیہودہ سوالات کرتا۔ کہ جن کو سُنکر اسے سوائے دُکھ کے اور کوئی لابھ نہ پہنچے۔ یہ خوب جانتا تھا کہ کئی لوگ محض اُس کا وقت ضائع کرتے ہیں۔ لیکن آئندہ کامیابی کا خیال اُس کی ہمّت بندھائے ہوئے تھا۔ اور وہ بےعزّتی۔ بدنامی اور مصیبت کی حالت میں بھی برابر اپنے کام میں لگا ہوا تھا۔ لیکن آخر کب تک؟ جب اُس نے دیکھا کہ تین چار سال کے لگاتار کوشش کرنے سے کوئی نیک نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ تو اُس نے اس کام کو چھوڑ کر اپنی طاقتوں کو کسی بہتر طریقہ پر صرف کرنے کا وچار کیا۔ جس سے وہ اپنے

ملک اور قوم کا زیادہ بھلا کر سکے۔ اور تھوڑے سے غور کے بعد اُس نے ایک اعلےٰ سکیم بنائی۔
کنفوشش کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ جب تک راجیہ کی حالت درست نہ ہو تب تک ملک کی حالت سدھر نہیں سکتی۔ چونکہ ریاست کے بڑے بڑے عہدوں پر ایسے افسر مقرر تھے جو خود بھی خراب تھے اور اپنی سلامتی کے لئے لوگوں کو بھی خراب رکھنا چاہتے تھے۔ اس لئے خرابیوں کے برخلاف کوئی تجویز کارگر نہ ہوتی تھی۔ جب ایک افسر ہی انصاف کا خون کرنے کو تیار ہو تو ملک سے قانون شکن لوگوں کا خاتمہ نہیں کیا جا سکتا۔ اُس نے سوچا کہ اگر ملک میں چند ایسے آزاد خیال نوجوان پیدا کر دیئے جائیں۔ جو اپنی عمر بھر ملک اور قوم کی بہتری میں لگے رہیں تو اہلِ وطن کا کچھ بھلا ہو سکتا ہے۔
چنانچہ اس خیال کو عملی جامہ پہنانے کے لئے اُس نے ایک سکول کی بُنیاد ڈالی۔ جس میں پالٹیکس۔ فقہ ادب۔ فلسفہ۔ اخلاق۔ منطق اور ریاضی وغیرہ علوم کی اعلےٰ تعلیم دی جاتی تھی۔ اس وقت اس کی عمر ۲۲ سال کے قریب تھی۔ اس کا خیال تھا کہ سکول کے ذریعہ وہ زیادہ مفید کام کر سکیگا۔ اس کے سکول کے قواعد کچھ سخت تھے۔ مگر تھے بڑے مفید۔ اور اُس نے اپنی جو سکیم بنائی تھی۔ اُس کے عین مطابق تھے۔
وہ اپنے سکول میں کسی ایسے لڑکے کو داخل نہ کرتا تھا۔ جو اُس کے پاس ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے لئے آوے۔ ایسے لڑکوں کو اس کا ایک ہی جواب تھا۔ اور وہ یہ کہ اُنہیں ابتدائی تعلیم یا تو ماتا کی گود میں حاصل کرنی چاہیئے یا ابتدائی سکولوں میں۔ چنانچہ وہ کہا کرتا تھا کہ میرا سکول بچوں کا سکول نہیں۔ بلکہ مردوں اور نوجوانوں کا سکول ہے۔ اور اس سکول میں وہی شخص داخل ہو سکتے تھے۔ جنہوں نے ابتدائی تعلیم پہلے حاصل کرلی ہو۔ اس کے علاوہ وہ کسی ایسے طالب علم کو اپنے سکول میں داخل نہ کرتا تھا جو اُسے اپنی نیک چلنی اور شرافت کا ثبوت نہ دلا دے۔ وہ کہا کرتا تھا کہ بدچلن اور شریر طالبعلموں کو تعلیم دینا نہ صرف اپنا وقت ضائع کرنا ہے۔ بلکہ انسانی سوسائٹی

کے لیئے اُن کو زیادہ نقصان دِہ بنانا ہے۔ اگرچہ بعض آدمیوں کو یہ منطق اُلٹی معلوم
ہو گی لیکن کنفوشش اس میں بڑی بہتری خیال کرتا تھا۔ اور جن حالات میں اُسے
کام کرنا پڑتا تھا۔ اُن کا خیال کرکے اس کے خیال کے ساتھ اتفاق کرنا پڑتا ہے۔ ایک
اور قاعدہ جو اُس کے سکول میں داخل ہونے کے لیئے نہائت ہی ضروری تھا۔ وہ یہ
تھا کہ ہر ایک طالب علم کو یہ اقرار کرنا ہوتا تھا کہ وہ علم سیاست بھی ضرور سیکھیگا۔ اور اپنے
مُلک کی خدمت کرنے کے لیئے سرکاری ملازمت میں داخل ہوگا۔ اس قاعدہ کی پابندی
کنفوشش بڑے زور سے کرتا تھا۔ اور اسے اُس نے کبھی بھی نظر انداز نہیں کیا۔
اِسے سکول جاری کیئے چند ماہ ہی گذرے تھے کہ مُلک کے مختلف حصّوں سے اعلےٰ
اعلےٰ شاگرد اس کے گرد جمع ہونے شروع ہوئے۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں اُس کا
سکول ہونہار طلبائ سے بھر گیا۔ نوجوانوں کو اس پر بڑا بھروسہ تھا۔ اور جُونہی اُنہوں
نے اس کے سکول کے بارہ میں سُنا۔ وہ جوق در جوق اِس کے پاس آنے لگے۔ اپنے گرد
شاگردوں کا اتنا ہجوم دیکھ کر اس کا دل باغ باغ ہوگیا۔ اور اُس نے سمجھا کہ اب اُسے
اپنے ارادہ میں ضرور کامیابی ہوگی۔ وہ اپنے زمانہ کا سب سے اچھا اُستاد تھا۔ اُس کا
پڑھانے کا طریقہ ایسا اچھا تھا کہ شاگرد اُس پر دل وجان سے عاشق ہو جاتا تھا چنانچہ
وہ اپنے شاگردوں کے ساتھ ایسی مروّت۔ نیکی اور خوش خلقی سے پیش آتا تھا کہ وہ
اسے بجائے باپ کے سمجھتے تھے۔ اگرچہ اس کی عُمر ابھی ۲۲-۲۳ سال کی ہی تھی۔ مگر وہ بڑی
ہوشیاری سے کام کرتا تھا۔ اور اپنے تجربہ سے بڑے بڑے اُستادوں کو تعلیم دیتا تھا۔ دراصل
اُس نے یہ سکول اِس لیئے جاری کیا تھا کہ وہ اپنے مُلک کے لیئے چند ایسے نوجوان پیدا
کرے جو ریاست کا انتظام کرنا جانتے ہوں۔ اور رعایا کے لوگوں میں رہ کر اُن کی
ضروریات اور احساسات کو محسوس کرکے کام کریں۔ وہ پڑھاتے وقت اپنے شاگردوں کو
ایسے نکتے اور باریکیاں بتاتا تھا۔ جو براہ راست اُن کے دل پر اثر کرتی تھیں۔ اور اُن کے

دلوں میں اُستاد کی عزت دوبالا کر دیتی تھیں۔

کنفیوشس اپنا سارا وقت اِس سکول میں صرف کرتا تھا۔ اس لئے اپنے گذارہ کے لئے اس سکول کو ہی ذریعہ بنانا پڑا۔ چنانچہ وہ اپنے شاگردوں سے کچھ فیس بھی لیتا تھا۔ لیکن اس میں یہ خوبی تھی کہ اگر اسے معلوم ہو جاتا کہ ایک نوجوان تعلیم حاصل کر کے ملک کے لئے مفید بن سکتا ہے مگر روپیہ خرچ نہیں کر سکتا۔ تو وہ نہ صرف اُس کی فیس معاف کر دیتا تھا۔ بلکہ اور بھی جو مدد وہ کر سکتا۔ کرنے کے لئے تیار رہتا تھا۔ اس نے فیس ادا نہ کرنے کے جرم میں کبھی اپنے کسی شاگرد کو سکول سے خارج نہیں کیا۔ اُس کا قاعدہ تھا کہ جو کچھ کسی نے دیدیا۔ لے لیا۔ اس کے دل میں نہ تو طمع تھی اور نہ حرص اور نہ ہی اُس نے ان کو پورا کرنے کے لئے اپنے سکول کے طلباء پر فیس لگائی تھی۔ اگرچہ اُس کا گذارہ بہت تنگ تھا۔ اور اُسے اپنی ضروریات کے لئے بعض اوقات مجبور بھی ہونا پڑتا تھا۔ لیکن اس کا دل ذرا بھی تنگ نہ تھا۔ اُس کے دل میں انسان اور انسان کے بچوں کے لئے بڑی محبت تھی۔ اور وہ چاہتا تھا کہ اپنے شاگردوں کو اس قابل بنا دے کہ جو اُس سے تعلیم حاصل کر کے سلطنت کی کرسی پر جلوہ افروز ہو کر انصاف۔ رحم۔ خدا ترسی اور شفقت سے لوگوں کو راہ راست پر لا دیں۔ اور ملک میں جو خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں۔ ان کی جڑیں کاٹ دیں۔

کنفیوشس کے ارادے نیک تھے۔ کب ممکن ہے کہ اُسے ان میں کامیابی نہ ہوتی۔ چند سال میں ہی اُن شاگردوں کی تعداد جو اس کے سکول سے تعلیم حاصل کر کے نکلے۔ تین ہزار سے بھی بڑھ گئی۔ یہ تعداد اُن شاگردوں کی ہے۔ جنہوں نے اپنے کاموں سے ملک میں اعلےٰ ترین نام پایا۔ ان میں وہ طلباء شامل نہیں ہیں۔ جو کسی وجہ سے اپنے آپ کو میدان شہرت میں آگے نہ لا سکے۔ ان میں سے قریباً ۸۰ شاگرد تو اس بلا کے ہوشیار اور لائق تھے کہ کنفیوشس اُن پر خود ناز کیا کرتا تھا۔ اور اُسے فخر

تھا کہ اُس نے اپنے مُلک کو چند سالوں کے عرصہ میں اتنے نوجوان دیئے ہیں۔ جو ایک بُرائی
تو کیا ہزار برائیوں کی جڑ کاٹ کر پھینک سکتے ہیں۔ اُس نے اپنے شاگردوں کے دلوں میں جذبہ
پیدا کر دیا تھا کہ وہ اگر ڈریں تو بے انصافی سے۔ اگر عزّت کریں تو انصاف کی اور اگر قدر کریں
تو انصاف کی۔ اِس کے برخلاف جہاں کہیں وہ پاپ، شرارت، برائی اور ظلم کو دیکھیں
وہاں ہی اُس کا مقابلہ کریں۔ خواہ کچھ ہو مقابلہ سے پیچھے نہ ہٹیں۔ بلکہ برائی اور ظلم کو
پیچھے ہٹا دیں۔ اور اس میں شک نہیں کہ اپنے شاگردوں میں یہ خصوصیت پیدا کرنے
میں اُسے خاص کامیابی حاصل ہوئی تھی۔ اور جہاں کہیں اُس کا ایک بھی شاگرد پہنچ
جاتا تھا۔ وہ چھاتی تان کر ظلم اور بُرائی کا مقابلہ کرتا تھا۔ ملک میں جہاں کہیں انصاف
اور ظلم کی لڑائی ہوتی ہو۔ چین میں یہ بات عام طور پر مشہور ہو گئی تھی کہ کنفوشش کے شاگرد
ضرور انصاف کی طرف ہونگے۔

کنفوشش کے تین ہزار لائق و فائق شاگردوں نے اُس کے نام کا ڈنکا تمام مُلک
میں بجا دیا۔ اور مُلک کے ہر حصہ و گوشہ سے اُس کے پاس تحفہ تحائف آنے لگے۔ اِس
کے بعض شاگرد گورنمنٹ چین نے بڑے بڑے عہدوں پر مقرر کئے۔ جنہوں نے اپنا
کام ایسی ذمہ داری سے کیا کہ نہ صرف اپنا ہی نام روشن کیا۔ بلکہ اُستاد کی عزت میں بھی
چار چاند لگا دیئے۔ اُنہوں نے ایسے ایسے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے کہ سلطنت
اور رعایا دونوں کو فائدہ پہنچا۔ اُنہوں نے ظلم اور شرارت کی جڑ کاٹنے کے لئے بہتر
سے بہتر اوپائے کئے۔ اور جو کنفوشش چاہتا تھا۔ اُسے کر دکھایا۔ جس وقت کنفوشش
کا کوئی شاگرد کسی خرابی کا انسداد کرنے میں کامیاب ہوتا تھا۔ وہ اپنے اُستاد کے
پاس اُس کی خبر بھیجتا تھا۔ اور اُستاد بڑا خوش ہوتا تھا۔ اس وقت جبکہ اس مہا پُرش
کی عزت تمام مُلک میں ہو رہی تھی۔ اسے شادی کا خیال آیا۔ کئی ایک نیک، خوبصورت و
خوب سیرت دیویوں نے اپنے آپ کو اس مطلب کیلئے پیش کیا۔ آخر اس نے ۲۹ سال

کی عمر میں شنگ گھرانے کی ایک نیک اور خوبصورت دیوی کے ساتھ شادی کر لی۔ اور شادی کے پُورے ایک سال بعد اس کے گھر لڑکا پیدا ہوا۔ جس کی پیدائش پر والدین کو بڑی خوشی ہوئی۔ لڑکے کے بعد اس کے پے در پے دو لڑکیاں بھی پیدا ہوئیں۔

جس نیک دیوی سے کنفوشش کی شادی ہوئی۔ وہ بھی بڑی ہوشیار تھی۔ اور اس کے ارادوں کی تکمیل میں اس کی بہترین ساتھی ثابت ہوئی۔ وہ ہمیشہ اپنے خاوند کی خوشی کا خیال مدِ نظر رکھتی تھی۔ اور بچوں کی پرورش و تربیت کا اس قدر خیال تھا کہ ایک منٹ بھی اس طرف سے غافل نہ ہوتی تھی۔ جو خوشی دُنیا میں ہو سکتی ہے۔ وہ اس وقت کنفوشش کو حاصل تھی۔ گھر میں نیک بیوی اور بچے اُس کی خوشی بڑھانے کے لئے موجود تھے۔ باہر ہزارہا کی تعداد میں اُس کے نیک اور بہادر شاگرد اُس کی عزت اور خوشی کو دوبالا کرنے کے کاموں میں مشغول تھے۔ مگر کنفوشش اپنے پروگرام کو اب بھی مکمل نہ سمجھتا تھا۔ اور برابر کام میں لگا ہوا تھا۔ اُس نے اپنے آپ کو چند سال کے لئے شاہی ملازمت کے لئے پیش کیا۔ تاکہ وہ اپنے شاگردوں کے سامنے اس امر کا عملی نمونہ پیش کر سکے کہ سرکاری ملازمت میں رہ کر ایک انسان کس قدر بھلا کر سکتا ہے۔ چنانچہ اُس نے اپنے ایامِ ملازمت میں ثابت کر دیا کہ یہ شاہی نوکری صرف خرابیاں کرنے اور لوگوں پر حکومت جتلانے کے لئے ہی نہیں ہے۔ بلکہ رعایا اور سلطنت کے تعلقات کو زیادہ مضبوط۔ زیادہ بہتر اور زیادہ پائیدار بنانا اس کا اولین فرض ہے۔

اس کے بعد اُس نے مُلک کے مُختلف حصّوں کا سفر کر کے اپنے اہلِ وطن کی بھلائی کا بیڑا اُٹھایا۔ اور جگہ بہ جگہ لیکچر دیتا پھرا۔ یہ جہاں بھی جاتا تھا۔ اس کے شاگرد اس کے استقبال کے لئے موجود ہوتے تھے۔ یہ وہی کنفوشش ہے۔ جس کے لیکچروں میں کوئی شخص آنا اپنا وقت ضائع کرنا خیال کیا کرتا تھا۔ آج اُس کی

تقریریں سُننے کے لئے مُلک کے بڑے بڑے انسان گھنٹوں بُت بنے بیٹھے رہتے تھے۔ اور اُس کی ایک ایک بات کو وحی سمجھ کر سُنتے تھے۔ کنفوشش نے اپنے وقت کا ایک ایک منٹ مُلک سے خرابیاں دُور کرنے کے لئے صرف کیا۔ اور چند سالوں کی کوششوں کا یہ پھل ہُوا کہ جب وقت یہ آرام کرنے کے لئے گھر کو واپس لوٹا۔ مُلک میں امن وامان اور شانتی تھی۔ حسد کی آگ بہت کچھ بجھ گئی تھی۔ بددیانتی کے خیالات سے لوگ نفرت کرتے تھے۔ اور آپس میں بھائی بھائی کی طرح رہنے کے لئے اُن کے دل میں بڑی خواہش تھی۔

پانچ سال کے عرصہ کے بعد کنفوشش اپنے گھر کو واپس آیا۔ اس وقت اُس کا خیال تھا کہ وُہ آرام کریگا۔ اور گھر پر ہی چند شاگردوں کو تعلیم وتربیت دیگا۔ مگر گھر میں آئے اسے چند روز ہی ہوئے تھے کہ اُسے فغفور لو (چین کے ایک علاقہ کا بادشاہ) کا سندیسہ پہنچا کہ وہ آکر اپنے باپ کی جگہ عہدۂ وزارت کا چارج لے۔ یہ وہی عہدہ تھا۔ جو پہلے پہل کنفوشش کو مانگنے پر بھی نہ دیا گیا تھا۔ لیکن اس وقت فغفور لو نے خود اسے دینا چاہا۔ کنفوشش کے دِل میں اب اِس عہدہ کی کوئی خواہش باقی نہ رہی تھی۔ بلکہ اب وہ ایک بڑی مصروف زندگی کے بعد آرام کرنا چاہتا تھا۔ اُس نے شکریہ کے ساتھ فغفور لو کی درخواست نامنظور کردی۔ اور کہلا بھیجا کہ اب وہ آرام کرنا چاہتا ہے۔ لیکن اب جبکہ چین میں یہ جذبہ عام طور پر پیدا ہو چکا تھا کہ اعلےٰ عہدے اچھے آدمیوں کو ملنے چاہئیں۔ فغفور لو نے اِس انکار کو منظور نہ کرکے اُسے اپنے ملنے کے لئے بُلایا۔ جب وقت یہ بادشاہ سے ملا۔ اُس نے کہا۔

فغفور لو۔ کنفوشش! یہ کیا بات ہے کہ آپ اپنے بھائیوں کی بہتری کے کام سے انکار کرتے ہیں؟

کنفوشش:۔ شاہا! مَیں اپنے بھائیوں کی خدمت کرنے کے لئے ہمیشہ تیار رہا ہُوں۔ اور اب بھی تیار ہُوں۔ مگر مَیں دیکھتا ہوں کہ اب میں عہدۂ وزارت کی ذمہ واریاں

اُٹھانے کے قابل نہیں ہوں۔ بوڑھاپا سر پر آرہا ہے۔ اور میں آرام کرنا چاہتا ہوں۔
فغفور۔ اِس عہدہ کے قبول کرنے سے آپ کو کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ بلکہ بہت سا آرام ہوگا۔ یہ سب سے بڑا عہدہ ہے۔ جو ایک انسان کو دیا جا سکتا ہے۔ آپ اسے لینے سے انکار نہ کریں۔ ایسے عہدے بار بار نہیں ملا کرتے۔
کنفوشش: میں اُن لوگوں میں سے نہیں ہوں۔ جو سرکاری عہدے آرام کے لئے حاصل کرتے ہیں۔ میں اسے آرام کا ذریعہ نہیں سمجھتا۔ بھلا جس عہدہ پر مقرر ہو کر لاکھوں بندگانِ خدا کے انتظام اور آرام کا خیال ہر وقت رہتا ہو۔ کیا وہ عہدہ بھی کبھی آرام کا باعث ہو سکتا ہے؟ بیشک یہ عہدے بار بار نہیں ملتے۔ لیکن میں تو اپنے آپ کو اِس کے ناقابل سمجھ کر شکریہ کے ساتھ اِس سے انکار کرتا ہوں۔
فغفور: آپ اپنے فیصلہ پر دوبارہ غور کریں۔ ایسا عہدہ دوبارہ نہیں مل سکتا۔
کنفوشش۔ میں بھی گذارش کرتا ہوں کہ فغفور اپنے فیصلہ پر دوبارہ غور کرے۔ وہ اس عہدہ کو کسی دوسرے شخص کے حوالہ کرے۔
کنفوشش نے بہت چاہا کہ وہ اس عہدے پر مقرر نہ ہو۔ لیکن اعلےٰ آدمیوں کا ذمہ داری کے عہدوں پر مقرر ہونے کا جذبہ اُس کا ہی پیدا کیا ہُوا تھا۔ بادشاہ نے اُس کی ایک نہ سُنی۔ اور اُسے مجبور کیا کہ وہ ضرور اس عہدہ پر جلوہ افگن ہو کر علاقہ کے لوگوں کی خدمت کرے۔ اِس حکیم نے جب یہ دیکھا کہ اب شاہ کسی طرح بھی باز نہیں آتا۔ اُس نے بڑی نرمی سے کہا۔
"شاہی نوکری خاصکر عہدہ وزارت ایک بڑی آزمائش ہے۔ جس میں مجھے اس وقت ڈالا جاتا ہے۔ جبکہ میں آرام کرنے کے لئے دُنیا کا کاروبار چھوڑنا چاہتا ہوں۔ میری عمر کا ایک بڑا حصہ بڑی عزت اور امن سے گذر گیا۔ لیکن اب جو تھوڑی سی عمر باقی ہے۔ وہ خستہ حالی اور خرابی میں بسر ہوتی نظر آتی ہے۔ مجھے خوف ہے کہ میری تمام عمر کا ریکارڈ

اِس چند روزہ کام سے خراب نہ ہو جاوے۔"

اس پر بادشاہ نے اُسے یقین دلایا کہ جس طرح وہ چاہیگا۔ کیا جاویگا۔ اور کوئی اُس سے باز پُرس نہ کریگا۔ اُسے سرکاری نوکری میں ضرور آنا چاہیئے۔ بادشاہ کی یہ حالت دیکھ کر کنفوشش نے بھی سوچا کہ اچھا اگر میں ایک دفعہ اور اپنے اہل وطن کی خدمت اِس طریقہ سے کرسکتا ہوں۔ تب مجھے کیوں انکار کرنا چاہیئے۔ اُس نے بادشاہ کی درخواست منظور کرلی۔ اور عوام کے فائدہ کے لئے سنگ تو کا چیف مجسٹریٹ بن گیا۔ اس عہدہ کا چارج ہاتھ میں لیتے ہی اُس نے برائیوں کی جڑوں کو پھر کاٹنا شروع کیا۔ اگرچہ اُس کے ہاتھ کمزور ہو گئے تھے۔ اور اُن میں جوانوں جیسا خون نہیں تھا۔ مگر اس کا جوش ذرا بھی کم نہ ہوا تھا۔ اُس نے ایسے استقلال اور ہمت سے کام کیا کہ تھوڑے روز بعد اُسے محکمہ فوجداری کا وزیر بنا دیا گیا۔ اُس نے اپنے اختیارات کو ایسی خوبی سے استعمال کیا کہ تمام ملک میں جرائم کی تعداد میں بڑی کمی واقع ہوگئی۔ بددیانتی چوری اور ٹھگی کے واقعات تو اس قدر کم ہوگئے کہ مہینہ میں بھی ایک آدھ مقدمہ آتا تھا۔

اگرچہ کنفوشش کے حسن انتظام کی تمام ملک تعریف کر رہا تھا۔ لیکن اُس نے اس عہدہ پر رہ کر اپنے چند دشمن اور مخالف بھی بنا لئے تھے۔ دشمنوں میں سے ایک اُس کا ہمعصر افسر تھا۔ جو علاقہ لو کے قریب ہی حکومت کرتا تھا۔ اُس نے دیکھا کہ کنفوشش لوگوں میں ایک پبلک سپرٹ پیدا کر رہا ہے۔ چونکہ وہ خود کئی طرح سے کمزور تھا۔ اس لیے اُسے خوف پیدا ہوا کہ کہیں لوگ کنفوشش کی تعلیم سے متاثر ہوکر اُس کی دُرستی پر بھی آمادہ نہ ہو جاویں۔ اس خیال کے آتے ہی اُس نے کنفوشش کو خراب کرنے کی ٹھانی۔ اور کوشش کرنے لگا کہ اُسے بدنام کرا کے موقوف کرادے۔ اگر بس چلے تو پھانسی سے بھی درگذر نہ کرے۔ یہ افسر دن رات اسی قسم کے خیالات میں غرق رہتا تھا۔ مگر اُسے کوئی مناسب تجویز سمجھ میں نہ آتی

تھی۔ اُس نے کئی چالیں چلیں۔ مگر اُس کنفوشش پر جو کنول کے پھول کی مانند پانی میں اُوپر ہی رہتا تھا۔ اور اپنے آپ کو کسی قسم کی آلائش سے خراب نہ کرتا تھا۔ اُسے ہر بار مُنہہ کی کھانی پڑی۔

آخر اُس نے اپنے شریر اور بد صلاحکاروں کے ساتھ مشورہ کرکے یہ تجویز کی کہ اگر ہوسکے تو فغفور کو ہی بدھو بنانا چاہیئے۔ اِس کے لیئے اُس نے کئی خوبصورت عورتیں جمع کیں۔ اور اُنہیں یہ سکھلایا کہ جہاں تک ہوسکے وہ بادشاہ کو اپنے ساتھ ہی شراب وغیرہ پینے میں مشغول رکھیں۔ سب کچھ سکھانے پڑھانے کے بعد اُس نے ان کو بطور تحفہ کے بادشاہ کے پاس روانہ کردیا۔ عورتیں خوبصورت اور نازک بدن تھیں۔ آتے ہی اُنہوں نے شاہ کے دل پر ایسا قبضہ جمایا کہ اُسے محل سے نکل کر دربار میں جانا ہی [illegible] کردیا۔ اور ان کے پھندوں میں ایسا پھنسا کہ سلطنت کا تمام کاروبار بھُول گیا۔ کنفوشش چونکا اور اُسے سمجھانے لگا کہ وہ اپنے آپ کو خرابی سے بچا دے۔ ورنہ اس کی بُری مثال سے تمام رعایا خراب ہو جاویگی۔ مگر اب یہاں نصیحت کون سُنتا تھا۔ کنفوشش کہہ چھوڑتا تھا۔ فغفور سُن لیتا تھا اور بس۔

جب ان رنڈیوں نے دیکھا کہ اب شاہ بالکل ان کے قبضہ میں ہے۔ اور جو وہ چاہتی ہیں وُہی کرتا ہے۔ تو اُنہوں نے کنفوشش کے انتظام میں گڑبڑ ڈالنی شروع کی۔ اب تو حکیم گھبرایا۔ اُس نے فغفور کے کانوں میں یہ بات زور سے کہی کہ انتظام کا تمام شیرازہ بکھر رہا ہے۔ اگر چندے اور یہی حال رہا۔ تو معاملہ بہت نازک ہو جاویگا۔ اور اس کی تمام ذمّہ داری اُس پر ہوگی۔ پہلے پہل تو بادشاہ اپنی عادات کو سنوارنے کا وعدہ کرتا رہا۔ مگر جب اُسے ان رنڈیوں نے کنفوشش کی طرف سے بھی بدظن کردیا۔ تو وہ اِس کی عزّت تو ایک طرف سر دربار بےعزّتی کرنے لگا

جس کا حکیم کنفوشش کو بڑا صدمہ ہوا۔ اُس نے دیکھا کہ تمام عُمر کی کمائی اب یہاں برباد ہوگی۔ اور
نیکنامی جو بڑی مشکلوں سے حاصل ہوئی ہے۔ اب بدنامی میں بدل جاویگی۔ اُس نے بڑی کوشش
کی کہ شاہ اپنے خیالات کو بدلے۔ مگر اُسے ذرا بھی کامیابی نہ ہوئی۔ ایک روز اُس نے تنگ
ہو کر فغفور سے کہا:۔

"آہ! جو میں کہتا تھا۔ وہی اب میرے آگے آرہا ہے۔ میں کہتا تھا کہ یہ عہدہ میری بدنامی
کا باعث ہوگا۔ اور میری عزّت کو خاک میں ملا دیگا۔ میں اسے ہاتھ میں لینے سے کتراتا تھا
مگر زبردستی اسے میرے سر پر ڈالا گیا۔ آج شاہ تو اپنے محلوں میں رنگ رلیاں کرتا ہے
میں کہاں جاؤں۔ ریاست کا انتظام خراب ہو رہا ہے۔ قانون کی وقعت لوگوں کی نظروں
سے مِٹ رہی ہے۔ اور قانون شکن لوگوں کی تعداد بڑھ رہی ہے۔ اے فغفور! تم کو کیا
ہوگیا ہے۔ سمجھو اور اپنی ذمّہ واری کو محسوس کرو۔ جو کچھ آج کل آپ کر رہے ہیں۔ وہ آپ
کی شان کے مطابق نہیں۔ یاد رکھو کہ اس قسم کی حرکات سے علاقہ تباہ ہو جاویگا"

کنفوشش نے بڑے زور سے بادشاہ کو ہوشیار کرنا چاہا۔ لیکن اس کا دل ہاتھ سے جا
چکا تھا۔ وہ رنڈیوں کے دام میں پھنس کر اپنی عقل وخرد کو جواب دے چکا تھا۔ اُس
نے اس نیک حکیم کی ایک بات نہ سُنی۔ اور اپنی حرکات میں مستغرق رہا۔ یہاں سے گھر واپس
آکر کنفوشش سوچنے لگا کہ اب اُسے کیا کرنا چاہیئے؟ کئی خیالات دل میں آئے۔ لیکن
مایوسی بڑھتی گئی۔ اور اس کا اُسے ایسا صدمہ ہوا کہ فکر میں ہی بیمار ہوگیا۔ جب تندرست
ہوا تو اُس نے وزارت کے عہدے سے استعفا دیدیا۔ اور کام چھوڑ کر گھر چلا آیا۔ یہاں
آتے ہی اُس نے پھر شاگردوں کو پڑھانا شروع کیا۔ اور چند ہی روز میں مختلف مضامین کی
تعلیم حاصل کرنے کے لئے اس کے پاس بیشمار شاگرد آگئے۔ مگر اب دفعہ اُس نے اپنے
شاگردوں کو صرف نیکی اور مذہب کی تعلیم دینا ہی اپنے لئے مناسب خیال کیا۔ اس وقت
اُس کی عمر ۶۹ سال کی ہو چکی تھی۔ اور بڑھاپا آگیا تھا۔ لیکن پھر بھی مذہب کے پرچار میں

نوجوانوں کی طرح لگا رہا۔

یہ وقت اُس کے لیئے کامل آرام کا تھا۔ لیکن صدموں نے اُس کی کمر توڑنی شروع کی
سب سے پہلے اُس کی نیک بیوی نے اُسے داغ مفارقت دیا۔ بڑھاپے کی عمر میں نیک
بیوی کی موت کا اُسے بڑا صدمہ ہُوا۔ اس کے بعد اس کی لڑکیاں فوت ہوگئیں۔ اور آخر
جو ایک لڑکا تھا۔ وُہ بھی لقمہ اجل ہوگیا۔ بیٹے کی موت نے اُس کے رہے سہے ہوش
بھی گنوا دیئے۔ اُس کی زندگی کا خزانہ اُس کی زندگی کا آرام سب کچھ برباد ہو چکا تھا۔ اگر
ان صدموں کا دائرہ یہاں تک ہی محدود رہتا تو بھی شاید اُسے کچھ شانتی رہتی۔ لیکن
ظالم موت کو اب بھی صبر نہ آیا۔ اور اس نے اس کے دیکھتے دیکھتے اس کے کئی ہوشیار
اور لائق شاگردوں کو ہمیشہ کے لیئے جُدا کر دیا۔ نوجوان شاگردوں کی موت نے اُس کی
آنکھوں میں دُنیا اندھیر کر دی۔ جب وُہ اپنے کسی لائق شاگرد کی موت کا خیال کیا کرتا
تو اکثر اُس کے مُنہہ سے یہ الفاظ نکل جایا کرتے تھے:۔

"یہ ضروری ہے کہ بڑے سے بڑا استون شق ہو جاوے۔ یہ ضروری ہے
کہ مضبوط سے مضبوط لٹھ ایک دن ٹوٹ جاوے۔ جو پھول کھلا ہے۔ وُہ ایک دن
مُرجھا جاویگا۔ جو شے اِس دُنیا میں بنی ہے۔ وہ ایک دن ضرور ناش ہو جاویگی۔
ہرے بھرے کھیت ایک دن کاٹ لیئے جاتے ہیں۔ سر سبز درخت ایک دن
سُوکھ کر کانٹا ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح عقلمند آدمی بھی موت کا شکار ہو
جاتا ہے۔ انسانی حیات ایک پھُول کی مانند ہے۔ جس طرح کھلا ہُوا پھُول
مُرجھا جاتا ہے۔ اُسی طرح انسانی حیات کا بھی خاتمہ ہو جاتا ہے۔ یا یُوں
کہو کہ انسانی زندگی ایک جلتے ہوئے چراغ کی مانند ہے۔ جس طرح ہوا
کا ایک جھونکا چراغ کو بُجھا دیتا ہے۔ اسی طرح انسانی زندگی کا خاتمہ ہو
جاتا ہے۔ موت! تو بڑا زبردست ہے۔ تُو نے بہُت سے جوانمردوں کو

خاک میں ملایا ہے۔ بہت سے داناؤں کا خاتمہ کیا ہے۔ بہت سے عقلمندوں کا خون پیا ہے۔ پھر بھی تیرا پیٹ نہ بھرا۔ واقعی تیرا پیٹ سب سے بڑا ہے"
پے در پے صدموں نے کنفوشش کی صحت کا خاتمہ کر دیا تھا۔ اگرچہ اُس کے بہت سے شاگرد ہر وقت اُس کی خدمت کرنے کے لئے اُس کے ارد گرد موجود رہتے تھے۔ اور اُس کے ایک اشارے پر اپنے تمام جسم کو جھکا دیتے تھے۔ اور اُس کی بڑی عزت کرتے تھے لیکن کنفوشش کو آرام حاصل نہ تھا۔ وُہ جب کبھی اپنی اوائل عمر کا خیال کرتا تو اُس کی آنکھوں میں آنسو بھر آتے اور اُس کی زبان سے نکل جاتا:۔

"میری موت اب میرے عین سر پر ہے۔ موت نے میرا بہت سا حصہ کھا لیا ہے۔ اپنی صحت میں موت کی نذر کر چکا ہوں۔ میرا بچپن۔ میری جوانی سب موت نے ہڑپ کر لی ہے۔ آہ! میرا وقت یونہی ضائع چلا گیا۔ میں بہت سی باتیں جانتا تھا۔ مگر کسی نے اُن سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش نہیں کی۔ مجھے چاہیئے تھا کہ میں اپنا وقت اچھے کاموں میں لگاتا۔ اب موت آیا چاہتی ہے۔ اچھا اے موت! آ اور جس قدر جلد ممکن ہو سکے۔ میرا خاتمہ کر دے"

معلوم ہوتا ہے کہ پے در پے صدمات نے کنفوشش کے دماغ کو اس قدر کمزور کر دیا تھا کہ وُہ اپنے دل کو کسی بات سے بھی تسلّی نہیں دے سکتا تھا۔ اور آخر اسی غم کی حالت میں وُہ بیمار پڑ گیا۔ سات روز تک دُنیا کا یہ بڑا حکیم مدبّر اور مذہبی ریفارمر جس نے ملک چین سے خرابیوں کی جڑ ایک دفعہ کاٹ دی تھی۔ جس نے جرائم کو نابود کر کے جرائم پیشہ اقوام کو نیک بنا دیا تھا۔ بیمار رہا۔ اس کی بیماری کی حالت میں اِس کے بہت سے شاگرد اس کے پاس تھے۔ اور بڑی تن دہی سے اِس کے علاج میں مشغول رہے۔ اُنہوں نے بہتیرا علاج کیا۔ مگر موت کا کیا علاج ہو سکتا ہے۔ موت کا یقین کنفوشش کو بھی ہو گیا۔ ایک روز جبکہ اُس کی حالت زیادہ خراب ہو گئی۔ تو اُس نے اپنے شاگردوں کو بلا کر

کر وصیّت کی کہ "وہ اُس کے بعد بھی وُہ برابر نیکی کا پرچار کرتے رہیں۔ اور مُلک چین میں
خرابیوں کی کثرت نہ ہونے دیں"۔ اس کے بعد اُس نے ایک شاگرد سے کہا کہ "میرا
بدن چادر سے ڈھانپ دو۔ تاکہ میرے شاگرد میری رُوح کو مجھ سے جُدا ہوتا نہ دیکھیں"
ایسا ہی کیا گیا۔ چند منٹ کے بعد اس کی آواز بند ہو گئی۔ شاگردوں نے چادر اُٹھائی
تو دیکھا کہ حکیم کنفوشش کی نبض بند ہے۔ اس کی رُوح قفس عنصری سے پرواز کر
گئی اور وہ ہمیشہ کے لئے آرام کی نیند سو گیا۔

اِس کے شاگردوں نے اپنے اُستاد کا جنازہ بڑی دھوم دھام سے دفنایا جس وقت
یہ اپنے اُستاد کا جنازہ لے کر چلے۔ اِن کے ساتھ بڑا تزک و احتشام تھا۔ اور جب
جنازہ دفنایا جا چکا۔ تو اس کی عزّت کے خیال سے کئی شاگردوں نے اِس کی قبر کے ار
گرد جھونپڑیاں بنا کر رہنا شروع کر دیا۔ کئی شاگردوں نے تین سال کا غم کیا۔ اور کئی
نے چھ سال کا۔ جو شاگرد آخری وقت پہ اپنے اُستاد کی شکل نہ دیکھ سکے۔ وُہ
ہمیشہ اس کے لئے پچھتاتے رہے ۔

اپنی عُمر بھر میں حکیم کنفوشش نے کسی کے ساتھ بُرائی نہیں کی۔ کسی کو اُس نے نقصان
پہنچانے کی کوشش نہیں کی۔ بلکہ جس طرح معصوم وُہ دُنیا میں آیا تھا۔ اُسی طرح اِس دُنیا سے
کُوچ کر گیا۔ ہاں جتنا عرصہ وُہ دُنیا میں زندہ رہا۔ اپنی نیک اور اعلےٰ التعلیم سے عوام کو
فائدہ پہنچاتا رہا۔ چینی لوگ اب بھی اِس مہاتما کے نام پر بڑا فخر کرتے ہیں۔ اور جن
تعلیمات کا اُس نے اپنی زندگی میں پرچار کیا۔ اُن پر چینی لوگوں کا ایک بڑا حصّہ
اب بھی کاربند پایا جاتا ہے ۔

فیثا غورث

"اے ڈایونی سی اس! تیرا دل وشواس کی دولت سے بالکل خالی ہے۔ اگرچہ تو ایک بڑے علاقہ پر حکمرانی کرتا ہے۔ مگر قدرت نے تجھے اس دولت سے محروم رکھا ہے۔ جو کہ مہاتما فیثا غورث اپنے شاگردوں کو دے گیا ہے۔ اور وہ وشواس کی دولت ہے۔ تو کہتا ہے کہ میں نے اپنے ایک دوست کی ضمانت دینے میں غلطی کی ہے۔ اور کہ وہ اب واپس نہیں آویگا۔ مگر یہ الفاظ صرف اس وجہ سے تیری زبان سے نکلتے ہیں کہ تو اس پاک رشتہ سے بے خبر ہے۔ جس میں کہ مہاتما فیثا غورث اپنے شاگردوں کو باندھ گیا ہے اگرچہ میں سمجھتا ہوں کہ میری باتوں کا تجھے یقین نہ آویگا۔ اسلئے کہ تو وشواس کی طاقت سے بے خبر ہے۔ لیکن پھر بھی میں یہ کہے دیتا ہوں کہ میرا دوست پتھیاس پھانسی کے وقت سے پہلے اس جگہ پہنچیگا۔ اور جو وعدہ وہ کر گیا ہے۔ اسے ہرگز ٹوٹنے نہ دیگا۔ اس کے ساتھ ہی اے ڈایونی سی اس! میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ تو پتھیاس کے آنے سے پہلے میری زندگی کا خاتمہ کر دے۔ تاکہ جس وقت وہ اس جگہ آوے۔ اپنے آپ کو سلامت سمجھے میں دنیا میں کوئی ایسا رشتہ دار نہیں رکھتا جو میری موت پر روئے یا جس کی پرورش مجھ پر فرض ہو لیکن میرا دوست پتھیاس بہت سے ننھے ننھے بچے رکھتا ہے جنکی پرورش کرنا اس کیلئے ضروری ہے۔ میں اگر اس کی عوض مر جاؤں۔ تو یہ بہت ہی اچھا ہوگا کیونکہ وہ اپنے بچوں کی پرورش کرنے کے

لئے زندہ بچ جاوے گا۔"

یہ جواب تھا جو مہاتما فیثاغورث کے ایک شاگرد ڈیمن نامی نے سیراکیوس کے حکمران ڈایونی سی اس کو اُس وقت دیا تھا۔ جبکہ ڈیمن اپنے ایک دوست پھتیاس کی ضمانت دینے کی وجہ سے حراست میں تھا۔ ڈایونی سی اس ایک بہت شکّی مزاج حکمران تھا۔ یہاں تک کہ وُہ اپنی اولاد سے بھی بدظن رہتا تھا۔ اُس نے بلاوجہ پھتیاس کو پھانسی کا حکم دیا۔ مگر وُہ اپنے علاقہ میں جاکر اپنی جائداد کا انتظام کرنے کے لئے پھانسی کے وقت سے پہلے آنے کا وعدہ کرکے اور اپنی جگہ اپنے دوست ڈیمن کو ضامن دے کر چلا گیا۔ جب ڈیمن حراست میں تھا۔ تو ڈایونی سی اس نے جو اِس واقعہ سے سخت حیران ہو رہا تھا۔ ڈیمن سے کہا۔ کہ اُس نے کیسی سخت غلطی کی ہے۔ اس پر ڈیمن نے اُسے متذکرہ بالا جواب دیا۔ جو ظاہر کرتا ہے۔ کہ مہاتما فیثاغورث نے اپنے شاگردوں اور پیرووں کو کیسی اعلےٰ دھارمک تعلیم دی تھی۔

قصّہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ پھتیاس آخیر وقت تک نہ آیا۔ اور ڈایونی سی اس نے حکم دے دیا کہ ڈیمن کو اُس کی جگہ پھانسی پر لٹکا دیا جائے۔ چنانچہ جلّادوں نے پھانسی کی رسّی ڈیمن کے گلے میں ڈال دی۔ مگر اُس کے چہرہ پر ذرا بھی اُداسی نہ آئی۔ بلکہ وُہ یہی کہتا رہا کہ پھتیاس آویگا اور ضرور آویگا۔ کوئی خاص وجہ ہے کہ وہ اِس وقت تک نہیں پہنچ سکا۔ مگر اس میں پھتیاس کا ذرا بھی قصور نہیں ہے۔ ڈایونی سی اس یہ باتیں سُنکر حیران ہو رہا تھا کہ اتنے میں بھیڑ کو چیرتا ہوا پھتیاس بھی اُس جگہ آپہنچا۔ اور پھانسی کے تختہ پر کھڑا ہو کر کہنے لگا:۔

"صاحبان! اگرچہ سمندر کے طوفان نے میرے اِس جگہ پہنچنے میں بہت دیر کردی۔ تاہم میں خوش ہوں کہ آخر اپنے وعدہ کے مطابق اپنے دوست

کی ہلاکت سے پہلے اس جگہ آپہنچا ہوں۔ اور دُنیا کو یہ کہنے کا موقعہ نہیں ملا کہ فیثا غورث کے شاگرد نے جھوٹ بولا۔"

یہ نظارہ دیکھ کر شکّی مزاج ڈایونی سی اس پر ایسا اثر ہُوا کہ اُس نے یہ کہتے ہوئے "دوستو! تم دُنیا میں زندہ رہنے کے لیئے پیدا کیئے گئے ہو۔ مَیں تمہاری پاک زندگیوں کا خاتمہ نہیں کرسکتا۔ بلکہ تم کو رہا کرتا ہُوں۔" ان دونوں کو آزاد کردیا۔ اور ان سے درخواست کی کہ وُہ اُسے بھی اپنے دوستوں میں شمار کریں۔ اِس سے ناظرین اُس زبردست عقیدہ کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ جو کہ فیثا غورث کے لیئے اُس کے شاگردوں کے دِلوں میں تھا۔

یُونان کی تاریخ میں سات بڑے فلاسفروں اور حکیموں کا نام بڑی عزّت سے درج ہے: ۔ (۱) طالیس فلسطی (۲) انک فورس (۳) نکپسما لس (۴) امید قلس (۵) فیثا غورث (۶) سقراط (۷) افیا طن ۔ اِن ساتوں نے اپنے مُلک کی بڑی خدمت کی ہے۔ اور ان کی ہی کوششوں و ہمتوں سے یونان آسمان فلسفہ پر سُورج بن کر چمک چُکا ہے ان ساتوں کا آپس میں مقابلہ کرنا اور یہ کہنا کہ کون ان میں سے ایک دُوسرے سے بڑھ کر تھا مشکل ہے۔ لیکن فیثا غورث کی موت نے اُس کا درجہ بلند کردیا ہے۔ کیونکہ جو موت اپنے کام کے لیئے اُسے نصیب ہوئی وہ دُوسرے فلاسفروں کے حصہ میں نہیں آئی۔ اگرچہ سقراط بھی زہر کا پیالہ پی کر اس دُنیا سے علیحدہ ہُوا تھا۔ مگر فیثا غورث کا زندہ آگ میں جلنا زیادہ دردناک ہے۔ یہ دُرست ہے کہ یونان اور اہل یونان نے شروع میں اِس بے نظیر فلاسفر کی قدر نہ کی۔ مگر آج اِس شخص کی وجہ سے یونان کی بڑی عزّت ہے فیثا غورث کی پیدائیش کا زمانہ مسیح سے کئی سو سال پہلے بتایا جاتا ہے۔ یونان کے مغرب میں ایک جزیرہ ساموس ہے۔ یہاں ہی یہ نامور حکیم پیدا ہُوا۔ اِس کا باپ جس کا نام مینارجس تھا۔ یونان کے شہر صور میں رہتا اور کام کرتا تھا۔ مینارجس بڑا نیک مزاج

اور خوش خلق تھا۔ جہاں یہ کام کرتا تھا۔ لوگ اس سے بڑا پیار کرتے تھے۔ اس کا برتاؤ اپنے اہل شہر کے ساتھ بڑا ہی نیک تھا۔ فیثا غورث کی ماتا کا جنم استھان ساموس تھا۔ اور اس کا تعلق ایک بہت اچھے گھرانے سے تھا۔ اس حکیم کے دو اور بھائی بھی تھے جو دونوں عمر میں اس سے بڑے تھے۔ والدین اس سے بڑی محبت کرتے تھے۔ اور چونکہ اوائل عمر سے ہی یہ بڑا ہوشیار اور ذہین تھا۔ اس لئے اس کی محبت دن بدن ماتا پتا کے دل میں بڑھتی گئی بچپن میں ہی یہ بعض باتیں اس قسم کی کرتا تھا کہ لوگ دیکھ کر حیران رہ جاتے تھے۔ بعض تو فوراً کہہ اٹھتے تھے کہ آئندہ عمر میں یہ لڑکا ضرور بڑا آدمی ہوگا۔

جبکہ اس خاندان کے ایام زندگی بڑے آرام سے بسر ہو رہے تھے۔ صور میں علم بغاوت بلند ہوا۔ یہاں کے تین اشخاص لیبون۔ ممفرون اور سطورن جو بڑے چلتے پرزے تھے اور اکثر افسران صور کو تنگ کرتے رہتے تھے۔ اس بار انہوں نے یہاں تک شرارت کی کہ صور پر ان کا ہی قبضہ ہوگیا۔ پہلے افسران یا تو مارے گئے یا خوف جان سے بھاگ کر دوسرے شہروں کو چلے گئے۔ اس تغیر حکومت سے بڑا جھگڑا پیدا ہوا۔ لڑائی نے طول کھینچا۔ اور اہل شہر کو بڑی تکلیف ہونے لگی۔ بہت سے باشندے شہر کو چھوڑ کر چلے گئے۔ اور جہاں جس کے سینگ سمائے جا آباد ہوئے۔ منارچس بھی یہاں بڑا تنگ تھا۔ اسے اپنی اور اپنے رشتہ داروں کی جان کا ہمیشہ خوف رہتا تھا۔ آخر اس نے بھی کسی امن کی جگہ میں جا کر آباد ہونے کا خیال کیا۔ مگر جاوے کہاں؟ یہ سوال تھا جو آسانی سے حل نہ ہوتا تھا۔ آخر اس کی بیوی نے مشورہ دیا کہ ان کو ساموس میں جا کر قسمت آزمائی کرنی چاہیے۔ فیثا غورث کا باپ اس صلاح پر رضامند ہوگیا۔ اور گھر کے آدمیوں کو لیکر یہاں آکر آباد ہوگیا۔ یہاں اسے بڑی آسانی ہوئی۔ اور چونکہ اس کی سسرال کے لوگوں کا حاکم ساموس سے بڑا رسوخ تھا۔ منارچس کی بھی دربار تک رسائی ہوگئی۔ یہ شخص بڑا نیک اور خوش خلق تھا یہاں والے ساموس کے ساتھ

اِس کی دوستی ہوگئی۔ اور یہ سلسلہ محبت یہاں تک بڑھا کہ یہ اُس کے خاص مشیروں میں شامل کر لیا گیا۔ اِس عہدہ پر اُس نے اپنی ذہانت اور لیاقت کے وہ جوہر دکھائے کہ والئے ساموس نے اُسے چند سال کے عرصہ میں ہی عہدہ وزارت دیدیا۔ اور ہر ایک کام میں اُس کی رائے لے کر کام کرنے لگا۔

فیثا غورث بھی باپ کے ساتھ دربار شاہی میں آیا جایا کرتا تھا۔ والئے ساموس اِس سے بھی بڑا اچھا سلوک کرتا تھا۔ اُس نے یہ دیکھ کر کہ فیثا غورث بڑا ہوشیار ہے۔ اُس کی پڑھائی کے لئے خاص زور دیا۔ بلکہ بذاتِ خود اُس کی تعلیم میں دلچسپی لینے لگا۔ جس قدر تعلیم ساموس میں مل سکتی تھی۔ فیثا غورث نے حاصل کی۔ اور جب وہاں کوئی شخص اُسے زیادہ پڑھانے کے لئے نہ رہا۔ تو والئے ساموس نے اُسے شہر فلبطون میں اپنی طرف سے بھیج دیا۔ تاکہ وہاں جاکر وہ لائق اُستادوں سے علوم ہندسہ مساحت وغیرہ کا خوب مطالعہ کرے۔ اِس جگہ فیثا غورث نے بڑی جانفشانی اور خوش اسلوبی سے کام کیا۔ جو اُستاد اسے پڑھاتے تھے۔ وہ اِس پر دل وجان سے فدا ہونے لگے۔ اور اس کی ذہانت طبع سے خوش ہو کر زیادہ سے زیادہ شوق سے پڑھاتے تھے۔ یہاں بہت تھوڑے عرصہ میں فیثا غورث نے اپنی تعلیم ختم کر لی۔ اس وقت اسے علم کا شوق اِس قدر ہو گیا تھا کہ بجائے گھر واپس جانے کے اُس نے زیادہ علم حاصل کرنے کے لئے ملک شام کو جانے کا ارادہ کر لیا۔ کیونکہ اُس نے سُنا تھا کہ ملک شام کے شہر بیروت میں علم الٰہیات کا ایک بڑا ماہر رہتا ہے۔ اس کے دل میں اس کے پاس جاکر علم پڑھنے کا بڑا جوش پیدا ہوا۔ اگرچہ اس کے ساتھیوں نے اُسے مشورہ دیا کہ راستہ بڑا خطرناک ہے۔ اُسے وہاں جانے کی بجائے گھر چلے جانا چاہیئے۔ لیکن اس کا جوش کم نہ ہوا۔ اور یہ اس نئے اُستاد سے تعلیم پانے کے لئے اس سفر پر چل کھڑا ہوا۔ یہاں پہنچ کر اور اُستاد سے مل کر اس کی طبیعت بڑی خوش ہوئی۔ اس نے اس کو جیسا سُنا تھا۔ ویسا ہی بلکہ اس سے کچھ بڑھ کر پایا۔ اور خود اس کی شاگردی میں داخل

ہونے کے لئے تیار ہو گیا۔ اُستاد نے بھی جب سُنا کہ اُس کے شاگردوں میں ایک نہایت ہی ذہین طالب علم جسے علم حاصل کرنے کا دلی شوق ہے۔ داخل ہوتا ہے۔ اُسے بھی بڑی خوشی ہوئی۔ اور اُس نے چند ضروری شرائط طے کرنے کے بعد فیثا غورث کو اپنے شاگردوں کے زمرہ میں داخل کر لیا۔

ایک لائق اُستاد کا قول ہے کہ جب تک ہوشیار شاگرد پڑھنے والا نہ ہو۔ پڑھانے کا لُطف نہیں آتا۔ اگرچہ فیثا غورث سے پہلے اِس شخص کے پاس بہت سے شاگرد تعلیم حاصل کرتے تھے۔ لیکن ان میں کوئی خاص خصوصیت نہ تھی۔ جب فیثا غورث نے پڑھنا شروع کیا۔ تو اُستاد کو بھی پڑھانے کا آنند آنے لگا۔ اور اُس نے اِس دلی شوق سے فیثا غورث کو پڑھایا کہ چند دِنوں میں ہی اُس نے دُوسرے شاگردوں کو جو کئی سال سے پڑھتے تھے مات کر دیا۔ اور اُن سے بازی لے گیا۔ درس تدریس کا کام برابر جاری تھا۔ اور فیثا غورث سمجھتا تھا کہ چند سال میں وہ اُستاد کی تمام لیاقت و قابلیت کا مالک بن جاویگا۔ مگر زمانہ کُچھ اور سوچ رہا تھا۔ اُستاد بیمار ہو گیا۔ شاگرد علاج معالجہ میں مصروف ہوئے۔ مگر مرض کو افاقہ نہ ہُوا۔ اور چند روز بیمار رہ کر یہ فاضل اجل موت کا لقمہ بن گیا۔ فیثا غورث کو اُستاد کی موت کا بڑا رنج ہُوا۔ اور اُس نے اِس صدمہ کو بہت محسوس کیا۔ چند روز رنج اور ماتم کرنے کے بعد یہ سوچنے لگا کہ اب سلسلہ تعلیم کہاں شروع کرنا چاہیئے۔ اس نے لوگوں سے دریافت کرنا شروع کیا کہ اب اُسے کہاں جانا چاہیئے۔ لوگ اِس کا اشتیاق دیکھ کر حیران اور ششدر رہ جاتے تھے۔ آخر اُسے معلوم ہُوا کہ مصر میں علم کا بڑا زور شور ہے۔ اگر وہ وہاں پہنچے۔ تو دولتِ علم سے خُوب مالا مال ہو سکتا ہے۔

خیال کا آنا تھا کہ اُس نے سفر کی تیاری شروع کر دی۔ نہ تو اسے گھر کا خیال آیا۔ نہ ماتا پتا کی محبّت نے جوش مارا۔ بلکہ یہ سیدھا مصر میں جا پہنچا۔ مصر اُن دِنوں اپنے جوبن پر تھا۔ ہر طرح کے علوم کا یہاں چرچا تھا۔ ہر علم کے اچھّے سے اچھّے اُستاد یہاں موجود تھے

بیشمار لائبریریوں سے یہ ملک بھرا پڑا تھا۔ اس ملک میں اُن دِنوں تین قسم کے حروف رائج تھے۔ ایک وہ جن میں صرف مذہبی پرچارک اپنا کام چلاتے تھے۔ یہ حروف بڑے مشکل تھے۔ دُوسرے حروف وُہ جن میں سلطنت کا کام سرانجام پاتا تھا۔ اور سرکاری افسران لکھتے تھے۔ یہ حروف بھی بڑے مشکل تھے۔ اور ان کو سیکھنے کے لئے خاص جدوجہد کرنی پڑتی تھی۔ تیسری قسم کے حروف وُہ تھے۔ جن کو عام لوگ اپنے کاروبار کے لئے استعمال کرتے تھے۔ فیثا غورث نے اپنے آپ کو ان کے مطالعہ کے لئے لگایا۔ اور بہت تھوڑے عرصہ میں ان تینوں کا اُستاد کامل بن گیا۔ علاوہ یہاں کی زبان سیکھنے کے اُس نے کئی اُستادوں سے فلسفہ وغیرہ بھی پڑھا۔ مگر یہاں اُسے کچھ زیادہ لُطف نہ آیا۔ کیونکہ یہاں اُسے اپنے سے زیادہ لائق اُستاد نظر نہ آئے۔

مصر سے فیثا غورث کا دل اُچاٹ ہونے لگا۔ اور اُسے خواہش ہوئی کہ کہیں اور جاکر تعلیم حاصل کرے۔ مگر اُسے بہت دِنوں تک کوئی ایسا اُستاد معلوم نہ ہوا۔ آخر اس نے خیال کیا کہ شام میں چلکر سریانی زبان سیکھنی چاہیئے۔ اور یہ زبان سیکھنے کا پختہ ارادہ کرکے وُہ مصر سے چلکر پھر شام میں آگیا۔ یہاں آتے ہی یہ سریانی زبان سیکھنے میں مشغول ہوگیا۔ شام میں اس کی شہرت تو پہلے ہی تھی۔ اس لئے اسے اعلےٰ اُستاد تلاش کرنے میں ذرا بھی دقّت نہ ہوئی۔ بلکہ جہاں بھی یہ گیا۔ اسکا بڑی آؤ بھگت سے استقبال کیا گیا جو لوگ اس سے پہلے سے واقف تھے۔ وہ تو اس کی عزت کرتے ہی تھے۔ لیکن جو لوگ اسے پہلے سے نہ جانتے تھے۔ وُہ بھی اس کی عالمانہ باتیں سُنکر اس کے مدّاح بن جاتے تھے۔ اور اس کی خواہشات کو پُورا کرنے میں بڑے بھاری مددگار ثابت ہوتے تھے۔ سریانی زبان کا سیکھنا آسان نہ تھا۔ لوگوں کو اس کے سیکھنے کے لئے کئی کئی سال مغزپچی کرنی پڑتی تھی۔ لیکن فیثا غورث نے چند ماہ میں ہی اس زبان پر عبور حاصل کرلیا۔ یہاں تک کہ وہ اس میں نہ صرف اچھی طرح بات چیت کرسکتا تھا۔ بلکہ اس زبان میں اعلےٰ سے اعلےٰ تحریر

لکھ سکتا اور تقریر کر سکتا تھا۔ پرماتما نے اُسے کچھ اس قسم کا دماغ عطا کیا تھا کہ جس بات
کو ایک دفعہ دیکھ لیا یا سُن لیا۔ پھر وہ اُس کی یاد سے فراموش نہ ہوتی تھی۔ حکیم اس جگہ صرف
یہ زبان سیکھنے کے لئے ہی ٹھہرا تھا۔ جب سریانی زبان اُسے آ گئی۔ اُس نے وہاں سے
چل دینے کا ارادہ کیا۔ تا کہ کسی اور جگہ جا کر دیگر علوم حاصل کرے۔

فیثا غورث کے دل میں علم ہیئت سیکھنے کا خیال آیا۔ اُس نے اپنے ارد گرد نظر ماری۔
کہ ان علوم کا کامل اُستاد اُسے کس جگہ ملیگا؟ خوش قسمتی سے ان دنوں بابل میں اس علم
کا بڑا چرچا تھا۔ اور اس جگہ اس کے کئی ماہر تھے۔ ان میں حکیم کلدانی اور حکیم حلبدانی بڑے
مشہور تھے۔ انہیں اس علم میں بڑا ملکہ حاصل تھا۔ وہ اس کے بارہ میں پرمان سمجھے جاتے
تھے۔ اور لوگوں کو ان پر بڑا اعتقاد تھا۔ جس وقت فیثا غورث نے ان کا حال سُنا
وہ فوراً اُن سے علم حاصل کرنے کے لئے چل کھڑا ہُوا۔ اور شام سے چل کر بابل آ گیا
یہاں آتے ہی اُس نے اپنے ہمخیال لوگوں سے ملنا شروع کیا۔ اور چند روز میں اپنے
گرد فلسفیوں کا ایک گروہ جمع کر لیا۔ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے ان دونوں
حکیموں سے تعلیم حاصل نہیں کی۔ علم نجوم میں فیثا غورث پہلے سے ہی بڑا ہوشیار تھا۔
علم ہیئت اُس نے اپنے طور پر سیکھا۔ اور چند روز میں اس کی تقریروں اور تحریروں نے
اہل بابل میں دھوم مچا دی۔ لوگ جو اب تک حکیم کلدانی اور حلبدانی کے گرویدہ تھے۔
اس کی علمیت کے آگے سر جھکانے لگے۔ اور اس کا سکہ یہاں تک بیٹھا کہ بڑے بڑے
عالموں نے اس کے حق میں فیصلہ دیا کہ وہ ان دونوں حکیموں کے برابر ہی ہے۔ یہاں
فیثا غورث کی بڑی عزت ہوئی۔ کئی لوگوں نے اس سے مختلف مضامین میں تعلیم حاصل
کی۔ اور اس کے بڑے بھگت بن گئے۔

علم ہیئت میں کمال حاصل کر کے اس کے دل میں خیال آیا کہ اب اپنے وطن کو
چلنا چاہیئے۔ وطن سے نکلے اُسے کئی سال ہو گئے تھے۔ اور ان سالوں میں یہ مصر

بابل، اور شام میں رہ کر علم حاصل کرتا رہا تھا۔ آخر وطن کی محبت نے ایسا جوش مارا کہ وہ گھر کی طرف چل پڑا۔ اس کی شہرت اس سے پہلے ہی یہاں پہنچ چکی تھی۔ اس لئے جس وقت اُس نے اپنے وطن کی سرزمین پر قدم رکھا۔ اس کے اہلِ ملک کی ہزارہا آنکھیں تھیں جو عزت کی نگاہوں سے اسے دیکھتی تھیں۔ ہزارہا سر تھے جو ادب سے اُسکے سامنے جھکتے تھے۔ جس وقت فیثا غورث اپنے شہر ساموس میں آیا۔ اس کا نہایت ہی شاندار استقبال کیا گیا۔ اور اس کے دوستوں نے اس کے گرد جمع ہو کر اس کے حالات سفر سننے شروع کئے۔ چند ماہ یہ نامور حکیم اپنے شہر میں ٹھہرا۔ یہاں کا دینی پیشوا فولوقراطیس، اس کی علمیت دیکھ کر اس کا بڑا دوست بن گیا۔ اور حکیم کا بہت سا وقت اس کے پاس گذرنے لگا۔ اگرچہ فیثا غورث کئی علوم میں بڑا لائق تھا۔ اور لوگ اس سے ان علوم کی تعلیم پانے کے لئے بڑی خواہش رکھتے تھے۔ مگر ساموس میں آنے کے چند ماہ بعد ہی اُسے پھر سفر کی سوجھی۔ اس دفعہ اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ علم الہیات پڑھنا چاہیئے۔ اس علم کے بہترین اُستاد اُن دنوں مصر میں تھے۔ مصر میں ہی اسکا زیادہ چرچا تھا۔ اور ارد گرد کے ممالک میں یہاں سے ہی تعلیم پا کر اُستاد بھیجے جاتے تھے۔ فیثا غورث نے اگرچہ بڑا بھاری سفر کیا تھا۔ اور اپنی عمر کا بہت بڑا حصہ سفر میں ہی گذارا تھا۔ لیکن تعلیم کے شوق نے اسے گھر میں ٹھہرنے نہ دیا۔ اور یہ علم حاصل کرنے کیلئے دوبارہ مصر کے سفر پر چل کھڑا ہوا۔

اس دفعہ فیثا غورث کے دل میں یہ خیال آیا کہ اگر وہ مصر کے لوگوں کے نام کوئی خط لے جاوے۔ تو اُسے علم حاصل کرنے میں بڑی سہولیت ہو گی۔ اس کیلئے اُس نے اپنے دوست فولوقراطیس کے ساتھ ذکر کیا۔ جس وقت اُس عالم نے سُنا کہ حکیم پھر ایک لمبا سفر کرنے کو ہے۔ اس نے اوّل تو اُسے روکنے کی کوشش کی اور کہا۔ کہ بہتر ہے کہ جو علوم وہ جانتا ہے اُن کی بدولت ملک میں نام پیدا کرے۔ مگر جب اُس نے

جواب دیا کہ وُہ نام پانے کے لئے علم حاصل نہیں کر رہا۔ بلکہ سچائی کی تہہ تک پہنچنے کیلئے تکلیف اُٹھا رہا ہے۔ تو اُس نے وعدہ کیا کہ وہ مصر کے چند معزز لوگوں کے نام ضرور اُسے چٹھیاں دیگا۔ اور جب فیثا غورث چلنے کے لئے بالکل تیار ہو گیا۔ تو اس نیک شخص نے مصر کے کاہنوں کے نام اُسے ایک خط لکھ کر دیدیا۔ یہ خط لیکر اُس نے اپنے گھر کو ایک بار پھر خیرباد کہا۔ اور حصولِ علم کے لئے مصر میں آپہنچا۔ مصر اس کے لئے کوئی نیا مقام نہیں تھا۔ بلکہ اس سے پہلے بھی وہ مصری زبان سیکھنے کے لئے یہاں آیا تھا۔ کاہن لوگ اس سے بڑی محبت سے ملے۔ لیکن جس وقت اس نے اُن سے پڑھنا شروع کیا۔ وُہ اس کے ساتھ اچھی طرح پیش نہ آئے۔ بلکہ بہت سے مذہبی اُمور اس سے چھپانے لگے مصر کے دینی پیشوا اُن دنوں علم الٰہی میں مشہور زمانہ تھے۔ اُن کے دماغ کی تمام دُنیا تعریف کرتی تھی۔ لیکن افسوس کہ جب ایک اعلےٰ شخص اُن سے یہ علم سیکھنے آیا۔ اُن کے دل نے انہیں روکا۔ اور وُہ اپنے خزانۂ علم میں سے اِسے بہت زیادہ دینے کو تیار نہ ہوئے۔ بلکہ انہوں نے کوشش کی کہ وہ فیثا غورث کو باتوں باتوں میں ٹال دیں۔ جب اس حکیم نے اپنے نئے اُستادوں کی یہ حالت دیکھی۔ اُسے بڑا رنج ہُوا۔ وُہ سوچنے لگا کہ کس قدر دُور دراز سفر کر کے وُہ آیا ہے۔ اس پر بھی اُسے اپنے ارادہ میں کامیابی نہیں ہوئی ہے۔ اُس نے ان کاہنوں سے اُس سفارش کا ذکر کیا جو کہ تو لوفراطیس سے لایا تھا۔ مگر اُنہوں نے اِس کی بات کو نہ سُنا۔ اور نہ ہی اپنے رویہ میں کوئی تبدیلی کی۔ بلکہ بدستور سابق بہت سی باتوں کو اس سے چھپاتے رہے فیثا غورث کے دل میں شکوک پیدا ہوتے تھے۔ اور وہ ان کا ذکر اپنے اُستادوں سے کرتا تھا۔ مگر یہاں سے جواب نہ ملتا تھا۔ اوّل اوّل فیثا غورث کو خیال گذرا کہ شاید یہ کاہن خود ان باتوں کو نہ جانتے ہوں۔ مگر بعد ازاں اُسے پتہ لگا کہ وہ جانتے سب کچھ ہیں۔ مگر شرارت سے نہیں بتاتے۔ اِس لئے اُس نے سوچا کہ وطن کو واپس لوٹ چلنا

چاہیئے۔ مگر یہ شرم اُسے آتی تھی کہ بغیر کچھ حاصل کئے وطن جانے سے سخت بے عزّتی ہوگی اور لوگ تخول بازی کرینگے۔ فیثا غورث عجیب حالت میں تھا۔ نہ تو اسے مصر میں ٹھہرنے سے کچھ فائدہ ہوتا تھا اور نہ ہی یہ اس جگہ کو چھوڑ کر جا سکتا تھا۔ کاہن لوگوں کی اس نے بہت منّت سماجت کی کہ وہ اسے پڑھانے میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کریں۔ لیکن یہاں وہی حالت تھی۔ جب اُس نے دیکھا کہ اس کے اُستاد اسکی کسی غرض کو بھی نہیں مانتے۔ اُسے بھی غصّہ آگیا۔ اور اُس نے وُہ کام جو کوئی خوشامد اور منّت سماجت نہ نکال سکی تھی۔ اپنی خداداد لیاقت سے نکالنا چاہا۔ اور اپنے دماغ سے وُہ وُہ باتیں سوچیں کہ اُستاد بھی حیران رہ گئے۔

اگر فیثا غورث کی بجائے کوئی اور شخص ہوتا تو وُہ ضرور مایوس ہو کر بے نیل و مرام واپس چلا جاتا۔ مگر اُس نے اپنے استقلال۔ ہمّت اور دلاوری سے آخر اپنے بخیل اُستادوں کے دلوں پر بھی فتح حاصل کرلی۔ اور وہ مجبور ہوئے کہ جن باتوں کو وہ اس بےمثال شاگرد سے چھپاتے رہے ہیں۔ اُنہیں اس پر ظاہر کریں۔ جوں جوں کاہن لوگ اپنی باتیں فیثا غورث سے چھپاتے تھے۔ اسکا شوق بڑھتا تھا۔ اور یہ زیادہ جوش کے ساتھ حصولِ علم کی کوشش کرتا تھا۔ کاہن لوگوں کے رویہ میں تبدیلی پیدا ہوئی۔ اور وُہ اپنے بخل کو چھوڑنے کے لئے مجبور ہوئے۔ فیثا غورث کے دل و دماغ نے اُن کے ارادوں کو بدل دیا۔ جو کچھ وُہ جانتے تھے۔ اُنہوں نے سب کچھ اس حکیم کو سکھایا۔ جب یہ لوگ سیدھی طرح فیثا غورث کو پڑھانے لگے۔ اُس کے دل کی حیرانی دُور ہوگئی۔ اور وُہ شانتی کے ساتھ پڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ اُس کے اُستادوں نے اسے کہہ دیا کہ جو کچھ وُہ جانتے تھے۔ اُنہوں نے سب کچھ اسے سکھا دیا ہے۔ اسے بھی یقین ہو گیا کہ اُس نے اپنے مصری اُستادوں سے سیکھنے کے لائق سب کچھ سیکھ لیا ہے۔ اب اُس نے یہاں سے کوُچ کرنے کی ٹھانی۔

فیثا غورث نے اس سوال پر خوب غور کیا کہ اُسے مصر سے جا کر کیا کام کرنا چاہیئے مگر اس کی عقل نے کوئی مناسب فیصلہ نہ کیا۔ آخر یہ اس اُدھیڑ بن میں ہی اپنے وطن ساموس جا پہنچا۔ اس دفعہ اس کا استقبال اور بھی شاندار کیا گیا۔ اس کے شہر کے لوگ اسے لینے کے لئے گھروں سے نکل آئے۔ یہاں آتے ہی اس نے اپنے مربّی دوست فوتو قراطیس کا شکریہ ادا کیا۔ اور اس سے مل کر اپنے آئیندہ کام کے بارہ میں مشورہ کرنے لگا۔ اس نے اور اس کے دُوسرے دوستوں نے فیثا غورث کو مشورہ دیا کہ اگر وہ ساموس میں فلسفہ کا ایک سکول جاری کرے تو اُسے بڑی کامیابی ہوگی اور وُہ اہل دُنیا کو بڑا فائدہ پہنچا سکیگا۔ اُسے یہ صلاح پسند آئی۔ اور اُس نے اپنے اہل شہر و اہل ملک کو فلسفہ کی تعلیم دینے کے لئے ساموس میں ایک بڑی یونیورسٹی جاری کی۔ اس یونیورسٹی میں علوم ہندسہ اور حکمت کی تعلیم لازمی تھی۔ جو ہر ایک طالب علم کو پڑھنی پڑتی تھی۔ کوئی طالب علم جو ان علوم کو نہ پڑھے۔ اس کی یونیورسٹی میں داخل نہیں کیا جاتا تھا۔ دُور دراز سے پڑھنے کے طالبوں کو اس یونیورسٹی تک لانے کے لئے حکیم فیثا غورث کا نام کافی تھا۔ لوگ اس کی لیاقت اور قابلیت کے بڑے دلدادہ تھے۔ اور اس سے تعلیم پانا اپنے لئے باعث فخر خیال کرتے تھے۔ چنانچہ جونہی اُس نے اپنے سکول کا افتتاح کیا۔ لوگوں کے گروہ کے گروہ اُس میں داخل ہونے کے لئے آنے لگے۔ اور چند روز میں ہی سینکڑوں طالب علم اس کے حلقہ شاگردی میں داخل ہو گئے۔

مشہور کہاوت ہے کہ جہاں گڑ ہوتا ہے۔ وہاں مکھیاں خود بخود دُور دراز سے چلی آتی ہیں۔ یہی حال فیثا غورث کا تھا۔ اس کی شہرت اور لیاقت کا حال سن کر دُور دُور سے لوگ اس کے پاس پڑھنے آئے۔ فیثا غورث کا مربّی فوتو قراطیس برابر اس کی مدد کرتا رہا۔ ہر ایک مشکل میں وہ اس کا ساتھ دیتا تھا۔ اور حکیم ہر ایک

بات میں اس کا مشورہ لینا ضروری خیال کرتا تھا۔ اِس کے علاوہ اور بھی لائق اشخاص
اس کی مدد کرنا اپنے لئے باعثِ فخر خیال کرتے تھے۔ اور اسے کسی خاص دقّت کا سامنا
نہ کرنا پڑا۔ اس نے اپنے شاگردوں کو اس شوق سے پڑھایا کہ سب کے سب اِس پر
دل و جان سے فدا تھے۔ اِس کے شاگردوں کا حلقہ بہت ہی وسیع تھا۔ سچ تو یہ ہے
کہ اِس نے یونان کو ایسے ایسے لائق فلاسفر دئے ہیں۔ کہ جو آج تک یونان کی عزّت
بڑھاتے ہیں۔ اور اِن کی بدولت یونان ہمیشہ تاریخ میں عزّت کی نگاہ سے دیکھا جاویگا
سقراط جو بُت پرستی کا زبردست مخالف تھا۔ اور جس کی یاد ایک ایک یونانی کو خون
کے آنسو رُلاتی ہے۔ اِس حکیم کا ایک لائق شاگرد تھا۔ نینولاس، اوکی ٹاس اور
ٹیرنٹم جو یونان کے بڑے مشہور فلاسفر ہوئے ہیں۔ وہ فیثا غورث کے ہی شاگرد
تھے۔ اِن کے ہی وعظ اور لیکچر سُنکر مشہور حکیم اور فلاسفر افلاطون جس نے یونانی
کے فلسفہ میں جان ڈالی اور جس کا ذکر لارڈ بیکن نے بھی اپنی تصانیف میں کثرت سے
کیا ہے مستفید ہوا۔ یہ وہی افلاطون ہے۔ جس کا خاص شاگرد ارسطو تھا۔ جسے
یونان کے سب سے بڑے فلاسفر کا خطاب دیا جاتا ہے۔ افلاطون نے فیثا غورث
کی شاگردی تو نہیں کی۔ لیکن اُس کی کُتب سے بڑا فائدہ اُٹھایا ہے۔ غرضیکہ فیثا غورث
کے اس سکول نے بڑا ہی شاندار کام کیا۔ اور اِس کی وجہ سے اِس کی عزّت ہر خاص و
عام کے دِلوں میں اچھی طرح بیٹھ گئی۔

فیثا غورث پہلا شخص کہا جا سکتا ہے جس نے یونان میں فلسفہ کو خدا شناسی کا نام
دیا۔ اور بتایا کہ علمِ خدا شناسی ہی سچا فلسفہ ہے۔ اس سے پہلے کسی شخص نے فلسفہ
کا یہ نام نہیں رکھا۔ بلکہ اس کا فخر فیثا غورث کو ہی ہے۔ یہ شخص بڑا خدا پرست
تھا۔ اس کے خیالات زیادہ تر صوفیوں کے خیالات سے ملتے ہیں۔ یہ اپنے وقت
کے آریہ لوگوں کی مانند مسئلہ تناسخ کو مانتا تھا اور اِسی بات کا پرچار کرتا تھا۔

کہ رُوح ایک جسم کو چھوڑ کر اپنے اعمال کے مطابق دُوسرا جنم لیتی ہے وہ بقاء
نفس کا بھی قایل تھا۔ اُس نے دُوسرے ممالک سے جو کچھ سیکھا۔ وہ اور اُس پر
زیادتی کر کے اُس نے اپنے اہلِ مُلک کو سکھایا۔ علم ہندسہ اُس نے مصر سے
سیکھا تھا۔ مگر اُس نے یونان میں اس کا بڑا پرچار کیا۔ اور لوگوں کو اِس کی طرف بڑی
رغبت دلائی۔ اپنے سکول میں تو اس نے اسے لازمی طور پر پڑھنے کا قانون بنا رکھا
تھا۔ علم موسیقی کا اِس سے پہلے یونان میں بہت کم رواج تھا۔ فیثا غورث نے اسے
بھی دُوسرے ممالک سے سیکھا۔ اور یُونان میں پرچار کیا۔ آج کل جو یونانی تال اور سُر
مقرر ہیں۔ ان کا سب سے پہلا مُوجد فیثا غورث ہی بتایا جاتا ہے۔ اور اسے ہی یہ فخر
ہے کہ اس نے علم موسیقی کا علوم ہندسہ و ریاضی سے تعلق قائم کیا۔ اِن علوم کا اُس
نے اپنے مُلک میں دِل کھول کر پرچار کیا۔ اور لوگوں کی طبیعت ان کی طرف ایسی خُوبی سے
مائل کی کہ ایک دفعہ تو تمام یونان میں ہر قسم کے فلسفہ کی بڑی دھوم مچ گئی۔ اس سے
اس کے سکول کی بھی بڑی عزّت ہوئی۔ اِس میں داخل ہونے کے لئے طلباء کی اس قدر
تعداد آتی تھی۔ کہ اُن میں سے بہتوں کو واپس جانا پڑتا تھا۔ اور بہت کم با قسمت
نوجوانوں کو اِس کے سکول میں داخل ہونے کا فخر حاصل ہوتا تھا۔

علم سیارہ میں بھی یہ بڑا کامل تھا۔ اور اپنی یونیورسٹی میں اِس علم کی بھی تعلیم دیتا تھا
جن لوگوں کو اِس علم کا شوق ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ یہ علم بڑا مشکل ہے۔ مگر فیثا غورث
کو اس پر خاص عبور حاصل تھا۔ اس وقت یونان میں حکیم بطلیموس کی یہ تعلیم درست
تسلیم کی جاتی تھی کہ زمین ساکن ہے۔ یہ گردش نہیں کرتی۔ بلکہ سُورج متحرک ہے۔ اور
چلت [illegible] کرتا ہے۔ اور وُہی زمین کے گرد گھُومتا ہے۔ اِس تعلیم کے خلاف فیثا غورث
[illegible] تھا کہ زمین متحرک ہے اور سُورج کے گرد حرکت کرتی ہے۔ جو دلائل وُہ اپنے
دعوے کی تائید میں پیش کیا کرتا تھا۔ وہ بڑی مشکل تھیں۔ اور لوگوں کی سمجھ میں

نہ آتی تھیں۔ اس لیئے لوگ اس کی مخالفت بھی کرتے تھے۔ اور بعض لوگ جو اسکی دلائل
کو بالکل نہ سمجھ سکتے تھے۔ وہ اس کی باتوں کو سراسر جھوٹ اور بے سرو پا کہنے سے بھی
باز نہ رہتے تھے۔ اگرچہ عام لوگ فیثا غورث کی اس تعلیم کو درست نہ مانتے تھے۔ مگر
وہ کبھی نہیں گھبرایا۔ اور نہ ہی اس نے اس بات کی کوشش کی کہ عوام کو اپنا ہم خیال
بنانے کے لیئے کوئی خاص ڈھونگ رچے۔ بلکہ وہ اکثر کہا کرتا تھا کہ "وہ جو باتیں عام
لوگوں کی سمجھ سے باہر ہیں۔ وہ اس وقت تک ان کی سمجھ میں نہ آوینگی۔ جب تک
ان کی علمی استعداد بہت نہ بڑھ جاوے۔" آج دنیا بھر کے فلاسفر اس ہی تعلیم
کو مانتے ہیں کہ سورج زمین کے گرد نہیں گھومتا۔ بلکہ زمین سورج کے گرد گھومتی
ہے۔ مگر حکیم فیثا غورث کے زمانہ میں یوروپ کے سب لوگ اس مسئلہ کے خلاف
رائے رکھتے تھے۔

فیثا غورث کا مدرسہ بڑی رونق کے ساتھ جاری تھا۔ دور دور سے لوگ اس کے
خیالات سے فایدہ اٹھانے کے لیئے آتے تھے۔ اور اس کی شاگردی میں داخل ہوتے
تھے۔ ساموس کی یونیورسٹی اس وقت ایک چمنستان بنی ہوئی تھی۔ جس میں جگہ بجگہ
کے شگفتہ پھول آئے ہوئے تھے۔ فیثا غورث نے اپنے شاگردوں کے دماغوں پر
تو قبضہ حاصل کر لیا تھا۔ لیکن اس نے ان کا دل بھی فتح کر لیا۔ ہر شاگرد دل سے اپنے
استاد کی عزت کرتا تھا۔ اور اس کے حکم کے آگے سب کچھ قربان کرنے کو تیار رہتا تھا۔
حکیم خود بھی بڑا نیک مزاج اور سادہ تھا۔ غرور تکبر اور نخوت اس کے سب سے بڑے
مخالف تھے۔ وہ اپنے شاگردوں کو اکثر بتایا کرتا تھا کہ غرور اور تکبر ہی وہ چیز ہے۔
جو انسانی زندگی کو تلخ بنا کر برباد کر دیتی ہے۔ اور انہیں خاص طور پر ہدایت کیا
کرتا تھا کہ وہ اس مرض کے پھندے میں ہرگز نہ پھنسیں۔ اگر اسے معلوم ہو جاتا کہ اس
کے فلاں شاگرد نے کوئی غرور کا کلمہ زبان سے نکالا ہے۔ وہ اسی وقت اس کی گوشمالی

کرتا تھا۔ اور دُوسرے شاگردوں کے سامنے اُسے جھاڑ دیتا تھا۔ تاکہ پھر کبھی وہ
ایسا کلمہ کہنے کی جرأت نہ کرے۔

فیثا غورث ایشور پرستی کی تعلیم اپنے شاگردوں کو لازمی طور پر دیتا تھا۔ اس کی سب سے
بڑی خواہش یہ تھی کہ وُہ نیک اور سادہ چال چلن کے ہوں۔ اس کے متعلق یہ بات
عام مشہور تھی کہ جہاں کہیں کسی نیکی کے کام کا تذکرہ ہو۔ فیثا غورث اپنی تمام توجّہ
سے اُس کی طرف متوجہ ہو جاتا تھا۔ اُس کا قول تھا کہ دُنیا میں اگر کوئی کام کرنے کے
لائق ہے تو وُہ نیکی ہی ہے۔ وُہ بڑا رحم دل تھا سب کے ساتھ رحم سے پیش آتا تھا
وُہ بڑا متقی اور پرہیزگار تھا۔ نیک اشخاص کی صحبت میں بیٹھ کر وُہ بڑا خوش ہوتا تھا
اور اپنے شاگردوں کو بھی یہی ہدایت کرتا تھا کہ وُہ بُرے لوگوں کی صحبت میں ہرگز
نہ جاویں۔ بلکہ اپنا زیادہ وقت نیک لوگوں کی صحبت میں گذاریں۔ اسی طرح وُہ کہا
کرتا تھا کہ تعلیم ایک ایسا خوشنما زیور ہے۔ جو بدصورت سے بدصورت شخص کو بھی
خوبصورت بنا دیتی ہے۔ اور اس کی سب سے بڑی کوشش یہ رہتی تھی کہ جس قدر
علم دُوسرے لوگ اُس سے حاصل کر سکیں۔ کریں۔ اُس نے خود بڑی تکالیف اُٹھا کر
علم حاصل کیا تھا۔ اور اُسے کئی دفعہ بڑے بخیل اُستادوں کا بھی سامنا کرنا پڑا تھا
جو اس سے کئی باتوں کو چھپاتے تھے۔ مگر فیثا غورث نے اپنے شاگردوں کے ساتھ
ایسا نہیں کیا۔ وُہ علم کا خزانہ لُٹانے میں بڑا دریا دل تھا۔ اور جو شخص ایک دفعہ
اُس کے پاس آیا۔ علم کے زیور سے آراستہ ہوئے بغیر اُسکے در سے واپس نہ گیا۔

جس وقت یہ نامور حکیم اپنے شاگردوں کے درمیان بیٹھ کر ان کو تعلیم دیا کرتا تھا تو
ایسا معلوم ہوتا تھا کہ خوبصورت اور چمکدار چاند اپنے تمام جلال کے ساتھ روشن
تاروں کے درمیان اپنا اجلاس کر رہا ہے۔ تمام شہر ساموس فیثا غورث کی عزّت
کرتا تھا۔ اور لوگ اس کی علمی باتوں کو بڑے غور سے سُنتے تھے۔ اس کا کام بڑی خو

سے چل رہا تھا کہ اس کا سب سے بڑا مربی قوتو قراطیس بیمار ہو گیا۔ بہت کچھ علاج معالجہ کیا گیا۔ مگر موت کے وقت کو کون ٹال سکتا ہے، جس وقت وہ آخری دم لے رہا تھا۔ اُس نے فیثا غورث کو بہت سی نیک ہدایتیں کیں۔ اور بڑے زور سے کہا کہ اُسے اِن کو اپنی زندگی کا پروگرام بنانا چاہیئے۔ قوتو قراطیس کی وفات کے بعد اہل ساموس کے سامنے یہ سوال پیدا ہوا کہ اُس کی جگہ کسے مقرر کیا جائے۔ لوگوں نے ہر چہار طرف نظر ماری کہ کوئی شخص ایسا نظر آوے جسے وہ دینی پیشوا قوتو قراطیس کے عہدہ پر مقررہ کر سکیں۔ مگر اُن کو فیثا غورث سے بڑھ کر اور کوئی شخصیت نظر نہ آئی چنانچہ لوگوں نے اسے کہنا شروع کیا کہ وہ اپنے مرحوم مربّی کی جگہ کام کرے۔ حکیم اس کام کے لئے تیار نہ تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اپنے علمی پروگرام ہی میں لگا رہے۔ اس لئے اُس نے لوگوں کی یہ درخواست ردّ کر دی۔ مگر اس سے لوگوں کی تسلّی نہ ہوئی۔ اُنھوں نے بار بار یہی کہا کہ اِس عہدہ کے لائق سوائے فیثا غورث کے اور کوئی شخص نہیں ہے۔ اور اِس پر زور ڈالا کہ اِسے یونیورسٹی کا کام چھوڑ کر لوگوں کی دینی خدمت سرانجام دینی چاہیئے۔

جب حکیم نے دیکھا کہ معزز اہل ساموس اس کے انکار سے کچھ بھی متاثر نہیں ہوتے۔ تو اُس نے اُنھیں ایک دوسرے طریقہ سے ٹالنا چاہا۔ اُس نے کہا کہ دینی خدمت کو وہ ایک بڑی پاک خدمت خیال کرتا ہے، جس میں نہ تو وہ مکّاری کو اور نہ ہی ریاکاری کو داخل کر سکتا ہے۔ وہ سچائی کو کبھی ہاتھ سے نہ دیگا۔ اور وہ لوگ جو اب اُسے دینی پیشوا بنانے کے لئے تڑپ رہے ہیں۔ اُس کی سچّی اور خالص سچی باتوں سے گھبرا کر اُس کے مخالف بن جاوینگے۔ اِس کا خیال تھا کہ اہل ساموس یہ سُنکر اپنے ارادہ سے باز آجاویں گے۔ لیکن اُنھوں نے اِسے منظور کر لیا۔ اور کہہ دیا کہ جو کچھ وہ کہیگا۔ اُسے منظور کیا جاویگا۔ اب فیثا غورث مجبور تھا کہ وہ دینی پیشوا کی خدمات سرانجام

دینے کے لئے تولو قراطیس کا عہدہ اختیار کرے۔ چنانچہ اس نے یونیورسٹی کا کام چھوڑ
کر یہ کام شروع کر دیا۔ جس وقت اس نے تولو قراطیس کی کرسی کو زینت دی۔ لوگ مارے
خوشی کے اچھل پڑے۔ اور اُن کی زبان سے بے اختیار نکل گیا کہ "فولو قراطیس کی الفت
کی کرسی جو بہت دنوں سے خالی پڑی تھی۔ آخر ایک ایسے انسان سے پُر ہو گئی۔ جو الفت
مجسم ہے۔ اور جس کے انصاف پر سب کو پورا پورا بھروسہ ہے" اہلِ ساموس کی بڑی خوشی
کے درمیان فیثا غورث نے اُس کرسی پر قدم رکھ دیا۔ جسے وہ چند ماہ سے زیادہ اپنے
قبضہ میں نہ رکھ سکا اور جس کے لئے اُسے اپنی جان کو بھی خطرہ میں ڈالنا پڑا۔

فیثا غورث کو فولو قراطیس مرحوم کی جگہ کام کرتے ہوئے تھوڑا ہی عرصہ گذرا تھا کہ ا
دل اپنی سرزمین کے لوگوں میں برائیوں کی کثرت دیکھ کر کانپ اُٹھا۔ لوگ چاہتے تھے
کہ وہ اُن کی مرضی کے مطابق چلے مگر اس کی خواہش تھی کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق نہیں
بلکہ دھرم کے مطابق چلے اور جو خرابیاں موجود ہیں۔ ان کے برخلاف زبردست آواز
بلند کرے۔ پہلے پہل جب اس نے لوگوں کو برے کاموں سے روکا۔ تو اہلِ ساموس بڑے
خوش ہوئے۔ کیونکہ یہ لوگ جن کو حکیم نے ہدایت کی۔ غریب تھے۔ مگر جونہی اس نے د
کے امیروں کو بھی اسی لاٹھی سے ہانکنا چاہا۔ ساموس میں ایک شور مچ گیا۔ اگرچہ بہت
سے لوگ اب بھی فیثا غورث کے ساتھ تھے۔ لیکن اس کے مخالفوں کی تعداد بھی
کچھ کم نہ تھی۔ امیر لوگ جنکی خرابیوں اور برائیوں کے پردے وہ بڑی بے رحمی سے فاش
کرتا تھا۔ اُسے ایک آنکھ نہ بھاتے تھے۔ اور نہ وہ اسے دیکھنا چاہتے تھے۔ ا
کئی دفعہ مار ڈالنے کی دھمکیاں دی گئیں۔ مگر وہ اپنے راستہ سے نہ ہلا۔ بلکہ بدستور سچائی
کے حق میں آواز اُٹھاتا رہا۔ کچھ دنوں بعد اس نے دیکھا کہ اُس کے ان احکام کی جو
مذہبی پیشوا کی حیثیت سے مذہبی امور کے متعلق دیتا تھا بعض حلقوں میں بے قدری
کی جاتی ہے۔ اُسے یہ حکیم برداشت نہ کر سکا۔ اور اُس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ ساموس

چھوڑ کر چلا جاوے۔ جب عام لوگوں کو اُس کا یہ ارادہ معلوم ہُوا۔ اُنہوں نے اس کے پاس پہنچکر درخواست کی کہ وُہ اپنے خیالات کو پلٹ دے اور جانیکا ارادہ ترک کردے۔ مگر فیثا غورث نے ساموس کو چھوڑنے کا ہی ارادہ پختہ رکھا۔

آخر یہ اپنے شہر کے بہت سے لوگوں کی ناراضگی کے باوجود جو چاہتے تھے کہ وہ اُن کے درمیان ہی رہے۔ وہاں سے نکلا اور مُلک انطاکیہ کو چلا گیا۔ یہاں کے لوگوں نے اس کا بڑی شان سے استقبال کیا۔ اُنہوں نے اِس بات کو غنیمت سمجھا کہ دُنیا کا سب سے بڑا حکیم اُن کے درمیان آیا ہے۔ جس سے ضرور یہاں اُن کے مُلک کی بھی عزّت ہوگی۔ چنانچہ اُنہوں نے اس کی بڑی آؤ بھگت کی۔ اور کئی سہولتیں دیں۔ اس کا ارادہ تھا کہ انطاکیہ کے کسی شہر میں ایک یونیورسٹی قایم کرے۔ اور وہاں پر درس تدریس کا کام از سرِ نو جاری کرے۔ اِس غرض کے لئے اُس نے کئی بڑے شہروں کا چکر لگایا اور وہاں کے حالات دیکھتا رہا۔ آخر اُس نے شہر قرطبا کو اپنے مطلب کیلئے پسند کیا۔ اور وہاں ایک مدرسہ کی بنیاد رکھ کر علم کے شائقین کو علم کی دعوت دی۔ اِس کے بہت سے شاگرد جو اس پر دلدادہ تھے۔ پھر اس کے گرد جمع ہونے شروع ہوئے۔ اور چند روز میں ہی اس کے مدرسہ میں سینکڑوں طالبعلم جمع ہوگئے۔ اِس جگہ فیثا غورث کی شہرت اِس قدر بڑھی کہ دُور دُور تک اس کا نام عزّت سے لیا جانے لگا۔ انطاکیہ کا بادشاہ تک اس کی عزّت کرتا تھا۔ دُور دراز ممالک سے علم کے شائق اس کے پاس آتے تھے۔ اور اسکے فیضِ صُحبت سے فیضیاب ہوکر جاتے تھے۔ اِس کے شاگردوں میں صُوبہ بربر ساحل افریقہ تک سے آئے ہوئے طالبعلم شامل تھے۔ جو شخص اِس کے پاس سے تعلیم حاصل کرکے جاتا تھا۔ وہ تمام عمر اِس کی تعریف کے گیت گاتا رہتا تھا۔ اور سینکڑوں ہزاروں لوگوں کو اِس کا گرویدہ بنا دیتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ فیثا غورث کے زمانہ کے وُہ لوگ بھی جنہوں نے کبھی اِس کی شکل تک نہیں دیکھی تھی۔ اِس کے مداح تھے اور تعریف کرتے نہ تھکتے تھے۔

اِس مدرسہ میں علاوہ علوم فلسفہ کی تعلیم کے اخلاق کی تعلیم بھی فیثا غورث اپنے شاگردوں
کو دیتا تھا۔ اور انہیں نیک بنانے کے لئے طرح طرح کی دلائل و امثال سے سچائی اور
نیکی کی تعلیم دیتا تھا۔ یہاں تک ہی بس نہ تھی۔ بلکہ حکیم نے عام لوگوں کی بھلائی کے لئے
یہ طریقہ بھی نکالا کہ وُہ عام لیکچروں کے ذریعہ اپنے خیالات کا پرچار کرے۔ چنانچہ
اس کے لئے وُہ اپنی جائے رہائش پر اکثر پند ونصائح کی محفلیں منعقد کیا کرتا تھا۔
جن میں بڑے بڑے لوگ شامل ہوتے تھے۔ اِن لیکچروں میں وہ غرور اور نخوت کی بڑی
دھجیاں اُڑایا کرتا تھا۔ ایک روز اسی طرح محفل لگی ہوئی تھی حکیم نے اپنا لیکچر شروع کیا
اِس محفل میں فروطونیا کا ایک امیر قولون نامی بھی موجود تھا۔ جو غرور اور نخوت کے لئے
تمام مُلک میں مشہور تھا۔ اگرچہ یہ شخص ایک مناسب جگہ پر بیٹھا ہوا تھا۔ مگر یہ سمجھتا
تھا کہ اُس کی بے عزتی ہوتی ہے۔ وہ اکثر اکڑ اکڑ کر اُوپر کو اُٹھتا تھا اور اینٹھ اینٹھ کر
بیٹھتا تھا۔ بلکہ نزدیک بیٹھے ہوئے لوگوں سے مخول کے طور پر ہنسی مذاق بھی کرتا تھا
اثنائے لکچر میں حکیم کی نظر اس پر پڑ گئی۔ اور وہ غرور کی اس شاخ کو جھکا کر فرش تک
لانے کے لئے اِس طرف ہی چل پڑا۔ اُس نے کہا کہ "بعض لوگ جن کو اپنی امیری کا بڑا
گھمنڈ ہے۔ وہ چند منٹ آرام سے ایک لیکچر میں بیٹھ بھی نہیں سکتے۔ اُن کو شرم کرنی چاہئے
اور غرور کو چھوڑ دینا چاہیئے۔" اِس طرح اور کئی صاف صاف الفاظ کہے۔ جنکو سُنکر قولون
کا جگر جو پہلے ہی حسد کی آگ میں جل رہا تھا۔ کباب ہوگیا۔ اور چند منٹ بعد وہ مباحثہ کے
لئے کھڑا ہوگیا۔ فیثا غورث اُس کی شرارت کو تاڑ گیا۔ اور بحث میں اُسے ایسا شرمندہ
کیا کہ وہ پھر محفل میں نہ بیٹھ سکا۔ بلکہ مارے شرم کے وہاں سے چل دیا۔ فیثا غورث پھر
اپنے کام میں مصروف ہوگیا اور بہت دیر تک لوگوں کو غرور اور تکبّر کے نقصانات سُناتا رہا
قولون جس وقت اس مجلس سے اُٹھ کر گیا۔ اُس کا جگر جل رہا تھا۔ فیثا غورث
اُسے زہر کی طرح معلوم ہوتا تھا۔ اور اس کا دِل چاہتا تھا کہ اُسی وقت اس کا سر تن

سے جُدا کردے۔ یہاں سے جاتے ہی اُس نے حکیم کو تباہ و برباد کرنے کے وسائل سوچنے شروع کئے۔ اُس نے قرطبا کے بہت سے لوگوں پر زور ڈالا کہ اگر وہ فیثا غورث کو سخت سزا نہیں دے سکتے تو کم از کم اُسے شہر بدر تو ضرور کر دیں۔ لیکن اس مقصد میں اُسے کامیابی نہ ہوئی۔ اور وہ چند روز فضول اِدھر اُدھر مارا مارا پھر کر اپنے گھر کو واپس چلا گیا۔ وہاں بھی اُسے چین نہ آیا اور وہ یہی سوچتا رہا کہ فیثا غورث کی بےعزتی کی جاوے جب اُس نے اور کسی طرح اپنا مطلب حل ہوتے نہ دیکھا تو اُس نے اُن لوگوں کو اپنے ساتھ ملانا شروع کیا۔ جو حکیم کی بڑھتی ہوئی عزت کو دیکھ کر آتش حسد میں جلتے تھے۔ قوتون کے پاس روپیہ کی کمی نہ تھی۔ اُس نے اپنے کمینہ مقصد کے لئے روپیہ کو پانی کی طرح لُٹانا شروع کیا۔ اگر وہ روپیہ نہ بھی صرف کرتا۔ تو بھی وہ اپنے مخالف کو نقصان پہنچانے کے لئے اِن حاسدوں سے بہت سی مدد حاصل کر سکتا تھا۔ جو ہر وقت اور ہر زمانہ میں نیک لوگوں کو ستانے کے لئے موجود رہتے ہیں۔ قوتون نے اپنے صلاح کاروں کے ساتھ مل کر یہ شور مچانا شروع کیا کہ فیثا غورث مرتد اور کافر ہے۔ ہمارے معبودوں کی حقارت کرتا ہے اور لوگوں کو بےدینی کی تعلیم دیتا ہے۔ ان لوگوں میں یہ تو طاقت نہ تھی۔ کہ وہ حکیم کا دماغی مقابلہ کر سکیں۔ اِس لئے اُنہوں نے لوگوں کے جذبات کو بھڑکایا۔ اور چونکہ بُرائی کی جڑیں کاٹنے والا فیثا غورث پہلے سے ہی بڑے لوگوں کے جذبات کو کچلنے کا کام بڑے وسیع پیمانہ پر کرتا تھا۔ اسلئے اُس کے دشمنوں کو ان لوگوں کو اپنے ساتھ ملانے میں بڑی بھاری کامیابی ہو گئی۔ اور چند ماہ کی کوشش سے ہی اُنکے گرد فیثا غورث سے مخالفت کرنے والوں کا انطاکیہ میں ایک ایسا زبردست گروہ پیدا ہو گیا۔ جو اپنا کام صرف حکیم کو نقصان پہنچانا سمجھتا تھا۔

فیثا غورث پر الزام لگایا گیا کہ وہ لوگوں کے دِلوں میں پراچین عبادت گاہوں اور معبودوں کی طرف سے نفرت پیدا کرتا ہے اور بُت پرستی کا مخالف ہے۔ جس وقت یہ

خبر جہلا کے کانوں میں پہنچی ۔ اُن کا جوش اُمڈنے لگا ۔ اور وہ بغیر سمجھے بوجھے اُس کی مخالفت پر تُل گئے ۔ فیثا غورث کے شاگردوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی تھی ۔ لیکن وہ عوام کے مقابلہ میں آٹے میں نمک سے بڑھ کر حیثیت نہ رکھتے تھے ۔ حکیم نے دیکھا کہ خطرہ دن بدن بڑھتا جاتا ہے ۔ وہ اگر چاہتا تو پالیسی سے کام لیکر اِس مخالفت کی آگ پر پانی ڈال سکتا تھا ۔ اور ان لوگوں کو ہی اپنے قبضہ میں کر کے قبیلوں اور اُس کے ساتھیوں کو نقصان پہنچا سکتا تھا ۔ لیکن اُس نے اِس قسم کی حرکات کو پسند نہ کیا ۔ بلکہ اُس نے صاف کہہ دیا کہ وہ جو کچھ سچ سمجھتا ہے ۔ اُس کا پرچار کرتا ہے ۔ خواہ اس سے لوگوں کے جذبات کو صدمہ پہنچے ۔ خواہ ان کی پُرانی روایات کی بے حُرمتی ہو ۔ اس جواب نے مخالفوں کو بڑا موقعہ دیا کہ وہ حکیم کے خلاف جہاں تک نفرت کا جذبہ پیدا کرنا چاہیں ۔ کر سکیں ۔ چنانچہ اُنہوں نے اس پوزیشن کا بڑا فائدہ اُٹھایا ۔ اور بہت سے لوگ اِس بات پر آمادہ ہوگئے کہ جہاں فیثا غورث اُن کو نظر آوے ۔ وہاں ہی اُس کا خاتمہ کر دیں چنانچہ کئی بیوقوف لوگ تو اِس غرض کے لیے ہر وقت مسلّح حکیم کی جائے رہائش کے ارد گرد گھوما کرتے تھے ۔

فیثا غورث کے شاگردوں نے دیکھا کہ معاملہ دن بدن نازک ہو رہا ہے ۔ اُن کی یہ تو طاقت نہ تھی کہ وہ اُستاد کو اپنے رویہ میں کوئی تبدیلی کرنے کے لیے کہتے ۔ البتہ اُنہوں نے یہ انتظام کیا کہ جہاں اُستاد جاوے ۔ وہاں ہی اُس کے ساتھ رہیں ۔ اور اگر کوئی شخص اُس کی جان پر حملہ آور ہو تو مدد کریں ۔ اور ہمیشہ درجنوں نہیں سینکڑوں شاگرد مسلّح اُس کے ساتھ رہا کرتے تھے ۔ خواہ وہ سفر میں ہو یا گھر پر ۔ اُسکے وفادار شاگرد اُس کی حفاظت کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے ۔ ایک روز فیثا غورث ایک جگہ لیکچر دے رہا تھا ۔ حسب دستور اُس کے بہت سے شاگرد اُس کی حفاظت کے لیے موجود تھے ۔ ظالم قبیلوں نے لوگوں کو اُبھارا کہ وہ چل کر دورانِ لیکچر میں ہی اُس کا خاتمہ

کردیں۔ چنانچہ بہت سے لوگ مسلح ہو کر اُس جگہ جا پہنچے۔ جہاں حکیم لیکچر دے رہا تھا۔
جونہی باغیوں کا یہ گروہ پہنچا۔ وہ سمجھ گیا کہ معاملہ نازک ہے۔ مگر وہ بالکل نہ گھبرایا۔
برابر لیکچر دیتا رہا۔ اُس کے شاگردوں نے مخالفوں کا مقابلہ کیا۔ اور انہیں آگے بڑھنے
سے روکا۔ شریر لوگوں کا غصہ بڑھا ہوا تھا۔ انہوں نے شاگردوں پر ہی قاتلانہ حملہ
کر دیا۔ اور ان کی آن میں کئی نوجوان شاگرد مار ڈالے۔ فیثا غورث کو اس حادثہ کا بڑا
رنج ہوا۔ اُس نے چاہا کہ وہ خود آگے بڑھے۔ اور اپنے مخالفوں کو شرارت سے باز آنے
کی ہدایت کرے۔ مگر سمجھدار اور وفادار شاگردوں نے کہا کہ یہ وقت ایسا نہیں ہے۔
شاگرد برابر مرتے گئے۔ لیکن انہوں نے شریر اور قانون شکن لوگوں کا ہاتھ اپنے اُستاد
کے پاک جسم تک پہنچنے نہ دیا۔ آخر جب حکیم نے دیکھا کہ باغی لوگ شرارت سے باز نہیں
آتے تو وہ اپنے شاگردوں کے جھنڈ میں وہاں سے نکل گیا۔

جب وقت مخالفوں کو پتہ لگا کہ اُن کا شکار بھاگ گیا ہے۔ وہ بڑے سٹ پٹائے
لیکن انکو فیثا غورث کا کچھ پتہ نہ لگا۔ چند روز تک آرام رہا۔ مگر فیثا غورث کا جرم کوئی
معمولی جرم نہ تھا۔ وہ جہاں بھی جاتا۔ اُس کے مخالفوں کا اُس جگہ موجود ہونا ضروری
تھا۔ چنانچہ جہاں کہیں وہ گیا۔ اُس کے خون کے پیاسے وہاں ہی پہنچے۔ فیثا غورث
اُس وقت نوجوان نہیں تھا۔ بلکہ اُس کی عمر ۷۵ سال کے قریب تھی۔ یہ عمر عام طور پر
آرام کرنے کی عمر ہوتی ہے۔ لیکن فیثا غورث کو اس عمر میں بڑا سفر کرنا پڑا۔ اُسے اپنی
جان بچانے کے لئے اکثر دن میں بیس بیس کوس پیدل چلنا پڑتا تھا۔ اس کے بہت
سے شاگرد اِس کی حفاظت کرتے کرتے جان سے مارے گئے۔ ہاں ایک تسلی تھی۔ اور وہ
یہ کہ جس قدر شاگرد جان سے مارے جاتے تھے۔ اتنی قدر بلکہ زیادہ نئے اُس کے پاس آجاتے
تھے۔ اور فیثا غورث کی جان کی حفاظت کے لئے وہ ہر طرح کی قربانی کرنے کو تیار رہتے
تھے۔ فیثا غورث اپنی اس حالت پر اکثر غور کیا کرتا تھا۔ مگر اُسے کچھ سمجھ نہ پڑتی تھی

کہ اپنے بیوقوف اور سادہ لوح مخالفوں کا کیا علاج کرے۔ اُس لئے ہر ایک جائز کوشش سے مخالفت کا خاتمہ کرنا چاہا۔ لیکن مخالف لوگ تو اُس کی جان کے خواہاں تھے۔ آخر اسے ہی لے کر اُنہیں چین آیا۔

فیثا غورث کی موت کا حال بڑا ہی دردناک ہے۔ اس کی موت ایک عبرت ہے۔ جسے سُن کر انسان کا کلیجہ منہہ کو آنے لگتا ہے۔ اور ایک سنجیدہ آدمی تو ان واقعات کا مطالعہ کر کے جو اس کی موت سے تعلق رکھتے ہیں۔ حیران ہو جاتا ہے کہ کیا اُس کے بدمعاش مخالفوں کے جسم حمیت کی رگ سے بالکل خالی تھے۔ ایک روز اس کے مخالفوں نے اسے مکان پر گھیر لیا۔ اور ارادہ کیا کہ جب تک وہ اس کا سر نہ کاٹ لینگے۔ تب تک واپس نہ جاوینگے۔ اس کے شاگردوں نے ان کو روکا۔ اور خوب ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ چند گھنٹے تک خوب لڑائی ہوتی رہی۔ اس لڑائی میں طرفین کے بہت سے آدمی مارے گئے۔ فیثا غورث کے مکان کے نزدیک ہی ایک عبادتگاہ تھی۔ جو بڑی مضبوط تھی۔ اس کے ساتھیوں نے مشورہ کیا کہ اگر وہ اُس جگہ چلے جاویں تو مخالفوں کا مقابلہ خوب دل کھول کر کر سکتے ہیں۔ چنانچہ یہ اپنے اُستاد کو لے کر وہاں ہی چلے گئے۔

مخالفوں نے بھی اپنا رُخ اُس عبادت گاہ کی طرف پھیرا۔ اور اُس کے گرد گھیرا ڈال لیا۔ تاکہ فیثا غورث وہاں سے بھی بھاگ نہ جاوے۔ اُنہوں نے بڑی سختی کے ساتھ حملہ کیا۔ اور پورا زور لگایا کہ وہ فیثا غورث تک پہنچ جاویں۔ لیکن فیثا غورث کے بہادر شاگردوں نے اُن کی ایک پیش نہ جانے دی۔ مخالف لوگ برابر چالیس دن تک اس کا محاصرہ کئے پڑے رہے۔ مگر وہ فیثا غورث کو قتل نہ کر سکے۔ آخر مخالف محاصرہ سے تنگ آ گئے۔ ان کمینوں سے یہ اُمید تو کبھی نہ ہو سکتی تھی کہ وہ حکیم کو زندہ چھوڑ کر چلے جاویں گے۔ آخر تنگ آ کر اُنہوں نے

اس عبادت گاہ کو آگ لگادی۔ یہ آگ کئی دن تک جلتی رہی۔ اور جب وقت یہ بجھی تو نہ صرف عبادت گاہ ہی جل کر خاک سیاہ ہوگئی تھی۔ بلکہ فیثا غورث معہ اپنے سینکڑوں بہادر شاگردوں کے زندہ جل کر خاک کا ایک تودہ بن گیا تھا۔ جب تک اس آگ نے دُنیا کے ایک بے نظیر حکیم کو ہلاک نہ کردیا۔ تب تک مخالفوں نے وہاں سے حرکت نہ کی۔ اور جب اُنہیں یقین ہوگیا کہ اُن کا مطلب پورا ہوگیا ہے۔ تو وہ خوشی خوشی گھروں کو لوٹ گئے؎

اگرچہ فیثا غورث کی موت سے اس کے حاسد قوموں اور چند دیگر لوگوں کے دل ٹھنڈے ہوگئے۔ مگر اُن کی اس حرکت نے یونان ہی نہیں بلکہ دُنیا کے ایک عظیم الشان مذہبی ریفارمر کی زندگی کا خاتمہ کردیا۔ مہاتما فیثا غورث بُت پرستی کا بُہت سخت مخالف تھا۔ اور اسے انسانی دماغ کی ایک نہائت ہی بھیانک اور خوفناک جدت بتاتا تھا۔ اُس نے پہلے پہل اپنے لیکچروں میں بُت پرستی کی بہت مخالفت نہیں کی۔ مگر جب اُس کے مخالفوں نے یہ شور مچادیا کہ وہ یُونانی بُتوں کی ہتک کرتا ہے۔ تو اُس نے نہائت ہی حوصلہ اور دلیری سے وہ بات ظاہر کردی جو اب تک اُس کے دل میں تھی۔ اور اس کے بعد وہ بُہت سختی سے بُت پرستی کی مخالفت کرتا رہا۔ بلکہ بُہت سے لوگوں نے اُس کی تعلیم سے متاثر ہوکر نہ صرف خود بُت پرستی سے توبہ کی۔ بلکہ اپنے بُتوں کو جنہیں وہ سالہا سال سے پُوجتے آئے تھے۔ توڑ ڈالا فیثا غورث کے مخالفوں نے بُہت کوشش کی کہ اُس کے تمام شاگرد اُس کا ساتھ چھوڑدیں۔ مگر اس میں اُن کو کامیابی نہ ہوئی۔ چنانچہ کئی سو وفادار شاگرد اُس کے ساتھ ہی زندہ جل کر مرگئے جو شاگرد اُستاد کی اِس مصیبت میں ساتھ نہ دے سکے۔ وہ تمام عمر پچھتاتے رہے۔

موسےٰ

ظالم لوگوں نے اپنا ظلم دُنیا کے کسی خاص حصہ تک ہی محدود نہیں رکھا۔ بلکہ جہاں اور جب ان کو موقعہ ملا ہے۔ اُنہوں نے دُوسروں کو ستانے اور تنگ کرنے کے ناپاک کام میں کوتاہی نہیں کی۔ دُنیا میں ایک زمانہ وُہ بھی آچکا تھا جبکہ یہاں مذہب کی تلوار چلتی اور لوگوں کا خون پیتی تھی۔ مصر میں آج کل کوئی مذہبی جھگڑا نہیں ہے۔ مگر اس کی ہمیشہ ہی سے ایسی حالت نہیں رہی۔ گذشتہ زمانہ میں یہاں مذہب کے نام پر بڑی بڑی لڑائیاں ہوئی ہیں۔ اور سینکڑوں ہزاروں لوگوں کے خون بہائے گئے ہیں۔ لوگوں کے دلوں میں خود خدا بننے کا خیال بھی کوئی نیا خیال نہیں ہے۔ اس سے پہلے دنیا میں کئی اشخاص ایسے پیدا ہو کر نابود ہو چکے ہیں۔ جن کے سر میں خود خدا بننے کا سودا (سما) یا اور اسی خیال سے متاثر ہو کر اُنہوں نے لوگوں کو اپنی طاقت کے آگے سر جُھکانے کے لئے مجبور کیا اور اپنی خواہش کو پورا کرنے کے لئے طرح طرح کی شرارتوں اور مظالم کو روا رکھا۔

حضرت موسے کا تعلق بنی اسرائیل کے خاندان سے ہے۔ بنی اسرائیل کا مسکن مصر نہیں تھا۔ بلکہ وہ کنعان سے ترک وطن کر کے مصر میں آباد ہوئے تھے۔ اس کا قصّہ یوں ہے کہ جب یوسف کے بھائیوں نے حسد کی وجہ سے اس خوبصورت نوجوان کو فروخت کر دیا۔ تو وُہ بہت سی تکالیف اُٹھا کر مصر میں جا پہنچا۔ اور یہاں اپنی حُسن لیاقت سے ترقی کرتے کرتے مصر کا ایک اعلےٰ عہدہ دار بن گیا۔ جبکہ یوسف مصر میں اعلےٰ عہدہ دار تھا اُس کے آبائی وطن میں سخت قحط پڑا۔ اور اُس کے بھائی اناج وغیرہ خریدنے کے لئے مصر میں آئے۔ یوسف نے اُن کو پہچان لیا۔ اور اُن کے ذریعہ اپنے بوڑھے باپ کو بھی مصر میں بُلا لیا۔ چونکہ مصر میں یوسف بڑے آرام سے رہتا تھا۔ اس لئے اور بھی بہت سے

بنی اسرائیل وہاں جا کر آباد ہو گئے۔ اور یوسف کی بدولت اچھے اچھے عہدے اُن کو مل گئے۔
جب تک یوسف زندہ رہا۔ ان لوگوں کو بڑا آرام حاصل رہا۔ بہت سوں نے وہاں اپنی مستقل
جائدادیں بنالیں۔ اور وہاں ہی آباد ہو گئے۔ یوسف کی وفات کے بعد ان لوگوں کو سخت
تکلیف ہونے لگی۔ اور مصریوں نے ان کو بہت ستایا۔ ڈیڑھ دو سو سال تک یہ غریب
برابر پٹتے رہے۔ کئی بار ان کے دل میں خیال آتا تھا کہ مصر سے جلاوطن ہو کر پھر اپنے
سابق وطن میں آباد ہو جاویں۔ مگر اُن دنوں سفر آج کل کی طرح پُر امن نہ تھا۔ اس لئے
بیچارے تکلیف پر تکلیف اُٹھا کر بھی خاموش ہو رہتے تھے۔ کریں تو کیا؟ نہ جائے
رفتن نہ پائے ماندن۔ غریبوں پر چاروں طرف سے مظالم کے پہاڑ گرائے جاتے تھے۔
کمینہ سے کمینہ کام اُن سے لیا جاتا تھا۔ اور خوفناک سے خوفناک تکلیف اُن کو
دی جاتی تھی۔ آخر ان میں موسےٰ کی پیدائش ہوئی۔ اور اُس نے اپنی ہمت اور
طاقت سے ان کی تمام تکالیف کا خاتمہ کر دیا۔

حضرت موسےٰ کے بارہ میں ٹھیک طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ اُن کو گذرے کتنے سال
ہو چکے ہیں۔ عیسائیوں کی روایت کے مطابق ان کو گذرے آج ۳۴۸۶ سال ہوتے
ہیں۔ مختلف مذہبی تواریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت موسےٰ کی
پیدائش ہوئی۔ اُس وقت مصر کی حکومت ولید بن مصعب کے ہاتھ میں تھی۔ جو
فرعون کے نام سے مشہور ہے۔ اس سے پہلے مصر کے تخت پر اس کا بڑا بھائی قابض
تھا۔ یہ شخص بڑا ہی ظالم اور بدمعاش تھا۔ اس کا نام قابوس تھا۔ چونکہ اسے بنی اسرائیل
کی آبادی سے سخت نفرت تھی۔ اس لئے اس نے اُن کو اپنے ملک سے نکال دینے کا
فیصلہ کیا۔ اور اُن پر بھاری بھاری ٹیکس لگائے۔ اور اُن سے بڑے سخت کام کرائے۔
ذرا سے قصور پر اُن کو گرفتار کر کے جیلخانہ میں بھیج دیا جاتا تھا۔ اور سالوں یہ لوگ
جیل کے اندر ہی سڑتے تھے۔ کوئی شخص یہ بھی نہ پوچھتا تھا کہ انہوں نے کیا گناہ کیا

ہے ؛ قابوس کے ہاتھوں لوگ بڑے نالاں تھے۔ اور جب اس کا سلسلہ حیات منقطع ہوگیا۔ تو رعایا کے لوگوں نے خاص طور پر خوشی منائی۔

یہ خوشی محض چند روزہ تھی۔ کیونکہ قابوس کی جگہ جو شخص تخت نشین ہوا۔ وہ ظلم کرنے میں اُس سے بھی زیادہ بیرحم تھا۔ فرعون نے قابوس کے ظلم کو پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا۔ قابوس تو مردوں سے ہی ٹیکس لیتا تھا۔ اس نے عورتوں کو بھی نہ چھوڑا اُن سے بھی ٹیکس لینے لگا۔ یہ شخص پہلے پہل بڑا بُت پرست تھا۔ اور بُت پرستی کے پردہ میں طرح طرح کے ظلم کرتا تھا۔ بعد ازاں اس کے دل میں اپنی پرستش کرانے کا خیال سمایا۔ اور یہ اپنے آپ کو خدا کہنے لگا۔ بہت سے خوشامدی لوگوں نے اس کے رُعب میں آکر اس کی خدائی کو مان لیا۔ اور اس کے آگے گِر کر سجدہ کرنے لگے۔ مگر کئی سمجھدار لوگوں نے جن میں زیادہ تر بنی اسرائیل تھے۔ ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ جس کے عوض میں ظالم فرعون نے اُن کو دار پر کھینچا اور بڑے ظلم سے ہلاک کرا دیا۔ موت کے خوف سے بھی کئی لوگوں نے فرعون کے آگے سجدہ کرنا شروع کر دیا۔ اور فرعون کا حوصلہ یہاں تک بڑھا کہ جو شخص اُسے سجدہ نہ کرے۔ فوراً قتل کر دیا جاتا تھا۔

موسےٰ کی پیدائش کے بارہ میں یہودیوں میں عجیب و غریب روایات مشہور ہیں۔ مگر یہ سب کی سب غلط اور بعد کی ساختہ معلوم ہوتی ہیں۔ فرعون کے وقت میں بنی اسرائیل کی حالت بہت خراب تھی۔ چونکہ یہ لوگ فرعون کے خدائی دعوے کو تسلیم نہ کرتے تھے۔ اس لئے فرعون جوش انتقام میں آکر انہیں بے طرح ستاتا تھا۔ اُس کا حکم تھا کہ بنی اسرائیل کے خاندان میں کوئی لڑکا زندہ نہ چھوڑا جاوے۔ بلکہ جونہی ماں بچہ جنے۔ اگر لڑکی ہو تو چھوڑ دی جائے اور اگر لڑکا ہو تو ہلاک کر دیا جائے۔ سینکڑوں ہزاروں بچے ہر سال فرعون کے حکم سے قتل کئے جاتے تھے۔ مگر پھر بھی بنی اسرائیل اپنے خیالات پر پختہ تھے۔ جس وقت موسےٰ پیدا ہوا۔ اُس کی خوبصورت شکل دیکھ کر اُس

کی والدہ اور باپ کو بڑا رنج ہوا کہ ایسا خوبصورت بچہ آن کی آن میں ہلاک کر دیا جائیگا۔ دنیا
میں مادری محبت مشہور ہے۔ ماتا نے نہ چاہا کہ بچے کی پیدائش کا افشا کرے۔ اس لئے
اس نے اپنے خاوند عمران کو جو فرعون کے محل میں نوکر تھا۔ اس بات پر آمادہ کیا۔ کہ
بچہ کی پیدائش کو خفیہ رکھا جائے۔ عمران نے ڈر کر کہا کہ اگر بادشاہ کو معلوم ہو گیا۔ تو
وہ سخت عذاب دیگا۔ مگر موسےٰ کی ماتا نے منت سماجت کر کے اسے اس بات پر آمادہ
کر لیا کہ وہ چند روز تو خفیہ بیٹے کو گود کھلا لیں۔

معاملہ بیشک نازک تھا۔ مگر چند روز خیریت سے گذر ہی گئے۔ ایک دن عمران نے گھر
میں کہا کہ اب بچہ کو زیادہ دیر تک نہیں چھپایا جا سکتا۔ ماں یہ سنکر حیران ہو گئی۔ خاوند
کی سلامتی بھی اسے منظور تھی۔ آخر والدین نے یہ مشورہ کیا کہ لڑکے کو یوں قتل کرانے
کی بجائے دریا میں بہا دینا چاہیئے۔ آگے اس کی قسمت۔ اگر بچ گیا تو اس کی شکل دیکھ
لیا کریں گے۔ اور اگر مر گیا تو خدا کی مرضی۔ آخر اس نیک خاتون نے ایک چھوٹا سا بکس
لکڑی کا تیار کیا۔ اور اس میں نرم کپڑے بچھا کر اپنے لخت جگر کو آخری بار دودھ پلا کر
اور منہ چوم کر اس میں لٹا دیا۔ بکس کا منہ بند کر دیا گیا۔ اور باپ نے اسے صبح کے
وقت دریائے نیل میں ڈال دیا۔ یہ بکس بہتا بہتا فرعون کے محل کے نزدیک سے
گذرا۔ لوگوں کی نگاہ اس پر پڑی۔ اور چند شاہی ملازم تیر کر اسے محل میں لے آئے۔
فرعون کی ملکہ آسیہ نے اپنے سامنے بکس کو کھلوایا اور جب دیکھا کہ اس کے اندر
ایک خوبصورت نوزائیدہ لڑکا ہے تو وہ حیران ہو گئی۔ اتنے میں اس کی بیٹی وہاں آ
گئی۔ اور لڑکے کو دیکھ کر جھٹ اسے گود میں اٹھا کر پیار کرنے لگی۔

رفتہ رفتہ یہ بات تمام محل میں مشہور ہو گئی۔ عمران کو بھی خبر لگی کہ اس کا لخت جگر
ظالم فرعون کے ہاتھ پڑ گیا ہے۔ مگر افشائے راز کے خوف سے خاموش رہا۔ فرعون نے
محل میں آکر لڑکے کو دیکھا اور چاہا کہ اسے قتل کرا دے۔ مگر اس کی لڑکی نے بڑی عاجزی سے

کہا کہ اِس ننھّی جان کو ہلاک کرنے سے کیا حاصل۔ بہتر ہے کہ اِس کی پرورش کی جا
فرعون کا دِل نہیں مانتا تھا کہ بیٹی کی درخواست منظور کرے۔ مگر جب ملکہ آسیہ
بھی بیٹی کی تائید کی تو فرعون خاموش ہو گیا۔ اور اِس ننھّے بچّہ کی جان بچ گئی۔ ا
کے بعد یہ تلاش شروع ہوئی کہ بچّے کے لیئے ایک ہوشیار دایہ ملازم رکھی جاوے۔ جب
عمران کو اس کی خبر ملی۔ اُس نے کوشش کی کہ اس کی بیوی کو اس کام کے لیئے نوکر
رکھ لیا جاوے۔ اُسے اِس بارہ میں کامیابی ہوئی۔ اور موسےٰ پرورش کے لیئے اپنی
والدہ کے ہی حوالہ کیا گیا۔ جو اُسے کبھی کبھی محل میں ملکہ کے پاس لے جایا کرتی تھی۔
موسےٰ کی اوائل عمر کا ایک دلچسپ قصہ مشہور ہے۔ کہ ایک دن فرعون نے اِس
لڑکے کو گود میں لیا۔ اس نے اس کی داڑھی پکڑ لی اور زور سے کھینچی۔ اسپر فرعون کو
بڑا غصّہ آیا۔ اور اُس نے اپنا ہاتھ تلوار کے دستہ پر رکھا۔ تاکہ ایک ہی وار سے اس کا
خاتمہ کر دے۔ آسیہ دوڑی اور شاہ کے قدموں میں گر کر کہا کہ یہ کیا کرتے ہو؟ ننھّے بچّے
ایسا ہی کیا کرتے ہیں۔ مگر فرعون کا غصّہ کم نہ ہوا۔ بلکہ وہ اس کے قتل پر ہی بضد ر
آسیہ نے شاہ کی تسلّی کے لیئے نوکروں کو حکم دیا کہ فوراً ایک طشتری میں آگ اور ایک میں
موتی ڈال کر لاویں۔ جب نوکر یہ دونوں چیزیں لے آئے۔ تو اُس نے دونوں طشتریاں
موسےٰ کے سامنے رکھ دیں۔ موسےٰ نے جھٹ آگ کی طشتری میں ہاتھ ڈال دیا۔
جب ہاتھ جلا تو درد سے چلّانے لگا۔ تب آسیہ نے فرعون سے کہا کہ دیکھو۔ یہ بچہ بچہ
ہے۔ اس نے کوئی قصور جان بوجھ کر نہیں کیا۔ کہتے ہیں کہ فرعون کی اِس سے تسلی
ہو گئی۔ اور موسےٰ کے سر پر آئی ہوئی بلا ٹل گئی۔

جب موسےٰ کا دودھ چھڑایا گیا۔ تو اُس کی ماتا کو بڑا رنج ہوا۔ کیونکہ اب وہ اُسے
اپنے پاس نہ رکھ سکتی تھی۔ آخر اُس نے رو کر اُسے آسیہ کے حوالہ کر دیا۔ اور شاہی طور
پر اُس کی تعلیم شروع ہوئی۔ اور سترہ سال کی عمر میں موسےٰ نے کافی تعلیم حاصل کر لی

اس اثنا میں اس کی والدہ کبھی نہ کبھی موقعہ پا کر دایہ کے بہانہ سے اُس تک جا ہی پہنچتی تھی۔ اور اُسے دیکھ کر اپنے دل کی تسلّی کر لیتی تھی۔ عمران بھی اپنے بیٹے کی حالت سے خوش تھا۔ مگر کبھی کبھی اُس کا دل اس غم سے بیٹھ جاتا تھا کہ فرعون موسےٰ کے قتل کا حکم نہ دیدے۔ موسےٰ کو بھی معلوم ہو گیا تھا کہ وہ فرعون کا بیٹا نہیں۔ بلکہ ملکہ نے اُسے پرورش کیا ہے۔ ممکن ہے۔ اُس کی والدہ نے کبھی موقعہ پا کر اُسے بتا بھی دیا ہو کہ وہ کس کا بیٹا ہے اور کیوں اُسے اس طرح ماں باپ کی گود سے علیحدہ ہونا پڑا؟ موسےٰ کی رگوں میں بنی اسرائیل کا خون تھا۔ اس لیئے وہ ان کی بڑی مدد کرنی چاہتا تھا۔ گو وہ ظاہر فرعون کی عزت کرتا تھا۔ مگر دل میں فرعون کی حرکات کو دیکھ کر بڑی نفرت تھی۔ اور جب کبھی اُسے موقعہ ملتا تھا۔ وہ قبطیوں کے مقابلہ میں جو کہ فرعون کے خاندان سے تھے۔ بنی اسرائیل کی تعریف کر دیا کرتا تھا۔

ایک روز موسےٰ بازار میں سَیر کر رہا تھا۔ شام کا وقت تھا اور اندھیرا ہو چلا تھا۔ ایک موڑ کے نزدیک اُس نے دیکھا کہ ایک قبطی ایک بنی اسرائیل کو بےرحمی سے مار رہا ہے۔ موسےٰ اُس کے پاس گیا اور قبطی سے کہا کہ تو اسے کیوں مارتا ہے۔ قبطی نے اسے نہ پہچانا۔ وہ اسکے بھی سر ہونے لگا۔ یہ دیکھ کر موسےٰ کو غصّہ آ گیا۔ اور اُس نے زور سے ایک گھونسہ اُس کے ایسا مارا کہ وہ تڑپ کر زمین پر آ رہا۔ اس خوف سے کہ مبادا وہ مر نہ جاوے۔ موسےٰ وہاں سے بھاگ گیا لیکن چند منٹ میں ہی اس قبطی کا دم نکل گیا۔ مگر قاتل کا پتہ نہ لگا۔ فرعون کے نوکروں نے قاتل کی بہت تلاش کی۔ مگر کچھ خبر نہ ملی کہ وہ کون تھا۔ موسےٰ کئی دنوں تک اپنے محل سے باہر نہ نکلا۔ اس خوف سے کہ کوئی اُسے دیکھ نہ لے۔ بلکہ وہ پوشیدہ ہی رہا۔

چند روز کے بعد اُسے دوبارہ بازار جانے کا اتفاق ہوا۔ اُس نے دیکھا کہ وہی بنی اسرائیل جسے اُس نے پہلے روز قبطی کو مار کر بچایا تھا۔ ایک دوسرے شخص کے ساتھ جھگڑ رہا ہے۔ کر

رہا ہے۔ موسےٰ اُس کے نزدیک گیا۔ اور نرمی سے کہنے لگا کہ "بیوقوف! تو ہمیشہ جھگڑا ہی کرتا رہتا ہے"۔ اس شخص کو موسےٰ کی یہ بات بہت ناگوار معلوم ہوئی۔ اور وہ چلّا کر کہنے لگا۔ "تو وہی شخص ہے۔ جس نے اُس روز اس قبطی کو جان سے مارا تھا۔ کیا آج تو مجھے بھی جان سے ہلاک کرنا چاہتا ہے؟ تو قاتل ہے"۔ موسےٰ یہ سُنکر حیران ہو گیا۔ اور وہاں سے چلا گیا۔ اس وقت بہت سے لوگ وہاں جمع ہو گئے۔ اور بنی اسرائیل سے مفصّل حال دریافت کرنے لگے۔ اُس نے سب حالات ان لوگوں کو بتا دئے۔ اور کہہ دیا کہ چند روز ہوئے کہ جو قبطی مارا گیا تھا۔ وہ اس نے ہی مارا تھا۔ اپنے بھائی کی موت کا حال سُنکر دُوسرے قبطی لوگوں کو بڑا غصّہ آیا۔ اور وہ فریاد لے کر فرعون کے پاس پہنچے۔ اور کہا کہ موسےٰ نے ایک قبطی کو مار ڈالا ہے۔

فرعون پہلے ہی قاتل کی تلاش میں تھا جب اُس نے سُنا کہ قاتل اُس کے محل میں ہی ہے۔ اُسے بڑا غصہ آیا۔ اور اُس نے حکم دیا کہ موسےٰ کو فوراً گرفتار کر کے اُسکے سامنے پیش کیا جاوے۔ شاہی ملازم اُسی وقت موسےٰ کے کمرے میں گئے۔ تاکہ اُسے پابجولاں فرعون کے پیش کریں۔ مگر اُنہوں نے کمرے کو موسےٰ سے خالی پایا۔ موسےٰ پہلے ہی یہاں سے بھاگ گیا تھا۔ کیونکہ اُسے خوف تھا کہ جو بات ایک شخص کی زبان سے نکلی ہے۔ وہ ضرور دس زبانوں سے بولی جاویگی۔ اور اُسے ہزارہا کان سُنیں گے۔ جب لوگوں نے موسےٰ کو اپنے کمرے میں نہ پایا۔ وہ بہت حیران ہوئے۔ اور فرعون کے پاس لوٹ آئے۔ فرعون نے سپاہ کو حکم دیا کہ جہاں موسےٰ ملے۔ اُسے فوراً گرفتار کر لیا جاوے۔ لیکن موسےٰ نے بھاگنے کا ایسا طریقہ اختیار کیا تھا کہ کوئی اس کی گرد کو بھی نہ پہنچ سکا۔ اور وہ مصر کی حدود سے باہر چلا گیا۔ موسےٰ نے محل میں سے اپنے ساتھ کچھ نہ لیا۔ کیونکہ ایسا کرنے میں جان کا خطرہ تھا۔ وہ اکیلا تن تنہا بہ تبدیل لباس محل سے نکلا تھا۔ اور کئی روز تک آوارہ گردی کرتا اور جان بچاتا ہوا سرحد مصر

سے پار ہو کر بے خوف ہو گیا۔

چند روز موسےٰ بے سروسامان جنگل میں آوارہ پھرتا ہوا اور جنگلی درختوں کے پھل پھول کھا کر گذارہ کرتا ہوا سرحد شام میں شہر مدین کے پاس پہنچا۔ اور ایک کنوئیں پر پانی پینے کے لئے گیا۔ وہاں جا کر اُس نے دیکھا کہ چند گوالن عورتیں اپنی بکریوں کو پانی پلاتی ہیں۔ موسےٰ نے اُن سے پانی پیا۔ اور جب پانی پی چکا۔ تو اس کی نگاہ پاس ہی کھڑی ہوئی دو نوجوان خوبصورت لڑکیوں پر پڑی۔ جو اپنی بکریوں کو لئے علیحدہ کھڑی تھیں اور آگے نہ بڑھتی تھیں۔ موسےٰ اس راز سربستہ سے حیران رہ گیا۔ اور ایک طرف ٹھہر کر اس بات کا انتظار کرنے لگا کہ یہ لڑکیاں کہاں کو جاتی ہیں؟ جب سب عورتیں اپنی بکریوں کو پانی پلا چکیں۔ تو اُنہوں نے کنوئیں کا مُنہہ ڈھانپ دیا اور اپنی بکریاں لیکر چلیں۔ اِن کی بکریوں سے بہت کم پانی بچا تھا۔ اُن کے جاتے ہی یہ دونوں لڑکیاں آگے بڑھیں۔ اور باقی ماندہ پانی اپنی بکریوں کو پلانے لگیں۔ اتنے میں موسےٰ بھی اُن کے نزدیک پہنچا۔ اور اُن سے اُن کا حال دریافت کرنے لگا۔ بڑی لڑکی نے بتایا کہ وہ شعیب خدا پرست کی لڑکیاں ہیں۔ جو آنکھوں سے اندھا ہے۔ یہاں کے لوگ اُن کو اور اُن کے باپ کو بڑا تنگ کرتے ہیں۔ اور وہ اپنی بکریوں کو دُوسروں سے بچا کھچا پانی پلاتی ہیں۔ کیونکہ کوئی اُن کو کنوئیں پر نہیں چڑھنے دیتا۔

جونہی اِن لڑکیوں نے یہ حال کہا۔ موسےٰ کا دل بھڑک اُٹھا۔ اُس نے چھاتی پر ہاتھ مار کر کہا "اور کس کی شامت آئی ہے کہ وہ ایک برگزیدہ خدا پرست شخص کی لڑکیوں کو ستانے کی جرأت کرے"۔ یہ کہکر موسےٰ خود کنوئیں پر چڑھا اور پانی بھر بھر کر بکریوں کو پلانے لگا۔ جب بکریاں سیر ہو گئیں۔ موسےٰ وہاں ہی بیٹھ رہا۔ اور وہ دونوں لڑکیاں بکریوں کو لیکر اپنے گھر چلی گئیں۔ وہاں جا کر اُنہوں نے سب حال اپنے باپ سے کہا۔ شعیب یہ سُنکر بڑا خوش ہوا۔ اور اُس نے اپنی بڑی بیٹی سے کہا کہ جاؤ۔ اور اُس نیک مرد کو میرے

پاس بُلا لاؤ۔ چنانچہ جب وہ دوبارہ وہاں پہنچی تو اُس نے موسےٰ کو کنوئیں پر ہی بیٹھا پایا بعد
کو شعیب کا پیغام دیا گیا۔ اور وہ اُٹھ کر اس کے پاس چلا آیا۔ شعیب نے موسےٰ کی بڑی
خاطر داری کی۔ اور اُسے اپنا مہمان بنایا۔ جب اُس نے موسےٰ سے دریافت کیا کہ وہ کون
ہے اور کہاں سے آیا ہے؟ تو اُس نے اپنا اور فرعون کا سب حال کہہ سنایا۔ شعیب نے
اُسے حوصلہ دیکر کہا کہ یہ گھر اس کے لئے ہر وقت کھُلا ہے۔ جب تک چاہے۔ اِس میں رہے
اور رُوکھا سُوکھا کھانا ہر وقت اس کے لئے تیار ہے۔ موسےٰ نے وہاں رہنا اور شعیب
کی بکریوں کو چرانا شروع کر دیا۔ شعیب بڑا نیک مرد تھا۔ اُسے مذہبی اُمور میں بڑا ملکہ تھا۔
موسےٰ نے اس سے خوب مذہبی تعلیم حاصل کی۔

موسےٰ نوجوان تھا اور نیک تھا۔ شعیب کو آنکھوں سے نظر نہ آتا تھا۔ اس کی بڑی بیٹی
صفورا موسےٰ سے محبت کرنے لگی۔ جب شعیب کو یہ حال معلوم ہُوا۔ اُس نے اِس شرط پر
کہ موسےٰ آٹھ سال تک اس کی بکریاں چرانے کا کام کریگا۔ اپنی لڑکی صفورا کی شادی موسےٰ کے
ساتھ کر دی۔ موسےٰ اور صفورا کے درمیان بڑی محبت تھی۔ دونوں ایک دوسرے کو دل سے
چاہتے تھے۔ اور بڑے پریم سے رہتے تھے۔ موسےٰ نے آٹھ سال اس گھر میں قیام کیا۔
اور برابر مذہبی تعلیم حاصل کرتا رہا۔ اس کے بعد بھی موسےٰ دو سال اور یہاں رہا۔ مگر یہ
وقت اُس نے بڑی بے چینی سے بسر کیا۔ گذشتہ مذہبی ریفارمروں کے حالات قربانی سُنکر
اُس کا خون جوش میں آتا تھا۔ وطن کی محبت اور بھائیوں کی ہمدردی اُس کے دل میں
ولولہ پیدا کرتی تھی کہ وہ مصر میں جا کر فرعون کو ظلم سے روکے۔ اسلئے اُس نے شعیب
سے کہا کہ اب میں یہاں سے جانا چاہتا ہوں۔ شعیب نے بہت چاہا کہ موسےٰ وہاں ہی
رہے۔ مگر اُس نے منظور نہ کیا۔ آخر انہیں شعیب نے بہت سامال اور دو بکریاں اُسے
دیں اور اپنی بیٹی کو ساتھ کر کے رُخصت کر دیا۔

یہاں سے چلکر موسےٰ نے مصر کا راستہ لیا۔ اور پانچ منزلیں بہ آسانی تمام طے کر لیں

چھٹے روز اُس کا گذر وادی سینا میں ہوا۔ جہاں شدّت کی سردی تھی۔ اور ہاتھ پاؤں
مارے ٹھنڈ کے سکڑے جاتے تھے۔ موسےٰ زیادہ نہ چل سکا۔ اُس نے یہاں ہی ڈیرہ
ڈال دیا۔ اور سردی سے بچنے کے لیئے آگ کی تلاش میں نکلا۔ یہودی بتاتے ہیں کہ جب
وہ آگ کی تلاش میں سرگردان تھا۔ اُسے کوہ طور پر آگ نظر آئی۔ اور وہ وہاں گیا۔ اُس
جگہ وُہ خدا سے ہمکلام ہُوا۔ اور اُسے رسالت کی مُہر عنائت ہوئی۔ ہم اِس قسم کی باتوں
پر بالکل اعتقاد نہیں رکھتے۔ ممکن ہے سردی کی تکلیف نے اُس کے دِل میں یہ خیال مضبوطی
کے ساتھ پیدا کر دیا ہو۔ کہ اسطرح بے سروسامانی سے مرنے کی نسبت تو فرعون کے ساتھ
لڑ کر مرنا اچھا ہے۔ اور وہ جوش میں آکر فرعون کو خدا پرستی کی تعلیم دینے کے لیئے چل نکلا
ہو۔ کچھ بھی ہو۔ موسےٰ بہت جلد مصر کی سرحد میں آگیا۔ یہاں جیسا کہ پہلے سے ہی انتظام
کیا ہُوا ہوتا ہے۔ اُس نے اپنے بھائی ہارون سے ملاقات کی۔ یہ شخص بڑا فصیح لکچرار تھا
اور چونکہ مُوسےٰ کی زبان میں لکنت تھی۔ اُس نے اپنے بھائی سے کہا کہ وہ اس کے ساتھ
مل کر مصر میں ایشور پرستی کی تعلیم دے۔ تاکہ بنی اسرائیل کو اُن کی موجودہ تکلیف
سے نجات دلائی جاسکے۔

ہارون نے اس کام کو اپنے ذمہ لیا۔ اور لوگوں میں موسےٰ کی نبوت کا پرچار کرنے
لگا۔ لوگ موسےٰ کی طرف جُھکنے لگے۔ اور اس کے پاس تعلیم حاصل کرنے کے لیئے جانے
لگے۔ موسےٰ کی تعلیم بڑی منصفانہ تھی۔ اور چونکہ وہ بنی اسرائیل کو فرعون اور اُس کے
ساتھیوں کے ظُلم سے بچانا چاہتا تھا۔ اس لیئے ایک بڑی تعداد اس کے ساتھ لڑنے
مرنے کو تیار ہوگئی۔ جب موسےٰ نے دیکھا کہ اب اُس کی جان کا خطرہ بہت کچھ کم ہوگیا
ہے۔ وُہ اپنے بھائی اور چند ساتھیوں کو لیکر فرعون کے دربار میں جا پہنچا۔ فرعون
نے اُسے پہچان لیا اور بولا کہ "اے موسےٰ! تو بڑا نمکحرام ہے۔ میں نے تجھے پرورش کیا
اور پالا۔ اب تو میری ہی مخالفت کرتا ہے۔ کیا تو بھول گیا کہ تو نے میرے ایک آدمی کا خون

کر کے بھاگا تھا۔ اور تو میرا معزور قیدی ہے" موسےٰ کو اپنی طاقت کا پورا خیال تھا۔ اُس نے کڑکتی ہوئی آواز سے کہا۔ "فرعون! تو اپنی زبان سے میری گستاخی نہ کر۔ میں تیرے لئے ایک نیک پیغام لیکر آیا ہوں۔ میں تجھے کفر کی غار سے نکالتا ہوں۔ اور خدا پرستی کی دعوت دیتا ہوں۔ میں خدا کا ایک بندہ ہوں۔ تو بھی اُسی خدا کا بندہ ہے۔ تو کفر کے ایک تاریک غار میں گر پڑا ہے۔ میں تجھے باہر نکالنے کے لئے آیا ہوں۔ تو خود ہی خدا بن گیا ہے۔ میں تجھے انسان بنانے آیا ہوں۔ میں کسی کا قیدی نہیں ہوں۔ ظالم کو اُس کے ظلم کی سزا دینا عین انصاف ہے۔ تو میری دعوت قبول کر اور خدائی کا دعوےٰ چھوڑ دے"

فرعون یہ باتیں سنکر ششدر رہ گیا۔ اُس نے اپنے آدمیوں اور جادوگروں کو حکم دیا کہ وہ موسےٰ کے ساتھ بحث کریں۔ کئی لوگ بحث کرنے کے لئے آگے بڑھے۔ مگر موسےٰ نے ان سب کو ہرا دیا۔ اور وہ خاموش ہو کر بیٹھ گئے۔ فرعون کو بڑا غصہ آیا۔ اور اُس نے چاہا کہ موسےٰ کو گرفتار کر لے۔ لیکن یہ سوچ کر کہ کہیں عام بلوہ نہ ہو جائے۔ وہ اپنے ارادے سے باز رہا۔

موسےٰ جب تک فرعون کے سامنے رہا۔ برابر اُس کی مذمت کرتا رہا۔ اور اُسے خدا پرست بننے کے لئے کہتا رہا۔ یہودی لوگ اِس موقعہ پر بہت سے ایسے معجزوں کا ذکر کرتے ہیں۔ جو موسےٰ نے فرعون کو دکھائے۔ لیکن ان کی صداقت پر یقین کرنا ایسا ہی مشکل ہے۔ جیسا کہ دن کو رات ماننا۔ فرعون نے جب دیکھا کہ موسےٰ اُس سے ذرا خوف نہیں کھاتا۔ وہ سخت ہونے لگا۔ مگر موسےٰ بھی سختی کے لئے تیار ہو کر آیا تھا۔ ایک دفعہ موسےٰ نے کہا۔ "ظالم فرعون! تیرا خاندان چار سو سالوں سے میرے بھائیوں کا خون پیتا آیا ہے۔ اگر میں نے تیرے ایک بھائی کا خون کر دیا تو کیا غضب کیا۔ دیکھ! میں تجھے دوزخ کی آگ سے بچنے کی دعوت دیتا ہوں۔ تو میرے بنی اسرائیل بھائیوں پر ظلم کرنا چھوڑ دے۔ اور انسانیت

سکھ دے۔ یہ سُنکر فرعون کے غصّہ کا پارہ چڑھ گیا۔ اور اُس نے موسےٰ کی گرفتاری
کا حکم دیا۔ مگر موسےٰ وہاں سے جان بچا کر بھاگ گیا۔ اور فرعون اُسے گرفتار نہ کر سکا۔
فرعون کے سپاہیوں اور موسےٰ کے شاگردوں میں اکثر لڑائیاں ہونے لگیں
موسےٰ بڑی حفاظت سے رہتا تھا۔ اور مصر میں برابر پرچار کرتا تھا۔ فرعون کے نوکر
اُسے گرفتار کرنے سے قاصر تھے۔ موسےٰ کی تعلیم سے متاثر ہو کر فرعون کی ملکہ آسیہ
بھی فرعون کو سمجھانے لگی کہ وہ کفر چھوڑ دے۔ اس پر اِس ظالم نے اپنی مظلوم ملکہ
کو بڑی بے رحمی سے قتل کرا دیا۔ جب موسےٰ نے سُنا کہ جس دیوی نے اس کی جان
بچائی اور پرورش کی تھی۔ وہ اُس کے لئے شہید ہو گئی۔ اُسے بڑا رنج ہوا۔ اور اُس
کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ فرعون کا موسےٰ پر تو کوئی قابو نہ چلتا تھا۔ مگر اُس
نے بنی اسرائیل کو ستانے میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی۔ اُس نے ان پر یہاں تک ظلم
کیا کہ وہ مُلک مصر کو ہمیشہ کے لئے چھوڑنے کو تیار ہو گئے۔ موسےٰ برابر ان کی
تسلّی کرتا رہا۔ اور خود بھی دُکھ اور تکالیف اُٹھاتا رہا۔ موسےٰ تمام مصر میں آگ
لگا رہا تھا۔ اُس کے مریدوں کی تعداد دن بدن بڑھتی جاتی تھی۔ مگر اُسے سر چھپانے
کو جگہ نہ ملتی تھی۔ اگر کوئی بزدل ڈرپوک شخص ہوتا تو وہ ایک دن بھی اپنے ارادہ
پر قائم نہ رہ سکتا۔ لیکن موسےٰ کے ارادہ میں سالوں کی مصیبت بھی کوئی فرق نہ
ڈال سکی۔ آخر جب موسےٰ نے دیکھا کہ وہ مصر میں آرام سے نہیں رہ سکتا۔ اُس
نے اپنے ساتھیوں کو کہا کہ اب ہمیشہ کے لئے مصر کو چھوڑ دینا چاہیئے۔ تاکہ
تکالیف سے آرام ملے۔ اُس کے ساتھی تو یہ چاہتے ہی تھے۔ سب رضامند ہو گئے
ان لوگوں کے پاس دولت وغیرہ کچھ نہ تھی۔ اُنھوں نے موسےٰ سے کہا کہ خالی
ہاتھ کہاں جاویں گے؟ موسےٰ نے کہا کہ ظالم قبطی سینکڑوں سالوں سے ہمارا
خون پیتے آئے ہیں۔ اُن سے مکر کرنا چاہیئے۔ چنانچہ اس نے کہا کہ اُن سے زیور

اور زیور قرض لینا چاہیئے۔ اور جب کافی روپیہ حاصل ہو جاوے تو اِس جگہ سے چل دینا چاہیئے۔ موسےٰ کے ساتھیوں نے اِس طرح ہی کیا۔ اُنھوں نے جسطرح بھی ہو سکا قبطیوں سے زر اور زیور حاصل کیا۔ بنی اسرائیل کی عورتوں نے قبطی عورتوں سے بہت سا مال و اسباب لے لیا۔ اور ایک روز مشورہ کر کے رات کے وقت اُنہوں نے موسےٰ کی سرکردگی میں سرزمین مصر سے کوُچ کر دیا۔

مُوسےٰ نے یہ اخلاق سے گرا ہؤا کام بڑی دلیری سے کیا۔ یہ اُس کے کیریکٹر کی ایسی کمزوری ہے۔ جس سے اُس کا بڑے سے بڑا مداح بھی انکار نہیں کر سکتا۔ جس وقت یہ لوگ دریائے نیل کے کنارے پہنچے۔ دریا موجیں مار رہا تھا۔ اس کے ساتھی بڑے حیران ہوئے۔ مگر موسےٰ نے اُن کو حوصلہ دیا اور کہا کہ فرعون کے ہاتھوں سے قتل ہونے کی بجائے دریائے نیل میں ڈوب مرنا اچھا ہے۔ اور اُن کو دریا سے پار لے گیا۔

جب فرعون کو معلوم ہؤا کہ موسےٰ اپنے ساتھیوں کو لیکر دریائے نیل سے پار ہو گیا ہے۔ تو اُس نے لشکر کی تیاری کا حکم دیا۔ اور چند گھنٹوں میں اُن کے نزدیک جا پہنچا۔ مُوسےٰ کے شاگردوں نے دیکھا۔ اور شور مچایا کہ فرعون اُن کے قتل کے لئے آ گیا ہے۔ صرف دریائے نیل ان دونوں کے درمیان حائل تھا۔ فرعون نے اپنی سپاہ کو حکم دیا کہ دریا سے پار اُتر کر مُوسےٰ کو گرفتار کرے۔ چنانچہ بہادر سپاہیوں نے دریا میں قدم رکھا۔ جب موسےٰ نے دیکھا کہ فرعون اُن کو دُکھ دینے کے خیال سے باز نہیں آتا تو اُس نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ فرعون کے لشکر پر تیر برساؤ۔ ہزاروں ہاتھ اُن پر تیر برسانے لگے۔ اور سب کا پانی کے درمیان ہی خاتمہ کر دیا گیا۔ ایک تیر فرعون کے بھی لگا۔ اور یہ ظالم وہاں ہی ڈھیر ہو گیا۔ فرعون کے بہت سے ساتھی یہ حال دیکھ کر بھاگ گئے۔ اور موسےٰ کے لوگوں نے خوب لوٹ مچائی۔ اُنہوں نے

مُردوں کی تلاشی لی۔ اور جو کچھ اُن کے پاس تھا۔ قابو کر لیا۔ فرعون کی سپاہ کچھ تو ماری
گئی۔ کچھ بھاگ کر مصر میں ہی چلی گئی۔

اِس کے بعد مُوسے نے اپنے شاگرد یوشع کو کئی ہزار سپاہیوں کے ساتھ مصر میں
روانہ کیا۔ اُس نے قبطیوں کی ایک سپاہ کو شکست دیکر مصر پر قبضہ کر لیا۔ اور پھر
تخت ایک قبطی شہزادہ کے حوالہ کر کے واپس آگیا۔ اِس طرح مصر میں بنی اسرائیل کو
جو تکالیف تھیں۔ اُن کا خاتمہ ہوا۔ اور مُوسے کی طاقت کا سکہ سب ماننے لگے۔
اب مُوسے نے اپنے ساتھیوں کی اخلاقی اور رُوحانی حالت سُدھارنے کیلئے کام کرنا شروع کیا
اُس نے محسوس کیا کہ اُس کے ساتھیوں میں کئی خرابیاں ایسی گھُس آئی ہیں جن
کا علاج آسانی سے نہ ہو گا۔ اور اُس نے فیصلہ کیا کہ وہ اُن کے لئے ایک نئی شریعت
بنا دے۔ چنانچہ وہ نئی شریعت بنانے کے لئے ایکانت سیون کرنے چلا گیا۔ اپنے
بعد اُس نے اپنے بھائی ہارون کو بنی اسرائیل کا رُوحانی لیڈر مقرر کیا۔ اور لوگوں کو
کہہ گیا کہ وہ کُفر اور شرارت سے کنارہ کریں۔ اُسے گئے بہت دن گذر گئے۔ یہ اپنی قوم
کے لئے قوانین بناتا رہا ممکن ہے۔ اُس نے اپنی شریعت بنانے سے پہلے مختلف
ممالک کی سیر بھی کی ہو۔ اور بہت کچھ فائدہ اٹھایا ہو۔ اس کے بعد اس کی قوم میں
مختلف لوگ اپنا اپنا حُکم چلانے لگے۔ ہارون بڑا نیک مزاج اور نرم دل تھا۔ لوگ
اُس کی پرواہ نہ کرتے تھے۔ اور جو کچھ وہ کہتا۔ اُس کے خلاف ہی اکثر کرتے تھے۔

اِن لوگوں میں ایک شخص سامری نامی تھا۔ یہ بڑا بُت پرست تھا۔ اِس نے بنی اسرائیل
کو اپنی طرف مائل کرنے کے لئے سونے چاندی کا ایک گائے کا بچھڑا بنایا۔ اور اُس
کی پرستش جاری کی۔ بہت سے لوگ اُس کے قابو میں آگئے۔ اور اُنھوں نے بھی
اِس بچھڑے کی پرستش شروع کر دی۔ ہارون نے بہت زور لگایا کہ اُس کے ساتھی
اِس کُفر میں نہ پڑیں۔ مگر اس کی کسی نے نہ سُنی۔ اتنے میں موسے توریت کی شریعت لیکر

آیا۔ جس وقت وہ اپنی قوم کے پاس پہنچا۔ اُس کے کانوں میں ڈھول کی صدا سنائی دی۔ وہ اور آگے بڑھا۔ اور دیکھا کہ اُس کے ساتھی جنہیں وہ ہارون کے حوالے کر گیا تھا۔ ایک گائے کے بچھڑے کی پرورش کر رہے ہیں۔ موسےٰ کو بڑا غصّہ آیا۔ اُس نے غصّہ کی حالت میں اپنے سر کے بال نوچ ڈالے اور زمین پر پاؤں مار کر کہا۔ "اِن بیوقوفوں کو کیا ہو گیا میں تو اِن کو خدا پرستی کی تعلیم دے کر گیا تھا۔ یہ کفر میں کیسے جا پڑے؟" غصّہ کی حالت میں اُس نے حکم دیا کہ ہارون کو اُس کے سامنے لایا جاوے۔

جس وقت ہارون اُس کے سامنے آیا۔ وہ بڈھا تھا۔ اُس نے جھک کر موسےٰ کو سلام کیا۔ مگر موسےٰ نے اُس کی داڑھی پکڑ کر کھینچی اور کہا "او کافر! کیا میں تجھے اس لئے اپنی اُمّت کا سردار کر گیا تھا کہ تو اِن کو کفر کی تعلیم دے؟ یہ تو نے کیا کیا؟" موسےٰ نے ہارون کے سر کے بال غصّہ میں اُکھاڑ دئے۔ ہارون نے بہت کہا۔ کہ اس میں میرا کچھ بھی قصور نہیں۔ کیونکہ میں ان لوگوں کو بہت سمجھاتا رہا کہ وہ کفر میں نہ پڑیں۔ مگر اِن لوگوں نے میری ایک نہ مانی اور یہ کفر کا کام کرنے لگے۔ مگر موسےٰ کا غصّہ کم نہ ہوا۔ اور ہارون پر سخت خفا ہوا۔ آخر ہارون نے بڑی عاجزی سے بھائی کے قدموں پہ گر کر کہا کہ "اے عزیز! تو میری داڑھی اور سر کے بال نوچ کر میری بے عزتی نہ کر۔ اور مجھے دکھ نہ دے۔ اِس میں میرا ذرا بھی قصور نہیں۔" موسےٰ نے پوچھا کہ پھر اِس گناہ کے لئے کون ذمّہ وار ہے؟ ہارون نے کہا: یہ سب شرارت سامری کی ہے۔ جس نے یہ بُت بنایا اور لوگوں سے اس کی پرستش کروائی۔

موسےٰ نے حکم دیا کہ فوراً سامری کو اس کے سامنے پیش کیا جاوے۔ جب سامری نے سُنا کہ موسےٰ اُسے بُلاتا ہے۔ وہ گھبرایا۔ چاہا کہ بھاگ جاوے۔ مگر لوگوں نے اسے پکڑ لیا اور موسےٰ کے سامنے لے گئے۔ جونہی موسےٰ کی نظر اس پر پڑی تو

غصّہ سے یہ حالت ہوئی کہ جھاگ مُنہہ سے جانے لگی۔ اُسے نزدیک بُلا کر کہا۔ "او کافر سامری! یہ تو نے کیا شرارت کی ہے۔ مَیں نے اِن لوگوں کو بُت پرستی سے روکا تھا۔ تُو نے میری غیر حاضری میں اِن کو پھر بُت پرست بنا دیا" موسےٰ کی آنکھوں سے مارے جوش کے انگارے نکل رہے تھے۔ سامری زمین پر گر پڑا۔ اور زمین چوم کر کہنے لگا "اُستاد! مجھ سے گناہ ہوگیا۔ تو معاف کر" موسےٰ نے اُسے صرف اتنا کہا۔ کہ اِس کفر کی سزا سوائے قتل کے اور کچھ نہیں ہے۔

اِس کے بعد اُن لوگوں کی باری آئی۔ جو اس سنہری بُت کی پُوجا کرتے رہے تھے۔ موسےٰ نے ان کی طرف مخاطب ہو کر کہا "کمینہ لوگو! مَیں نے تم کو بُت پرستی کرنے سے کتنا روکا تھا۔ تم پھر بُت پرستی کے ہی گڑھے میں گِر گئے" لوگ موسےٰ کی شکل دیکھ کر کانپتے تھے۔ اُنہوں نے رحم کے لئے درخواست کی۔ موسےٰ نے کہا۔ کہ میری شریعت میں معافی نہیں ہے۔ جو گناہ کرتا ہے۔ اُسے اُس کی سزا ضرور ملنی چاہیئے۔ اور جب لوگوں نے پُوچھا کہ اُن کے قصور کی سزا کیا ہے؟ تو اُس نے کڑک کر کہا کہ بُت پرستی کی سزا سوائے قتل کے اور کچھ نہیں۔ جو لوگ بُت پرستی کرتے رہے تھے۔ وہ بیہوش ہو گئے۔ جن لوگوں نے بُت پرستی نہیں کی تھی۔ وہ آگے آئے اور ہاتھ باندھ کر کہنے لگے "روحانی باپ! تُو اِن کا قصور معاف کر دے" موسےٰ نے ناراض ہو کر کہا۔ بیوقوفو! کہیں گناہ بھی معاف ہوتا ہے۔ میری طاقت سے یہ باہر ہے۔ تم لوگ ہی اپنی تلواروں سے ان کو قتل کروگے۔

موسےٰ کے اِس حکم سے اس کی شریعت کی سختی کا بخوبی پتہ لگتا ہے۔ اُس نے بزور لوگوں کو مجبور کیا کہ اپنے بُت پرست ساتھیوں کو جان سے ماریں۔ اور آخر ایسا ہی ہُوا۔ بُت پرستوں نے اپنی گردنیں شرمندگی کے ساتھ جُھکا دیں۔ اور جو لوگ اِس کُفر سے بچے رہے تھے۔ اُنہوں نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے اِن دوستوں کی گردنیں

کاٹ ڈالیں۔ یہ نظارہ بڑا دردناک تھا۔ مرد اور عورتیں زار زار روتے تھے۔ بچّوں کی گریہ وزاری سُنی نہ جاتی تھی۔ کئی ایسے باپ تھے۔ جن کو اپنے ہاتھ سے بُت پرست بیٹوں کا سرتن سے جُدا کرنا پڑا کئی ایسے بیٹے تھے۔ جنہوں نے باپ کی گردن پر تلوار رکھی۔ اور کئی عزیز بھائیوں نے بھائیوں کے سر اُڑا دیئے۔ جب بُت پرست لوگ قتل ہو چکے۔ موسےٰ نے اپنی گردن پرماتما کی بندگی میں جھکا دی۔ اور اُس کا شکریہ ادا کیا کہ اُس کے دل میں کُفر کے لئے ذرا بھی رغبت نہیں۔ بلکہ کمال نفرت ہے۔

مشہور دولتمند قارون کی نسبت مشہور ہے کہ وہ موسےٰ کا چچازاد بھائی تھا۔ یہ شخص بڑا کنجوس تھا۔ اور اس کے پاس دولت بےشمار تھی۔ جب وقت یہ بازار سے نکلا کرتا تھا۔ اس کے ہمراہ بڑی ٹھاٹھ ہوتی تھی۔ موسےٰ نے اسے کہا کہ موسےٰ خدا کا نبی ہے۔ اسے زکواۃ دینی چاہیئے۔ قارون نے موسےٰ کی یہ بات تخیل میں اُڑا دی۔ مگر موسےٰ بھی اپنی ضد کا بڑا پکا تھا۔ اُس نے قارون کو مجبور کیا کہ وہ زکواۃ ضرور دے۔ اس پر قارون ناراض ہو گیا۔ اور اُس نے دولت کا لالچ دیکر کئی بنی اسرائیل کو اپنی طرف کر لیا۔ اُس نے لوگوں کو بہکایا کہ اب موسےٰ کو دولت جمع کرنے کا سودا سمایا ہے۔ اور وہ زکواۃ کے بہانہ سے ہماری دولت لُوٹنی چاہتا ہے۔ کئی لوگ اس کے دام میں پھنس گئے۔ اور اسے سردار ماننے لگے۔ قارون نے مشورہ کیا۔ کہ کوئی ایسی تدبیر کرنی چاہیئے کہ موسےٰ بدنام ہو جاوے۔ اور اس کے تمام ساتھی اسے چھوڑ دیں۔

اس کے لئے اُس نے ایک آوارہ گرد عورت کو جو بڑی خوبصورت اور نوجوان تھی۔ یہ پٹی پڑھائی کہ وہ مجلس کے دن برسرِعام یہ کہے کہ موسےٰ نے اُس کے ساتھ زنا کیا ہے۔ اس عورت نے روپیہ کے لالچ سے اس بات کو منظور کر لیا۔ اور ایک دن جبکہ موسےٰ اپنے مریدوں اور شاگردوں کو اُپدیش دے رہا تھا۔ یہ عورت مجلس میں آئی

اور ایک طرف کھڑی ہو گئی۔ اُس نے موسےٰ کا کلام سُنا۔ اور دِل میں سوچنے لگی کہ
ایسے پاکباز شخص پر جھوٹا الزام لگانا بڑا شرمناک کام ہے۔ اور اس کے دِل میں اپنے
کئے پر بڑی پریشانی و پشیمانی کا بھاؤ پیدا ہُوا۔ آخر اُس نے فیصلہ کیا کہ قارون
نے اُسے اس شرارت کے لئے آمادہ کیا ہے۔ اُسے مغرور قارون کی ہی بدنامی کرنی
چاہیئے۔ چنانچہ ابھی موسےٰ نے اپنی تقریر ختم نہ کی تھی کہ یہ عورت آگے بڑھی۔ قارون
نے بڑے جوش سے اس کی طرف دیکھا۔ اور خوش ہُوا کہ اب موسےٰ پر وہ الزام لگنے
والا ہے جس کی سزا موسےٰ کی شریعت کے مطابق سوائے قتل کے اور کچھ نہیں۔

اس عورت نے باآوازِ بلند کہا کہ قارون نے جو موسےٰ کے ساتھ بڑی عداوت
رکھتا ہے۔ اور مارے حسد کے جلتا ہے۔ اُسے بہت سا زر دیکر اِس بات پر آمادہ
کیا تھا کہ وہ موسےٰ پر زنا کا الزام لگاوے۔ مگر موسےٰ کی تقریر سُن کر میں اپنے بد
ارادہ سے توبہ کرتی ہوں۔ اور آپ کو اطلاع دیتی ہوں کہ قارون بڑا شریر ہے۔"
یہودی لوگ کہتے ہیں کہ یہ عورت دراصل موسےٰ کے برخلاف کہنے لگی تھی۔ مگر خدا نے
اس کی زبان سے یہ الفاظ کہلا دئے۔ قارون نے جونہی یہ الفاظ سُنے۔ اُس کے
ہوش اُڑ گئے۔ تمام حاضرین اُسے شرمندہ کرنے لگے۔ موسےٰ بھی یہ سنکر منبر سے اُتر
آیا۔ اور بڑے جوش سے قارون کی طرف دیکھنے لگا۔

موسےٰ کو سخت غصّہ آیا۔ وہ چاہتا تھا کہ قارون کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے۔ غصّہ کی
حالت میں اُسے پرماتما کا خیال آیا۔ اور اُس نے بڑے عجز سے اپنا سر زمین پر رکھ دیا
اور اپنے ساتھیوں کو کہنے لگا کہ "قارون نے بڑا گناہ کیا ہے۔ اس نے ایک نبی
خدا کی مذمّت کی ہے۔ اور اس کے خلاف کمینہ منصوبہ باندھا ہے۔ اس کی سزا
سوائے قتل کے اور کچھ نہیں" لوگوں نے اسی وقت قارون کو معہ اُس کے
ساتھیوں کے قتل کر ڈالا۔

حضرت موسےٰ کی حکومت کا سِکّہ خوب بیٹھ چکا تھا۔ کئی بڑے بڑے کارنامے وہ لوگوں کو دکھا چکا تھا۔ اور لوگ اس کی عظمت کے قائل ہو چکے تھے۔ اب اُسے خیال ہُوا کہ بیت المقدس کو ظالموں اور کافروں سے خالی کرنا چاہیئے۔ چنانچہ اُس نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا۔ ان سب نے ہاں میں ہاں ملائی۔ اور موسےٰ ایک جرار لشکر لیکر بیت المقدس کی فتح کے لیئے روانہ ہُوا۔ عمالقہ کے علاقہ میں جا کر اس نے چند جاسوس سب سے پہلے بھیجے تاکہ وہ ضروری حالات سے آگاہی حاصل کر آویں۔ یہ لوگ بہت دِنوں تک جاسوسی کا کام کرتے رہے۔ آخر ان میں سے چند ایک پکڑے گئے۔ بادشاہ نے اِن کو سخت سزائیں دیں۔ اور آئندہ کے لیئے ہدائیت کی کہ وہ اِس طرف منہ نہ اُٹھاویں۔ اُنہوں نے آکر موسےٰ سے سب حال بیان کیا۔ موسےٰ کے ساتھی خوف کھانے لگے۔ کہ اب آگے چلیں یا واپس لوٹ جاویں۔ یوشع نے جس پر موسےٰ کو بڑا بھروسہ تھا اِس خبر کو عام ہونے سے روکا۔ اور لوگوں میں بیچینی نہ پیدا ہونے دی۔ مگر پھر بھی بہت سے لوگ آگے چلنے سے کانوں پر ہاتھ دھرنے لگے۔

ساتھیوں کی بزدلی دیکھ کر موسےٰ کو بڑا رنج ہُوا۔ اُس نے ہارون سے کہا۔ کہ جس طرح بھی ہو سکے۔ ان کو لڑائی کے لیئے آمادہ کرنا چاہیئے۔ کیونکہ فتح کی بڑی اُمید ہے ہارون نے کئی طرح سے اِن لوگوں کو سمجھایا کہ وہ وقت پر دھوکہ نہ دیں۔ فتح ضرور اُن کی ہوگی۔ مگر ڈرپوک لوگوں نے ایک نہ سُنی۔ آخر موسےٰ نے انہیں اپدیش کرنا شروع کیا۔ لیکن یہاں تو ایک انکار تھا۔ جب موسےٰ نے ان لوگوں پر بہت زور ڈالا۔ تو انہوں نے کہا:۔

"اے موسےٰ! ہم کو نہ تو روپیہ کا لالچ ہے نہ مُلک کا۔ ہم ان دونوں میں سے کوئی شے بھی نہیں چاہتے۔ تو جہاں جانا چاہے۔ جا۔ ہم تیرے ساتھ نہ جاوینگے۔ ہم مُفت میں اپنی جان گنوانا نہیں چاہتے۔ ہم تو اپنے گھر

جانے کو ترستے ہیں۔ تو ہمیں کہاں لے آیا"۔
موسےؑ کے دل پر اس سے بڑا صدمہ ہوا۔ اُس کا غضب بھڑکا۔ اور چاہا کہ سب کو ہلاک کردے۔ مگر اپنی طاقت کو کمزور پاکر خاموش ہورہا۔ آخر اُس نے کہا کہ وہ عمالقہ میں ضرور جاویگا۔ جو لوگ اُس کے ساتھ جانا چاہتے ہیں۔ ساتھ چلیں۔ اور جو واپس جانا چاہتے ہیں۔ وہ لوٹ جاویں۔ یہ کہہ کر موسےؑ چل کھڑا ہوا۔ اُس کی تقلید صرف یوشع۔ ہارون اور کامب نے کی۔ باقی تمام لوگ مصر کی طرف واپس لوٹ گئے۔ موسےؑ چند قدم آگے چلا۔ مگر اکیلا کیا کرتا۔ اسے اپنے ساتھیوں کی بیوفائی پر بڑا رنج آتا تھا۔ چند منزلیں طے کرنے کے بعد وہ پھر لوٹ آیا۔ اور اپنے ساتھیوں سے ملا اور کہنے لگا کہ "بیوقوفو! کیوں فتح سے مُنہہ موڑتے ہو۔ چلو اب بھی وقت ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ فتح ضرور ہماری ہی ہوگی۔ اور ہمیں کچھ بھی نقصان برداشت نہیں کرنا پڑیگا"۔ مگر اِن لوگوں نے ایک نہ مانی۔ اور موسےؑ کو بہت عرصہ تک ان کی منّت سماجت کرنی پڑی۔

موسےؑ اس وقت نہ آگے بڑھ سکتا تھا۔ اور نہ پیچھے لوٹ سکتا تھا۔ وہ ایک عجیب مخمصے میں پھنسا تھا۔ اور اُسے اس طرح رہتے ہوئے کئی سال گذر گئے۔ موسےؑ کو کئی دفعہ غصہ آتا تھا۔ مگر پھر غصّہ کو پی جاتا تھا۔ اور چُپ سادھ جاتا تھا۔ اُس نے بہت کوشش کی کہ بزدل ساتھی اُس کے ساتھ شام کے ملک میں چلیں۔ اور فتح سے ہاتھ رنگیں لیکن اُسے آخیر دم تک کامیابی نہ ہوئی۔ آخر ایک دفعہ اس کے ساتھی بڑے گھبرائے اور کہنے لگے کہ ہم تو جنگل میں رہتے رہتے تنگ آگئے ہیں۔ اب ہمارا دل گھر جانے کو چاہتا ہے۔ گھر کی نعمتیں ہمیں یاد آتی ہیں۔ اور بچّوں سے ملنے کو دل چاہتا ہے۔ موسےؑ نے آخری دفعہ پھر کوشش کی کہ بنی اسرائیل اس کے ہمراہ شام پر فوج کشی کریں۔ مگر اِس دفعہ بھی اُسے کامیابی نہ ہوئی۔ اِس سے اُس کا حوصلہ بالکل ٹوٹ گیا۔ اور اُس نے

اپنے ساتھیوں کی قسمت پر افسوس کرتے ہوئے آہ کا نعرہ مارا۔

اس وقت موسےٰ نے یوشع سے مشورہ کیا کہ ان جاہلوں کو یہاں ہی چھوڑ کر چلے جانا چاہیئے۔ تاکہ یہ اپنی موت آپ مریں۔ مگر یوشع نے کہا کہ یہ لوگ تو بیوقوفی کرتے ہیں۔ مگر موسےٰ کو ان پر رحم ہی کرنا چاہیئے۔ موسےٰ پھر خاموش ہو گیا۔ ان لوگوں میں سے اکثر سفر کی تکالیف سے ہلاک ہونے لگے۔ اور تھوڑے عرصہ میں تمام بوڑھے اور جوان موت کا شکار ہو گئے۔ موسےٰ کو اپنے ساتھیوں کی موت پر ذرا بھی رنج نہ ہوتا تھا۔ کیونکہ اُس کا دل ان کی بیوقوفیوں اور نالائقیوں سے جل کر سخت ہو گیا تھا۔ مگر پھر بھی اس کا حوصلہ دن بدن پست ہوتا جاتا تھا۔

ایک دن موسےٰ کو خیال پیدا ہوا کہ اب وقت رحلت نزدیک ہے۔ اُس نے حکم دیا کہ بنی اسرائیل میں سے جو اشخاص مصر چھوڑ کر اس کے ہمراہ آئے تھے۔ ان سب کی تلاش کی جاوے۔ مگر ان میں سے صرف دو اس وقت زندہ تھے۔ ایک تو یوشع موسےٰ کا سب سے عزیز شاگرد۔ دوسرا کالب۔ باقی سب ہلاک ہو گئے تھے۔ جب موسےٰ کو بتایا گیا کہ اُس کے پرانے ساتھیوں میں سے صرف دو باقی رہ گئے۔ تو اُس کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ اُس نے کہا کہ اچھا اُس کے ساتھیوں کی اولاد کو اُسکے سامنے لایا جاوے۔ جب چھوٹے چھوٹے بچے اس کے سامنے آئے تو موسےٰ نے بڑی محبت اور پریم سے ان کو اپنے پاس بٹھایا اور اُنہیں نیکی کی تعلیم دینے لگا۔ اُس نے اُنکو کہا

> "دُنیا میں برائی کرنے کے لئے بہت سے وقت آتے ہیں۔ مگر نیکی کیلئے کبھی کبھی موقعہ ملتا ہے۔ اس لئے برائی کے موقعوں کو چھوڑ کر ہمیشہ نیکی کرنے کے موقعہ کی تلاش کرنی چاہیئے۔ دُنیا میں لغزشیں بہت ہیں۔ جہاں تک ہو سکے۔ لغزشوں سے بچنا چاہیئے۔ دُنیا میں قدم قدم پر ٹھوکر لگتی ہے انسان کو چاہیئے کہ اپنا پاؤں دیکھ کر رکھے اور ٹھوکر کھانے سے بچے۔"

اس کے بعد اُس نے حکم دیا کہ توریت کے بہت سے نسخے لکھوائے جا دیں۔ ایک نسخہ اُس نے اپنی قلم سے نقل کیا۔ اور اپنے شاگردوں سے اس کی کئی نقلیں کروائیں۔ اُس نے توریت کے نسخوں کی نقل کے متعلق خاص اہتمام کیا۔ تاکہ اُن میں کوئی غلطی نہ رہ جائے۔ وہ ہر ایک نسخہ کو خود اپنی آنکھ سے دیکھ لیتا تھا۔ جب اُس کی حسب منشا توریت کے بہت سے نسخہ جات لکھے جا چکے۔ اور موسےٰ نے انہیں دیکھ کر اس جات کی تسلی کر لی کہ وہ بالکل درست ہیں اور اس کے نقل کردہ نسخہ کے عین مطابق ہیں تو اُس نے حکم دیا کہ تمام سامان ایک جگہ جمع کیا جاوے۔

یوشع اور کالب نے دوسرے لوگوں کی مدد سے تمام سامان کو ایک مقام پر جمع کیا۔ موسےٰ نے اس تمام سامان کو دیکھا اور حکم دیا کہ اسے مناسب طور پر بانٹ دیا جاوے۔ چنانچہ یہ اسباب بہت سے مستحق لوگوں میں بحصہ رسدی تقسیم کر دیا گیا۔ موسےٰ نے اُن لوگوں کو جنکو وہ قابل اور لائق سمجھتا تھا۔ اپنے پاس بلایا اور توریت کا ایک ایک نسخہ اُن کو دیکر ہدایت کی کہ :-

"یہ شریعت ہے۔ جس پر تم کو کاربند رہنا چاہیئے۔ اس میں جو ہدایات درج ہیں۔ وہ انسان کو نیکی اور شرافت کی طرف لے جانیوالی اور گناہ سے بچانیوالی ہیں۔ تم نے ان ہدایات پر کاربند رہنا۔ اور دوسرے لوگونکو بھی ان کے مطابق عمل کرنے کی ہدایت کرنا۔ اس سے نہ صرف تمہارا بھلا ہوگا۔ بلکہ دوسروں کو بھی فائدہ پہنچیگا۔"

لوگوں نے توریت کے نسخہ کو موسےٰ کے ہاتھ سے لیکر سر اور آنکھوں پر رکھا۔ اور اپنے اُستاد کو اس امر کا یقین دلایا کہ وہ ضرور توریت کی ہدایات کے مطابق اپنا جیون بسر کریں گے مگر ان لوگوں نے کتنے عرصہ تک اس عہد کو پورا کیا : اس کا حال زمانہ کو ہی معلوم ہے۔

توریت کے نسخوں اور اسباب کو تقسیم کرنے کے بعد مُوسے اکو یہ خیال پیدا ہُوا کہ وہ اپنی قوم کی سرداری کی باگ ڈور کس کے ہاتھ میں دے؟ اس مطلب کے لئے یوشع ہی سب سے بہتر تھا۔ اُس نے یوشع کو اپنے پاس بٹھایا اور سمجھایا کہ اب تم قوم کے لیڈر بنتے ہو۔ ان کی مناسب حفاظت اور پرورش تمہارا فرض ہے۔ ان میں کبھی خراب عادات کا پرچار نہ ہونے دینا۔ کیونکہ جب ان میں بُری عادتیں زیادہ بڑھ جاوینگی۔ ان کی تباہی ہو جاویگی۔ یوشع نے وعدہ کیا کہ وہ جب تک زندہ رہیگا۔ ان لوگوں میں توریت کے احکامات کی ہدائت کرتا رہیگا۔ اور ان لوگوں کو توریت کے ضروری احکام سے منحرف نہ ہونے دیگا۔ تب موسے نے یوشع کو آشیرباد دی اور اپنی جگہ اُسے بٹھایا۔

یوشع کو اپنی جگہ سپرد کرنے کے بعد مُوسے نے بنی اسرائیل کے مرد اور عورتوں کو اپنی طرف مخاطب کر کے کہا کہ اب وُہ اُن سے جُدا ہوتا ہے۔ اب اُن کو اس کی بجائے یوشع کو اپنا لیڈر یا رُوحانی پیشوا سمجھنا چاہیئے۔ اور تاکید کی کہ وہ یوشع کے احکام سے سرمُو تجاوز نہ کریں۔ اُس نے کہا۔

"اے میرے دوستو اور عزیزو! مَیں تم کو یوشع کے سُپرد کرتا ہوں۔ وہ اب تمہارا رُوحانی پیشوا ہے۔ جس طرح وہ تم کو کہے۔ اُسی طرح کرنا۔ تمہاری بھلائی اسی میں ہے۔ تمہارے آرام اور بہبودی کے لئے مَیں نے توریت کی شریعت اُسے دی ہے۔ وہ اس کے مطابق تم کو ہدائت کرتا رہیگا۔ جب تک تم ان ہدایات پر عمل کرتے رہو گے۔ آرام سے زندگی کے ایام بسر کرو گے۔ کوئی دُکھ تمہارے پاس تک نہ آویگا۔ اگر تم اس سے انحراف کرو گے۔ تو برائیوں اور خرابیوں کا شکار ہو کر تباہ و برباد ہو جاؤ گے۔"

موسے نے یہ الفاظ اس زور سے کہے کہ سب نے سُن لیئے۔ اس کے بعد وہ انتظار

کرتا رہا کہ لوگ اُسے یقین دلا دیں کہ وہ اُس کے احکام کی نافرمانی نہ کرینگے۔ جب لوگوں نے اُسے اِس امر کا یقین دلا دیا۔ تو اُس نے اپنا سر جھکا کر ایشور کا شکریہ کیا۔ اور آخری سانس کا انتظار کرنے لگا۔

چند منٹ بعد موسےٰ کی رُوح جسم عنصری سے پرواز کر گئی۔ اور موسےٰ کی وفات سے دُنیا کی ایک بڑی شخصیت کا خاتمہ ہو گیا۔ جس نے کبھی گناہ کو ٹالا نہیں کیا۔ موسےٰ نے اپنے بھائیوں کے لئے سخت تکالیف اُٹھائیں۔ مگر اُن کی بہتری اور بھلائی کے خیال سے کبھی مُنہ نہ موڑا۔ اُس کے ساتھیوں نے کئی بار اُسے مایوس کیا۔ مگر وہ ہر دفعہ اُن کو معاف کرتا رہا۔ لیکن اُس نے گناہ سے کبھی درگذر نہ کیا۔ خواہ اُس کا کوئی نزدیکی رشتہ دار ہو یا دوست۔ وہ ہر اُس شخص کو سخت سزا دیتا تھا جس سے کوئی گناہ ہُوا ہو۔ اور جب تک گنہگار کو سزا نہ مِل جاوے۔ اُس کے دِل کو تسلّی نہ ہوتی تھی۔

موسےٰ کی زندگی کا چراغ نوب کی سرزمین میں گُل ہُوا۔ جو کنعان سے بہُت تھوڑے فاصلہ پر ہے۔ جہاں کہ موسےٰ بنی اسرائیل کو لیکر جانا چاہتا تھا۔ اس وقت اس کی عُمر ۱۲۰ سال کی تھی۔ موسےٰ دُنیا کی ایک نہائت ہی طاقتور اور زبردست شخصیت تھی۔ اُس نے اپنی زندگی میں وہ کام کئے۔ جو معمولی انسانوں کی حالت میں مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہیں۔ مگر آہ! آج دُنیا کی اِس بڑی شخصیت کے بارہ میں لوگوں کو یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ وُہ کہاں ہو یا پڑا ہے یا اُس کی قبر کہاں ہے؟ اگرچہ مرنے کے وقت موسےٰ کی عُمر ۱۲۰ سال کی تھی۔ مگر اس کی تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس کی جسمانی صحت میں کچھ بھی فرق نہ آیا تھا۔ موسےٰ کی وفات کے بعد اُس کے ساتھی ایک ماہ تک اُس کی یاد میں روتے رہے۔ پھر یوشع کو اپنا استاد مانکر وہاں سے چلے آئے۔

موسےٰ کی شریعت کے چند اقوال حسب ذیل ہیں:۔

(۱) اگر کوئی یہودی عبرانی غلام مول لے۔ تو وہ چھ سال خدمت کرانے کے بعد ساتویں سال مُفت آزاد کر دیا جاوے (۲) اگر وہ غلام اکیلا آیا ہو تو اکیلا جاویگا۔ لیکن اگر وہ جورو سمیت آیا ہو تو اس کی جورو اُس کے ساتھ جاویگی (۳) اگر اس کے آقا نے اس کا بیاہ کیا ہو۔ اور اس کی جورو سے اولاد ہو تو یہ اولاد معہ جورو کے آقا کا مال ہوگی اور غلام اکیلا جاویگا (۴) اگر غلام اپنی جورو اور بچّوں کو چھوڑ کر جانا نہ چاہے۔ تو وہ قاضی کے سامنے جا کر ایسا کہے۔ اور اُس کا کان چھید دیا جاوے۔ پھر وہ ہمیشہ غلامی میں رہیگا (۵) اگر کوئی شخص اپنی لڑکی فروخت کرے۔ تاکہ وہ باندی بنے تو وہ غلاموں کی طرح چلی نہ جاویگی (۶) اگر وہ شخص جس نے اُسے اپنے ساتھ شادی کے لئے مول لیا۔ اُس سے ناراض ہو کر اُسے چھوڑنا چاہے۔ تو اس کا زر فدیہ ادا کرے (۷) یہ شخص اُس لڑکی کو کسی اجنبی شخص کے ہاتھ فروخت کرنیکا روادار نہیں ہے۔ کیونکہ اُس نے اس کے ساتھ دھوکہ کیا ہے (۸) اگر وہ شخص اپنے بیٹے کے ساتھ زر خرید لڑکی کی شادی کرے۔ تو اُس سے بیٹیوں کی مانند سلوک کرے (۹) اگر وہ اپنے لئے دوسری عورت لے۔ تو لازم ہے کہ اس کے کھانے پینے اور کپڑوں کا مناسب بندوبست کیا جاوے (۱۰) اگر وہ شخص یہ تینوں سلوک اُس کے ساتھ نہ کرے۔ پھر اُس کا حق ہے کہ وہ مُفت میں آزاد ہو جاوے اور جہاں چاہے رہے۔

(۱۱) جو شخص کسی دوسرے شخص کو مارے اور وہ مر جاوے تو ضروری ہے کہ اُسے قتل کیا جاوے (۱۲) جو شخص اپنے باپ یا اپنی ماں کو مارے۔ اُسے ہلاک کر دینا چاہیئے (۱۳) جو شخص کسی مرد یا عورت کو چرا دے۔ اور اُسے فروخت کرے۔ یا اُس کے پاس سے پکڑا جاویگا تو اُسے جان سے مار ڈالا جاویگا (۱۴) جو شخص اپنے باپ یا ماں پر لعنت کرے۔ وہ ہلاک کیا جاویگا (۱۵) اگر کوئی شخص اپنے

غلام یا نوکر کو لاٹھیاں مارے اور اس سے وہ مر جاوے تو آقا کو سزا دی جاوے۔ لیکن اگر غلام یا نوکر چند روز زندہ رہ کر مرے تو آقا سزا کا مستحق نہیں ہے۔ کیونکہ وہ اُس کا مال ہے (۱۶) اگر لوگ جھگڑا کریں۔ اور کسی حاملہ عورت کو ایسی تکلیف پہنچاویں جس سے اس کا حمل گر جاوے۔ تو اس عورت کا خاوند جو کچھ مقرر کرے وہ اُن کو دینا جاوے۔ اگر وہ عورت بھی جان سے ماری جاوے تو پھر جان کا بدلہ جان ہے (۱۷) اگر کوئی شخص اپنے نوکر یا غلام کی آنکھ پھوڑ دے یا دانت توڑ دے تو لازم ہے کہ وہ اُسے رہا کر دے (۱۸) اگر کسی کا بیل دوسرے بیل کو مارے اور وہ جان سے مر جاوے تو زندہ بیل کو فروخت کر کے جو قیمت وصول ہو وہ دونوں نصف نصف بانٹ لیں (۱۹) اگر کوئی شخص کنواں کھودے۔ اور اس کا منہ بند نہ کرے۔ اور کسی کا بیل یا گدھا اُس میں گر کر جاوے۔ تو کنوئیں کا مالک نقصان کا ذمہ وار ہے۔ مگر وہ جانور اُس کا مال ہوگا (۲۰) اگر کوئی شخص کنواری لڑکی کے ساتھ جو اس کی منگیتر نہیں ہے دم دے کر یا مکر و فریب سے مباشرت کرے تو ضروری ہے کہ اُسے مہر دے کر اُس کے ساتھ نکاح کرے۔ اگر لڑکی کا باپ اس امر پر رضامند نہ ہو۔ تو وہ شخص کنواریوں کے مہر کے مطابق اُسے زر نقد دے (۲۱) اگر کوئی شخص کسی چارپائے کے ساتھ مباشرت کرے تو وہ جان سے مار ڈالا جاوے (۲۲) جو شخص سوائے ایک خدا کے دوسرے معبودوں کی عبادت کرے تو اُسے قتل کر ڈالا جاوے۔

موسے کے دل میں اس بات کا بڑا خیال تھا کہ بنی اسرائیل کا کوئی بھی گھرانہ نرینہ اولاد کے نہ ہونے سے تباہ اور برباد نہ ہو جاوے۔ چنانچہ اُس نے اس مطلب کے لئے ایسے قوانین بنائے یا پہلے سے رائج قوانین کی تائید کی کہ جو بنی اسرائیل کے کسی بھی گھرانہ کا نام و نشان صفحہ ہستی سے مٹنے نہ دیں۔ اُس نے اپنے پیروؤں

کو اس امر کی اجازت نہیں بلکہ حکم دیا کہ اگر ایک شخص مرجاوے تو اس کا دوسرا بھائی اُس کی عورت سے اولاد پیدا کرے۔ اور پہلا بیٹا مرحوم شخص کی جائز اولاد سمجھا جاویگا اور اس کے ورثہ کا مالک ہوگا۔ چنانچہ موسےٰ کی استثنا کی کتاب میں یہ حکم درج ہے:۔

"اگر کئی بھائی ایک جا رہتے ہوں۔ اور ایک اُن میں سے بے اولاد مرجاوے تو اُس مرحوم کی جورو کا بیاہ کسی اجنبی سے نہ کیا جاوے۔ بلکہ اُس کے شوہر کا بھائی اُس سے خلوت کرے۔ اور اُسے اپنی جورو بنالے۔ اور بھاوج کا حق اُسسے ادا کرے۔ اور یوں ہوگا کہ اُس کا پلوٹھا لڑکا جو اُس سے پیدا ہو۔ وہ اُس کے مرحوم بھائی کے نام پر قائم ہوگا۔ تاکہ اس کا نام بنی اسرائیل میں سے مٹ نہ جاوے۔ اور اگر وہ مرد اپنے بھائی کی جورو لینا نہ چاہے تو اس کے مرحوم بھائی کی جورو دروازے پر بزرگوں کے پاس جاوے اور کہے کہ میرے شوہر کے بھائی نے بنی اسرائیل میں اپنے بھائی کا نام بحال رکھنے سے انکار کر دیا ہے اور بھاوج کا حق ادا کرنا قبول نہیں کیا۔ تب اُس کے شہر کے بزرگ اُس مرد کو طلب کریں اور اُس سے بات چیت کریں۔ اگر وہ اپنی بات پر قایم رہے۔ اور کہے کہ میں نہیں چاہتا کہ اسے لوں۔ تو اُس کے بھائی کی جورو بزرگوں کے سامنے اُس کے نزدیک آوے۔ اور اُس کے پاؤں سے جوتی نکالے اور اُس کے مُنہ پر تھوک دے اور جواب دیکر کہے کہ اس شخص کے ساتھ جو اپنے بھائی کا گھر نہ بناوے یہی سلوک کیا جاویگا۔ اور اسرائیل میں اُس کا یہ نام رکھا جاوے کہ یہ اُس کا گھر ہے۔ جس کا جوتہ نکالا گیا"۔

زرتشت

دُنیا کی تاریخ میں ایک وقت ایسا آ چکا ہے۔ جبکہ انسانوں کے سُدھار کا کام نہیں ہو سکتا ہو۔ بشرطیکہ کوئی شخص اپنے آپ کو خُدا کا فرستادہ نہ کہے۔ اور اپنے منجانب خُدا ہونے کا دعوےٰ بڑی شدومد کے ساتھ نہ کرے۔ دُنیا میں یہ خیال پہلے پہل کس طرح آیا اور لوگوں نے کس طرح اِس خیال کے آگے اپنے سروں کو جھکایا۔ یہ ایک ایسا سوال ہے۔ جس کا مناسب جواب سردست ہمارے پاس نہیں ہے۔ البتہ اس قدر ہم ضرور کہہ سکتے ہیں کہ پہلے اِس خیال نے ایشیا ہی میں جنم لیا اور یہاں ہی نشوونما پائی۔ جب ہم بھارت ورش کے مذہبی اتہاس پر نظر مارتے ہیں تو ہم کو اِس قسم کا لٹریچر بکثرت ملتا ہے کہ خاص خاص لوگوں کو دُوسروں نے منجانب خُدا تو ایک طرف خود خدا ہی بنا دیا ہو۔ مثلاً رامائن اور مہابھارت کی بڑی بڑی کُتب میں کہیں یہ پتہ نہیں چلتا کہ رام اور کرشن نے اپنے آپ کو ایشور کا اوتار کہا ہو۔ لیکن باوجود اس کے ہندوستان میں کروڑوں ہندو رام اور کرشن کو ایشور کا ساکشات اوتار مانتے ہیں۔ یعنی لوگوں نے اُن کے منجانب خدا تو ایک طرف خود خدا ہونے میں بھی شک نہیں کیا۔ اسی طرح پورانوں کی دیگر شخصیتوں کا ذکر ہے خواہ اُنہوں نے کبھی اپنے آپ کو ایک معمولی انسان سے بڑھ کر نہ کہا ہو۔ مگر دُوسروں نے اُن کو آسمان پر چڑھانے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا۔

ہندوستان کے اِس خیال کے مقابلہ میں عرب اور عرب کے اردگرد کے علاقوں میں ایشور کے اوتار کے خیال نے نہیں بلکہ خُدا کے رسُول کے خیال نے بڑا زور پکڑا۔ اور جس قدر اتہاس یا مذہبی حالات ہم کو اِس علاقہ کے معلوم ہوتے ہیں۔ سب میں یہی خیال نظر آتا ہے۔ ہندوستان میں تو یہ حالت تھی کہ ایک خاص شخص کو دُوسرے لوگ اوتار

وغیرہ کی پیروی دیتے تھے۔ لیکن عرب اور اُس کے ارد گرد کے علاقہ میں منجانب خُدا ہونے
کا دعوےٰ خود وہ اشخاص کیا کرتے تھے۔ جو کہ اپنے آپ کو بطور لیڈر کے پیش کرتے تھے
چنانچہ پُرانا عہد نامہ اُٹھا کر دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اگر موسےٰ آیا تو اُس نے
اپنے منجانب خُدا ہونے کا دعوےٰ خود کیا۔ اگر مسیح آیا تو اُس نے خود اپنی زبان سے
خُدا کا رسُول ہونے کا دم بھرا۔ اور اگر محمد آیا تو اُس نے بھی خود اِس فرض کو ادا کیا۔ یہی
حال اِس سلسلہ کے دُوسرے رسُولوں اور پیغمبروں کا تھا۔ اِن اصحاب کی سوانحعمری پر
نظر مارنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کو اِس بات کا وشواس ہوتا تھا کہ جب تک وہ اپنے
آپ کو منجانب خُدا نہیں کہیں گے۔ دُنیا کے لوگ اُن کے پیچھے نہیں چلینگے۔ محمد صاحب کے
وقت میں تو یہ خیال اتنا زور پکڑ چکا تھا کہ انہوں نے اپنے دعوے کو تلوار کے ساتھ
لوگوں کے سامنے پیش کیا۔ اور منکر کو سخت سے سخت اور بُرے سے بُرے الفاظ کے
ساتھ یاد کیا۔ لوگوں کے دماغ بھی کچھ ایسے خراب ہو گئے تھے کہ وہ صرف اُس شخص کی
بات کو مانتے تھے جو زیادہ زور کے ساتھ اپنے آپ کو فرستادہ خُدا کہے۔ چنانچہ یہ امر
واقعہ ہے کہ اِن لوگوں نے اکثر اپنی زبان سے وہ الفاظ کہنے سے بھی انکار نہیں کیا۔
جن کے وہ ہرگز اہل نہ تھے۔ مگر اُنہوں نے کہا۔ اور لوگوں نے اُسے وحی الٰہی کا
درجہ دے کر تسلیم کر لیا۔

جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں ہندوستان میں یہ پوزیشن نہ تھی۔ مگر اب دوسروں کی دیکھا دیکھی
ہندوستان میں بھی اِس قسم کے خیالات پائے جاتے ہیں۔ اور کئی لوگ اپنے آپکو فرستادہ
خُدا کی صُورت میں دُنیا کے سامنے پیش کرتے ہوئے پائے جاتے ہیں۔ یہ ایک حیرانی
کی بات ہے کہ ہندوستان جیسی آزاد خیال سرزمین میں اِس قسم کے ردّی اور واہیات خیال
نے کسطرح جڑ پکڑی۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ بھارت نواسیوں کا دماغ اب وہ دماغ
نہیں ہے۔ جو آج سے چند ہزار سال پہلے تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ خراب سے خراب

اور فضول سے فضول خیال کے آگے سر جھکا دیتے ہیں۔ خیال تو خیال جو سر پتھروں اور مُردہ چیزوں کے آگے جھکنے سے بھی نہ جھجکتا ہو۔ وہ اگر بعض چالاک لوگوں کے اس دعوے کو تسلیم کر لے کہ وہ فرستادہ خدا ہیں تو اس میں تعجب کی کونسی بات ہے؟

مہاتما زراشٹر یا زرتشت بھی ایسے ہی لوگوں میں سے ہیں۔ جن کو لوگوں کے سُدھار کا کام کرنے کے لئے اپنے آپ کو فرستادہ خدا کہنا پڑا۔ ورنہ اُسے اپنے مقصد میں ہرگز بھی کامیابی نہ ہوتی۔ اور شاید دُنیا کا کوئی آدمی اُس کی طرف ذرا بھی التفات نہ کرتا۔ زراشٹر کے لئے ہمارے دل میں بڑی عزّت ہے۔ اور ہم مانتے ہیں کہ اُس نے اپنے عہد میں لوگوں کے سُدھار کا بہت سا کام کیا۔ مگر اُس کی سوانح عمری جس قسم کی فضولیوں سے بھری پڑی ہے۔ وہ اگر بعد کی ملاوٹ نہیں تو اس سے مہاتما زراشٹر کے وقت کی نسبت یہ کہنا کہ وہ بہت ہی تاریک تھا۔ نامناسب نہ ہوگا۔ ہم سمجھتے تھے کہ گپیں فضولوں میں ہی بھری پڑی ہیں۔ دُنیا کی پاک مذہبی کتب ان سے خالی ہونگی۔ مگر دیگر مذہبی کتب کی طرح زراشٹر کی کتب میں بھی گپیں کا کوئی ٹھکانا نہیں ہے۔ زراشٹر کی عمر کا تو کوئی حصہ ہی ایسا نہیں ہے۔ جس میں گپ بازی سے کام نہ لیا گیا ہو۔ اور اگر یہ کہا جاوے۔ تو بالکل مناسب ہوگا کہ اس مہاتما کی پیدائش سے لیکر موت تک تمام تاریخ فضول وہم پرستی سے بھری پڑی ہے۔

مہاتما زراشٹر کو ایران کی تاریخ میں وہی درجہ حاصل ہے۔ جو ہندوستان کی تاریخ میں مہاتما بدھ کو ہے۔ جس طرح مہاتما بدھ کی پیدائش شاہی خاندان سے تھی۔ اسی طرح مہاتما زراشٹر بھی ایک معزز شاہی خاندان میں پیدا ہوا۔ اور جس طرح ہندوستان کے مہاتما بدھ نے سب گھر بار چھوڑ کر دوسروں کی رہنمائی کی۔ اسی طرح زراشٹر نے بھی سب کچھ تیاگ کر دوسروں کی بھلائی کا جیون بسر کیا۔ مہاتما بدھ اور زراشٹر کے جیون میں ایک جیسی باتیں بہت پائی جاتی ہیں۔ مثلاً اگر اوّل الذکر نے بڑے بڑے

ہندوستانی راجاؤں کو اپنا شاگرد بنایا۔ اُسی طرح موخر الذکر نے ایران کے بڑے بڑے بادشاہوں کو اپنا مرید بنا کر دم لیا۔ البتہ ان دونوں مہاتماؤں کی موت میں فرق ہے۔ کیونکہ جہاں مہاتما بدھ کو ایک شانتی کی موت ملی۔ وہاں زراشٹر اُس وقت جاں بحق ہؤا جبکہ اُسے مخالفوں نے محصور کر رکھا تھا اور بچنے کی کوئی اُمید باقی نہ رہی تھی۔ اس میں شک نہیں کہ زراشٹر ایک نیک مشن کو ہاتھ میں لیکر پرچار کے میدان میں نکلا تھا۔ اور اُس نے مردانہ وار اُن تمام تکالیف کا مقابلہ کیا جو اُس کے راستہ میں حائل کی گئیں۔ اور اُس نے ہمّت کو ہاتھ سے نہ دیا۔ یہاں تک کہ اس کی عزیز جان بھی اِس مشن کی نذر ہوگئی۔

زراشٹر کے عہد کے بارہ میں مورخوں کا بڑا اختلاف ہے۔ بعض اسے مسیح سے چھ ہزار سال پہلے بتاتے ہیں۔ لیکن بعض اُسے مسیح سے محض چھ سو سال پہلے قرار دیتے ہیں۔ اور یہی خیال زیادہ تر درست بھی معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ پارسیوں کی مشہور کتاب ارت دراف میں ایک حوالہ اس مطلب کا پایا جاتا ہے کہ زراشٹر مسیح سے چھ سو سال پہلے ہؤا۔ چنانچہ اِس کتاب میں لکھا ہے:۔

"نیک اور دیندار زراشٹر نے اپنے مذہب کو دُنیا کے حصوں میں پھیلایا۔ اور تین سو سال تک یہ مذہب بالکل پاک وصاف اور پوتر رہا۔ اِس کے ماننے والوں کے دل ہر قسم کے شک و شبہ سے خالی رہے۔ مگر تین سو سال بعد شیطان نے لوگوں کو بہکا کر اِس دین سے منحرف کرنا چاہا۔ چنانچہ اس مطلب کے لئے اُس نے سکندر رومی کو جو اُس وقت مصر میں تھا۔ اِس بات کے لئے تیار کیا کہ وہ فارس پر حملہ کرے۔ سکندر رومی نے فارس پر حملہ کیا۔ اور اِس دین کے نیکدل لوگوں کو تلوار کے گھاٹ اُتار کر اُن کے مندروں کو گرا دیا۔"

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ سکندر اعظم کے حملہ سے پہلے زراشٹر کا مذہب تین سو سال تک فارس میں اچھی طرح رائج رہا۔ اور سکندر ٹھیک مسیح سے تین سو

سال پہلے ہُوا ہے۔ لہٰذا اِس حساب سے یہ خیال کہ زُراشٹر مسیح سے چھ سو سال پہلے ہُوا۔ تقریباً دُرست ہے۔

زُراشٹر کی پیدائش کا فخر ایران کے مشہور شہر آذر بائیجان کو ہے۔ جو فارس کے علاقہ مدین کے مغرب کی طرف واقعہ ہے۔ اور ہزارہا سال سے شہرت کے آسمان پر چمکتا چلا آتا ہے۔ اِس مہاتما کے نام کے متعلق بھی لوگوں نے مختلف اور عجیب و غریب قیاسات سے کام لینے کی کوشش کی ہے۔ بعض نے اِس نام کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی ہے کہ چونکہ وُہ زرد کپڑے پہنتا تھا۔ اِس لئے اُسے زُراشٹر کہتے تھے۔ بعض کا خیال ہے کہ چونکہ اِس لفظ کے معنے اونٹوں سے پیار کرنے والے کے ہیں اور زُراشٹر اونٹوں سے پیار کرتا تھا۔ اِس لئے اس کا یہ نام مشہور ہو گیا۔ اور یہ بات کسی قدر درست بھی معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ آذر بائیجان کے علاقہ میں اونٹوں کو بہت قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اور جس شخص کے پاس زیادہ اونٹ ہوں۔ اُس کی بہت عزّت ہوتی ہے۔ مگر ایک تیسرا خیال اور ہمارے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ لفظ زُراشٹر دراصل سنسکرت کا لفظ ہے۔ اور چونکہ سنسکرت زبان میں بھی اس کے معنی اونٹوں کو پیار کرنے والے کے ہیں۔ اِس لئے اونٹوں کا بڑی تعداد میں مالک ہونے اور اُن سے پیار کرنے کی وجہ سے ہی یہ نام مشہور ہو گیا۔ ایک چوتھا نام بھی اِس مہاتما کا بتایا جاتا ہے۔ اور وہ شپتیامہ ہے۔ یہ نام پارسیوں کی اکثر کُتب میں پایا جاتا ہے۔ اور اِس لفظ کے معنے سفید مُنہ والے کے ہیں۔ یہ لفظ بھی عین قرین قیاس معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ زُراشٹر گورے رنگ کا تھا۔ جیسا کہ ایرانی ہوتے ہیں۔ کچھ بھی ہو۔ زُراشٹر کے مختلف نام ہیں۔ اور وہ نصف درجن کے قریب ناموں سے مشہور ہے۔

زُراشٹر کے پِتا کا نام پوروشسف تھا۔ اُس کے پانچ بیٹے تھے۔ جن کے نام یہ ہیں:۔ نیوتش۔ نتاریگہ۔ زُراشٹر۔ انگ اُشٹر اور ات اُشٹر۔ گویا زُراشٹر سب میں منجھلا تھا۔

اس کی ماتا راجہ مدین کی لڑکی تھی۔ اور قدرتی طور پر نہائت ہی نیک۔ شیریں کلام۔ زندہ دل اور پارسا واقع ہوئی تھی۔ اِس مہاتما کی پیدائش کے بارہ میں درجنوں جھوٹے قصے اور کہانیاں مشہور ہیں۔ کہیں لکھا ہے کہ زراشٹر کی پیدائش پر تمام دنیا کے چرندوں اور پرندوں نے مبارکبادی کے گیت گائے۔ اور جس گھر میں وہ پیدا ہوا تھا۔ اُس کے گرد اس قدر نورِ الٰہی چمکا کہ لوگوں کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ اور آہرمن یعنی شیطان مارے خوف کے تحت الثرےٰ میں جا چھپا۔ ایک جگہ لکھا ہے کہ جب وہ پیدا ہوا۔ تو اُس وقت اُس نے ایسے زور سے قہقہہ لگایا کہ تمام استری پُرش جو وہاں موجود تھے۔ حیران ہو گئے۔ ایک اور جگہ لکھا ہے کہ جمشید نے شیطانوں کو بتایا کہ تم کو تباہ و برباد کرنے والا پیدا ہونے کو ہے۔ بس پھر کیا تھا شیطانوں کا ٹڈی دل اس کی گھات میں رہنے لگا۔ مگر ان سب سے عجیب و غریب یہ روائت ہے کہ زراشٹر کی پیدائش سے پہلے یزدان یعنی پارسیوں کے خدا نے ایک بیل کو بولنے کی طاقت دی۔ اور اُس نے مردوں جیسی آواز میں لوگوں کو بتایا کہ ایک مہاتما پیدا ہونے والا ہے۔ جو دُنیا سے گناہوں اور ناپاکی کو دُور کریگا۔ اس کو سُنکر شیطانوں کو بہت فکر ہوئی۔ اور وہ اسے پیدا ہوتے ہی جان سے مار ڈالنے کی فکر کرنے لگے۔

زراشٹر کی پیدائش کی کہانی جس قدر عجیب ہے۔ اُسی قدر اُس کے بچپن کا قصہ دلچسپ ہے۔ لکھا ہے کہ جس طرح کرشن کے خون کا پیاسا کنس تھا۔ اور وہ چاہتا تھا کہ جس طرح بھی ہو۔ اُس کا خاتمہ کر دے۔ اِسی طرح ایران کا ایک راجہ دراسرو نامی زراشٹر کی جان کا دُشمن تھا۔ اُس نے بہت کوشش کی کہ اُسے جان سے مار ڈالے۔ مگر زراشٹر کے ماتا پتا نے اس کا ظالم قاتلانہ ہاتھ اپنے معصوم بچے کی گردن تک نہ پہنچنے دیا۔ بلکہ وہ اسے ایک پوشیدہ غار میں لے گئے۔ اور وہاں ہی خفیہ طور پر اس کی پرورش کی۔ یہ قصہ مسلمانوں کے رسول ابراہیم کے قصہ کے عین مشابہ ہے۔ کیونکہ بقول قرآن اُس کی

پرورش بھی اِسی طرح ہوئی تھی۔ چند سال اِسی طرح پرورش کرنے کے بعد اُسے آبادی میں لایا گیا۔ مگر یہاں اُسے کئی بار کرشن کی طرح آزمائش میں سے گذرنا پڑا۔ لکھا ہے کہ ایک بار اُسے بھیڑیئے کے سامنے ڈالا گیا۔ مگر بھیڑیئے نے اُسے نہ کھایا۔ ایک اور موقعہ پر لکھا ہے کہ اُسے زندہ آگ میں ڈال دیا گیا۔ لیکن آگ نے بھی اُسے نہ جلایا بلکہ وُہ صحیح سلامت رہا۔ اِن باتوں کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ باتیں دُوسروں کی دیکھا دیکھی عقیدت مند پارسیوں نے زراشٹر کے ساتھ منسوب کردی ہیں۔ ورنہ ان کی کوئی اصلیت نہیں ہے۔

زراشٹر بڑا ذہین۔ زُود فہم۔ علم دوست۔ محنتی۔ جفاکش اور بہادر تھا۔ مذہبی باتوں کے ساتھ بڑا پریم تھا۔ چونکہ اُس کے والدین اُس سے بہت پیار کرتے تھے۔ اس لیے اُنہوں نے اس کی تعلیم و تربیت کا خاص خیال رکھا اور ایک لائق اُستاد اس کے لیے مقرر کیا چنانچہ چند سال کی عمر میں ہی اس نے اِس قدر مذہبی تعلیم حاصل کرلی کہ بڑے بڑے مذہبی مجاور اور پنڈت اس کی باتیں سُنکر حیران رہ جاتے تھے۔ اس عرصہ میں زراشٹر نے مذہبی اُمور پر ایران کے مروّجہ مت کے پُوجاریوں سے بحث مباحثہ کی ٹھانی اور پے درپے اُن کو شکست دی۔ جس طرح سوامی شنکر آچاریہ نے ہندوستان میں چھوٹی سی عمر میں ہی دھاک باندھ دی تھی۔ اُسی طرح زراشٹر نے ایران میں مذہبی بحث مباحثہ کی بھٹی خُوب گرم کی۔ یہاں تک کہ لوگ اس کے ساتھ تاب مقابلہ نہ لاکر اس کے مخالف ہوگئے۔ اور یہ مخالفت دِن بدن زیادہ بڑھتی اور تیز ہوتی گئی جب اس کی عمر پندرہ سال کی ہوئی تو باپ نے اپنا مال و اسباب تمام بیٹوں میں برابر تقسیم کردینے کا فیصلہ کیا۔ اور بھائیوں نے تو اپنا حصہ برابر لیا۔ مگر زراشٹر نے اپنے باپ کی جائداد یا دولت کا کوئی حصہ نہ لیا۔ صرف ایک کمربند اُٹھا کر اُس نے اپنی کمر کے گرد باندھ لیا اور کہا کہ یہ ایک پرتگیا ہے جو میں اِس غرض سے کرتا ہوں کہ میں آئندہ تمام

عمر مذہبی پرچار میں صرف کرونگا۔

اس کے بعد زراشٹر نے اپنا گھر بار۔ ماتا پتا سب کو چھوڑ دیا۔ اور وہ فقیر ہوکر گھر سے سچائی کی تلاش میں اُٹھ کھڑا ہوا۔ زراشٹر کی یہ حالت رشی دیانند کی حالت کے عین مشابہ ہے جس طرح رشی دیانند سب گھر بار چھوڑ کر سچائی کی تلاش میں گھر سے نکلا تھا۔ اُسی طرح زراشٹر نے تمام مال و متاع پر لات مار کر جنگل کا راستہ لیا۔ اس کی عُمر کا یہ حصہ تکالیف اور مصائب کا ایک طویل قصّہ ہے۔ مگر اس نے بڑی سے بڑی مصیبت کے آنے پر بھی حوصلہ نہ ہارا۔ اُسے جب کبھی اور جہاں کہیں معلوم ہُوا کہ فلاں مقام پر وہ سچائی حاصل کر سکتا ہے۔ وہاں ہی وُہ گیا اور سچائی حاصل کرنے میں مصروف ہُوا۔ زراشٹر جہاں جاتا تھا۔ اور جن لوگوں سے ملتا تھا۔ اُس کا ایک ہی سوال ہوتا تھا۔ سچائی کا دلدادہ کون ہے اور وُہ کہاں ہے؟ اُسے کئی بار ٹھگوں سے واسطہ پڑا۔ کئی بار وہ شریروں کے پھندے میں پھنسا۔ لیکن آخر کار اُس کے دل کی مُراد بر آئی۔ اور جس طرح سوامی ورجانند کے ملنے پر سوامی دیانند کی خواہش پُوری ہو گئی تھی۔ اُسی طرح اُسے بتایا گیا کہ اگر تم سچائی کے دلدادہ شخص کے پاس جانا چاہتے ہو تو "تور" کے پاس جاؤ۔ جو اور دیتو کا چھوٹا بیٹا اور بڑا عالم۔ فاضل و راستی پسند ہے۔ زراشٹر فوراً اُس کی طرف روانہ ہُوا۔ اور راستہ میں کئی طرح کی مصائب کا مقابلہ کرتا ہُوا وہاں تک جا پہنچا اور مہاتما تور سے تعلیم پانے لگا۔ مہاتما تور نے اُس کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا۔ اور نیکی و راستی کی تعلیم دی۔

زراشٹر شروع سے ہی نیکدل پیدا ہُوا تھا۔ مرد تو مرد جانوروں تک کو مصیبت میں دیکھ کر اُس کا دل بھر آتا تھا۔ اور جب تک اُس مصیبت کو دُور نہ کر لیتا۔ اُسے چین نہ آتا تھا۔ اس کے متعلق کئی قصے مشہور ہیں۔ جو سب شکشا دائک ہیں۔ ایک دفعہ اُس نے دیکھا کہ ایک کُتیا جس کے تین چار بچّے بھی ہیں۔ بھُوک سے سخت بیاکل ہے۔

زراشٹر کو بڑا ترس آیا۔ اور وہ بھاگا بھاگا گیا۔ تاکہ اُس کے لئے خوراک لادے۔ لیکن اُسے سخت رنج ہُوا۔ جب اُس نے واپس آکر دیکھا کہ کتیا مر گئی ہے۔ اس رنج کو اُس نے کئی بار ظاہر کیا۔ مہاتما تور کے آشرم میں چند سال رہنے کے بعد وہ دُنیا سے بالکل تارک ہو گیا۔ اُس نے مردوں سے ملنا اور کھانا پینا سب کچھ چھوڑ دیا۔ زراشٹر کی یہ حالت مہاتما بُدھ کے عین مطابق ہے۔ کیونکہ اُس نے بھی اپنی زندگی کے کئی سال سخت جسمانی ریاضت میں بسر کئے تھے۔ اُس کا ڈیرہ ایک پہاڑ کی غار میں تھا۔ جہاں سے باہر وہ نہ جاتا تھا۔ اِس عرصہ میں اس کی خوراک تھوڑا سا پنیر اور خُشک پھل پھول تھے۔ یہاں پر کئی سال سخت ریاضت کے بعد اُس کے دِل میں اُمنگ پیدا ہوئی کہ اب دُنیا کا کلیان کرنا چاہیئے۔ اُس نے اِس غار کو چھوڑا اور دُنیا داروں کی ہدائت کا کام شروع کیا۔ اِس واقعہ کے متعلق پارسیوں کی کُتب میں بہت سے فرضی قصّے بھرے پڑے ہیں۔ جن کا بیان اِس جگہ غیر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے ہم سب کو چھوڑ کر صرف ایک کا ذکر کرنا چاہتے ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ مراقبہ کی حالت میں زراشٹر کو الہام ہُوا اور پرماتما نے کوہ سیلان پر اُسے درشن دئے۔ لکھا ہے کہ جب یہ ملاقات ہوئی تو پہاڑ جڑ تک ہِل گیا اور بہت دیر تک کانپتا رہا۔ وغیرہ وغیرہ۔

اِس موقعہ پر ایک بات اور قابلِ ذکر ہے۔ اور وہ زراشٹر کے معراج کے بارہ میں ہے۔ پارسی کُتب میں لکھا ہے کہ جب زراشٹر تیس سال کا ہو گیا۔ تو پرماتما نے اپنا فرشتہ بھومن اس کے پاس بھیج کر اُسے بُلایا۔ اور زراشٹر اُس کے ساتھ پرماتما کے حضور میں حاضر ہُوا۔ جس نے اُسے اپنے مذہب کے پرچار کا حُکم دیا۔ یہ معراج حضرت محمد کے معراج کی طرح سمجھنا چاہیئے۔ غالباً قرآن میں یہ کہانی پارسیوں کی کُتب سے ہی لے کر درج کی گئی ہے۔ کچھ بھی ہو۔ جس طرح قرآن کا قصّہ نہائت ہی دلچسپ ہے۔ اُسی طرح زراشٹر کے معراج کا قصّہ بھی بڑا دلچسپ مگر خلاف واقعہ ہے۔

ژراشٹر کی عمر ۳۰ اور ۳۵ سال کے درمیان تھی۔ جبکہ اُس نے اپنے مذہب کا پرچار
کرنا شروع کیا۔ اُس کی بڑی خواہش تھی کہ لوگ اُس کو فرستادہ خدا سمجھ کر اُس کی
باتوں کو سنیں اور اُن پر عمل کریں۔ چنانچہ سب سے پہلے اُس نے دو ناستک لوگوں کو
اپنی طرف مخاطب کر کے ایشور پرستی کی تعلیم دی۔ مگر اُنہوں نے نہ صرف ژراشٹر کی طرف
کوئی توجہ نہ دی۔ بلکہ وُہ تمخول اُڑانے سے بھی باز نہ آئے۔ اس کا مہاتما کے دل پر
بہت اثر ہوا۔ اور اُس نے آئندہ کسی ایرانی کے سامنے اپنے خیالات کو رکھنے کی جرأت
نہ کی۔ بلکہ وُہ توران کو بھاگ گیا۔ یہاں ژراشٹر سیدھا شاہ توران کے دربار میں پہنچا۔ اُس
نے اس کی باتوں کو بڑے غور سے سُنا۔ مگر اس کا مرید بننے سے صاف انکار کر دیا۔ ممکن ہے
اُس نے اس کی کچھ بے عزتی بھی کی ہو۔ کیونکہ اس کے بعد ژراشٹر کا حوصلہ بہت کچھ
پست ہو گیا تھا۔ کچھ عرصہ آرام کرنے کے بعد مہاتما زرتشت پھر میدان میں نکلا۔ اور
ویدوا ٹشٹ نامی ایک رئیس کے پاس گیا۔ وہاں اس نے بڑے زور سے اس شخص کو اپنی
تعلیم کی طرف ملتفت کرنا چاہا۔ مگر سوائے ناکامیابی کے اَور کچھ نصیب نہ ہوا۔ یہ شخص اس
کے ساتھ بہت بُری طرح پیش آیا۔ اور اگر ژراشٹر بھاگ کر جان نہ بچاتا تو شائد وُہ
اسے قید کر کے ہلاک کر ڈالتا۔ ویدوا ٹشٹ کی بدسلوکی کے بعد زرتشت کا حوصلہ بالکل
پست ہو گیا۔ مگر اُمید ابھی باقی تھی۔ اس لئے وُہ سیستان کی طرف چلا گیا۔ وہاں کے
بادشاہ پرشات نے اُسے کہا کہ اگر تو میرا علاج کر سکتا ہے تو کر۔ میں تجھے بہت انعام
واکرام دُوں گا۔ ژراشٹر نے کہا کہ اگر تو میرا مرید بننے کا وعدہ کرے تو میں علاج کر سکتا
ہوں۔ شاہ پرشات نے یہ سودا منظور نہ کیا۔ اور زرتشت اپنا سا مُنہ لیکر سیستان
سے واپس چلا آیا۔ اب مایوسی کی حد ہو چکی تھی۔ اُسے یقین ہو گیا کہ وہ دُنیا میں
کسی کو اپنا مرید نہیں بنا سکتا۔ اس سے اُس کے دل پر سخت صدمہ پہنچا۔ اور وُہ
پھر گوشہ نشین ہو گیا۔

پارسیوں کی کُتب میں لکھا ہے کہ اِس کی مایُوسی کو دُور کرنے کے لئے آہرمزد نے اُسے تازہ الہامات دئے۔ اِن الہامات کا قصہ بہت طویل ہے۔ اور جتنا طویل ہے اُتنا ہی مَن گھڑت بھی معلوم ہوتا ہے۔ خوش اعتقاد مریدوں نے یہاں پر چھ معراجوں کی کہانی گھڑی ہے۔ اور زراشٹر کے چھ آسمانی سفروں کا حال لکھا ہے۔ آخری سفر میں آہرمزد نے اِسے کتاب اوستھا دی۔ اور حوصلہ دیکر کہا۔ کہ جاؤ۔ اب تمہارے مذہب کا خُوب پرچار ہوگا۔ جب زرتشت یہ کتاب لیکر چلا تو شیطانوں نے اپنی پُوری طاقت سے اُس پر حملہ کیا۔ اگر اِس جگہ شیطانوں اور زراشٹر کے جنگوں کا ذکر کیا جاوے تو ایک دفتر چاہیئے۔ اور یہ کہانی الف لیلہ کے قصّوں کو بھی مات کر دے۔ قصّہ مختصر یہ کہ مہاتما نے پھر نئے جوش سے پرچار کا کام شروع کیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کی طرف سے بھی اِس کو اپنے ارادے سے باز رکھنے کے لئے بڑا لوبھ اور لالچ دیا گیا۔ لیکن اس مہان آتما نے ہرگز اپنے ارادے کو ترک نہ کیا بلکہ مردانہ وار کہا کہ خواہ میرا جسم ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جاوے۔ مگر میں اِس دین کو جو ایشور کی طرف سے ہے۔ ہرگز نہیں چھوڑونگا۔

دُوسری بار جوش کے ساتھ اپنے خیالات کا پرچار کرتے ہوئے زرتشت کو دو سال ہو گئے۔ مگر کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ اس نے اپنے خیالات ہزارہا مردوں کے سامنے پیش کئے مگر ایک بھی اس کا مرید نہ بنا۔ آخر دو سال کی سخت محنت کے بعد وہ ایک شخص کو اپنا مرید بنانے میں کامیاب ہُوا۔ یہ شخص اُس کا چچا زاد بھائی میتیو ماہ تھا۔ اِس سے زراشٹر کو بڑی خوشی حاصل ہوئی۔ کیونکہ جس شخص کو اس نے اپنا چیلہ بنایا تھا۔ وہ ایک بڑا بارسوخ امیر تھا۔ اور شاہی دربار تک میں اُس کی بڑی عزت تھی۔ میتو ماہ بڑا جوشیلا تھا۔ اور اُس کی موجودگی میں کوئی شخص زراشٹر کا مخول نہیں اُڑا سکتا تھا۔ اِس کے مرید بنتے ہی دُوسرے لوگوں نے بھی زرتشت کی تعلیم کے آگے سر جھکانا شروع

کیا۔ اور چند ماہ کے عرصہ میں ہی اس کے مریدوں کی تعداد ہزار ہا تک پہنچ گئی۔ یہاں تک
کہ اب اُس نے شاہ گشتاشپ کے دربار کی طرف رُخ کیا۔ اور اُسے اپنا شاگرد بنانا چاہا۔
ایران اور اس کے گرد و نواح میں زراشٹر کی بہت دھاک بیٹھ گئی تھی۔ اس کا کلام بڑا مدلل
اور پُر رعب ہوتا تھا۔ جب گشتاشپ کے درباریوں نے سُنا کہ زراشٹر ان کے بادشاہ کو
اپنا مرید بنانے کے لئے آتا ہے۔ تو وہ بہت گھبرائے اور اس کوشش میں مصروف ہوئے
کہ دونوں کی ملاقات نہ ہونے پاوے۔ اس کے لئے اُنہوں نے بہت مکر و فریب کئے
شاہ کو بہکایا۔ زراشٹر کو ڈرایا۔ مگر اُنہیں کامیابی نہ ہوئی۔ شاہ گشتاشپ کی ملاقات
کے بارہ میں بھی پارسی ایک عجیب اور خلاف از قیاس قصہ بیان کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں
کہ شاہ کے سرکش اور شرارتی درباریوں نے شاہ کے محل میں داخل ہونے کے تمام
زمینی راستے بند کر دئے۔ یہاں تک کہ زرتشت بادشاہ کے محل کی چھت پھاڑ کر اُس
کے سامنے پہنچا۔ مطلب یہ سمجھنا چاہیئے۔ کہ درباریوں نے راستہ میں بہت کچھ روڑے
اٹکائے۔ مگر مہاتما بادشاہ تک جا ہی پہنچا۔

شاہ نے زراشٹر کی باتوں کو توجہ اور غور کے ساتھ سُنا اور اپنے درباریوں کو اُس
کے ساتھ بحث کرنے کے لئے کہا۔ درباریوں میں بحث کی طاقت تو کہاں تھی۔ ہاں
اُنہوں نے اپنی فضول باتوں سے مہاتما کا حوصلہ پست کرنا چاہا۔ مگر اس میں انہیں
کامیابی نہ ہوئی۔ اور زرتشت نے اُن کو ہرا دیا۔ جب درباریوں اور گشتاشپ کے پنڈتوں
نے مباحثہ میں شکست فاش کھائی۔ تو مکر اور فریب کے ذریعہ زراشٹر کو پھانسنے
کی کوشش کی۔ چنانچہ اُنہوں نے بہت سے کتوں، بلیوں۔ چوہوں اور اُونٹوں کے
سر، ہڈیاں، ناک، کان وغیرہ پوشیدہ طور پر زرتشت کی جائے رہائش میں رکھ دئے
اور شاہ کو بہکایا کہ وہ جادوگر ہے۔ اور جادو کے ذریعہ لوگوں پر فتح پاتا ہے۔ پھر کیا تھا
تو اُسے قید کر لیا گیا۔ اور ایک تنگ و تاریک کوٹھڑی میں رکھا گیا۔ اِس کی رہائی

کے متعلق پھر پارسی مصنّف ایک فرضی قصّہ ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں۔ وہ بتاتے ہیں کہ اُس کے قید ہوتے ہی بادشاہ کا ایک گھوڑا جسے وُہ بہت ہی پیار سے رکھتا تھا۔ بیمار ہو گیا۔ اور اُس کی چاروں ٹانگیں سمٹ کر اس کے پیٹ میں لگ گئیں بادشاہ نے بہت علاج کیا۔ مگر کچھ آفاقہ نہ ہوا۔ بلکہ گھوڑا دِن بدن زیادہ بیمار ہوتا گیا۔ آخر بادشاہ کے دِل میں خیال آیا کہ یہ کہیں زراشٹر کی بددُعا کا نتیجہ نہ ہو۔ اُس نے فوراً اُسے جیل سے نکلوا کر اپنے سامنے بُلایا۔ اور اُسے گھوڑا اچھا کرنے کے لئے کہا۔ اُس نے جواب دیا کہ وُہ گھوڑے کو اچھا کر دیگا۔ بشرطیکہ بادشاہ اس کے ساتھ چار چیزوں کا وعدہ کرے۔ گشتاشپ نے اِسے منظور کر لیا اور زرتشت نے گھوڑے کو اچھا کر دیا۔ بادشاہ نے مندرجہ ذیل وعدے اُس کیساتھ کئے تھے (۱) بادشاہ اس کا مذہب اختیار کریگا (۲) اس کا بیٹا اسفندیار اِس مذہب کی اشاعت دُنیا کے دُوسرے حِصوں میں کریگا (۳) بادشاہ کی بیگم اِس مذہب میں شامل ہوگی۔ اور (۴) جن لوگوں نے اِس کے خلاف سازش کر کے اسے تکلیف پُہنچائی ہے۔ اُنہیں قتل کیا جاویگا۔ ہم اِس چوتھی شرط کے لئے مہاتما زراشٹر کی تعریف نہیں کر سکتے۔ یہ بدلہ لینے کی سپرٹ معمولی دُنیادار کی تو ہوتی ہے۔ لیکن مذہبی ریفارمر اِس سے پاک صاف ہونے چاہئیں۔ اگر زراشٹر اپنے مخالفوں کو معاف کر دیتا۔ تو اِس سے اُس کی شان زیادہ بلند ہو جاتی۔ اِس موقعہ پر ہم کو رِشی دیانند کا وہ واقعہ یاد آتا ہے۔ جبکہ اس کے قتل کرنے کی کوشش کرنے والے کو پا بجولاں اُس کے سامنے پیش کیا گیا۔ اور اُس نے یہ کہہ کر اُسے معاف کر دیا۔ کہ مَیں دُنیا کے لوگوں کو قید سے چھڑانے آیا ہوں : نہ کہ اُنہیں قید کرانے۔ کاش! زراشٹر نے بھی اس موقع پر ایسی ہی سپرٹ کا اظہار کیا ہوتا۔ تاکہ اس کی مذہبی عظمت کا سِکّہ اچھی طرح لوگوں کے دِلوں پر بیٹھتا۔

پارسی مصنّف ہم کو بتاتے ہیں کہ بادشاہ نے یزدانی مذہب کو قبول کر لیا۔ لیکن اُس کے

دِل کے شکوک دُور نہ ہوئے۔ اِس لِئے اُس نے زُراشٹر سے مزید سوالات کئے۔ یہاں پھر ایک فرضی قِصّہ بیان کیا جاتا ہے۔ جس سے مطلب صِرف زُراشٹر کی عزّت بڑھانا ہے۔ چنانچہ زرتشت نامہ میں لکھا ہے۔ کہ بادشاہ نے زُراشٹر سے کہا کہ جس طرح اُس سے چار چیزوں کا وعدہ کرایا گیا ہے۔ اُسی طرح اُسے بھی چار چیزیں دی جاویں۔ اوّل یہ کہ اُسے بہشت میں اُس کی جگہ دکھائی جاوے۔ دُوسرے اُس کا بدن ناقابلِ تسخیر ہو جاوے۔ تیسرے اُس کو کائنات کا پُورا پُورا علم ہو جاوے۔ چوتھے وُہ قیامت تک زندہ رہے۔ زُراشٹر نے قدرے تُرشرو ہو کر کہا کہ یہ چاروں چیزیں اکیلے بادشاہ کو نہیں دی جاسکتیں۔ بلکہ وُہ صِرف ایک اِنمیں سے اپنے لِئے مانگ سکتا ہے۔ باقی تین اس کے دُوسرے رشتہ داروں کو دی جاوینگی۔ بادشاہ نے یہ بات منظور کر لی۔ اور سب سے پہلے اپنے لِئے بہشت منظور کیا۔ زرتشت نامہ میں لکھا ہے کہ اُسی وقت آسمان سے فرشتوں کی گھوڑ دوڑ شروع ہو گئی۔ کِسی نے بادشاہ کو بہشت کی سَیر کرائی۔ کِسی نے اُس کے لڑکے کو آبِ حیات پلایا۔ کسی نے اُس کے وزیر جاماسپ کو ایک خوشبودار چیز سُونگھائی۔ جس سے وُہ تمام علوم ظاہر و باطنی کا عالم ہو گیا۔ اِس طرح اس دل خوشکُن قِصّہ کا خاتمہ ہُوا۔ بادشاہ کے ساتھ ہی اس کے درباریوں نے بھی زُراشٹر کے آگے سر جُھکایا۔ اور اُس کے مذہب میں داخل ہو گئے۔ اِس حالت کو دیکھ کر زُراشٹر کی طبیعت کو شانتی ملی۔ اور اُس کو اپنے مذہب کے دُنیا کے دُوسرے حِصّوں میں پھیلنے کا یقین ہونے لگا۔

جس طرح بُدھ مت کے پرچار کے لِئے شاہ بمبی سار کے اُس میں شامل ہونے سے راستہ صاف ہو گیا تھا۔ اسی طرح شاہ گشتاسپ کے مذہب یزدانی میں داخل ہونے سے ہی زُراشٹر اور اُس کے دین کی شہرت چاروں طرف پھیل گئی۔ اور اُس نے اُن اُن علاقوں میں اپنے مشنری روانہ کئے۔ جہاں پر کبھی خود اُسے بھی کامیابی نہ ہوئی تھی

چنانچہ توران اور سیستان کے بادشاہوں تک نے دینِ زرتشت کے آگے اپنا سر جھکایا۔ اور چند سال کے عرصہ میں اس مذہب کے پیروؤں کی تعداد لاکھوں تک پہنچ گئی۔ چونکہ شاہ اسفندیار وعدہ کر چکا تھا کہ وہ اس مذہب کی اشاعت میں زراشٹر کی مدد کریگا۔ اس لئے اُس نے اپنی تلوار کے قبضہ پر ہاتھ رکھا۔ اور جو لوگ محبّت اور پریم سے اس دین میں شامل نہ ہوئے۔ اُنہیں تلوار کے خوف سے شامل کیا گیا۔ دُور دُور سے لوگ زراشٹر کے ساتھ بحث مباحثہ کرنے کے لئے آنے لگے۔ مگر پارسی مورّخ بتاتے ہیں کہ جو شخص بحث کے لئے آتا تھا سو وہ خود اس کے مذہب میں شامل ہو جاتا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس موقعہ پر بھی من گھڑت قصّوں سے کام لینے کی کوشش کی گئی ہے۔ چنانچہ ہندوستان کے بھی دو تین عالم پنڈتوں کا زرتشت کے دربار میں آنے اور اُس کے مذہب میں شامل ہونے کا حال لکھا ہوا ملتا ہے۔ ان میں سے ایک کا نام شنکر آکاش یا شنکر آچاریہ ہے۔ اور دُوسرے کا نام ویاس بتایا جاتا ہے۔ بعض اشخاص اِن ناموں سے شنکر آچاریہ اور وید ویاس ہی مطلب لیتے ہیں۔ جن کے نام کی دھاک بھارت ورش میں مچی ہوئی ہے۔ مگر یہ محض خوش اعتقاد پارسی مورخوں کی ایک گپ معلوم ہوتی ہے۔ ہندوستان کی طرح ہی یونان کے بھی کئی وِدوانوں کی بابت بیان کیا جاتا ہے کہ وہ زراشٹر کے پاس آئے۔ اور بحث میں ہار کر اُسکے مذہب میں شامل ہو گئے۔ چنانچہ ایک بڑے یونانی فلاسفر کیا طوس کا اس طرح آکر زرتشتی مذہب میں شامل ہونا بڑے فخر سے بیان کیا جاتا ہے۔ اِس میں شک نہیں۔ کہ زراشٹر کے وقت میں یہ مذہب ایران سے نکل کر دُوسرے ممالک میں بھی پھیلا۔ مگر یہ بالکل غلط ہے کہ اس کو ہندوستان میں کوئی کامیابی حاصل ہوئی۔ اگر اس کے پرچارک یہاں آئے بھی ہوں۔ تو اُن کو ہرگز اس مذہب کی اشاعت میں کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ اب بھی یہ مذہب محض اُن لوگوں تک محدود ہے۔ جو کچھ صدیاں

ہوئیں۔ فارس سے نقل مکان کر کے یہاں آئے ہیں۔ اگر مسلمان حملہ آور ان لوگوں پر جبر
اور ظلم کر کے ان کو اپنے آبائی وطن سے نکلنے کے لئے مجبور نہ کرتے۔ تو شاید ہندوستان میں
اس مذہب کا نام بھی سننے میں نہ آتا۔ مگر اب بھی اسے بہت کم لوگ جانتے ہیں۔ اور بطور
ایک مذہب کے ہندوستان میں اسے کوئی خاص طاقت حاصل نہیں ہے۔ اس موقعہ پر
اگر یہ بات بھی بیان کر دی جاوے کہ اس مذہب نے ویدک دھرم سے بہت سی مدد لی ہے۔
تو کچھ تعجب نہ ہوگا۔ کیونکہ اس کی اکثر رسوم اور تعلیمات محض ویدک دھرم کی نقل ہیں۔
زراشٹر نے اپنے مذہب میں آگ میں خوشبودار چیزیں ڈال کر یگیہ کرنے پر بڑا زور دیا
ہے۔ اور اگرچہ اسے مرے کئی سو سال ہو چکے ہیں۔ مگر دیندار پارسی لوگ اب تک اس
کی ہدایات پر عمل کرتے ہوئے برابر یگیہ کرتے ہیں۔ بلکہ بعض بعض گھرانوں میں تو یگیہ
کی آگ کو بجھانا بالکل ممنوع ہے۔ اور اسے بہت برا سمجھا جاتا ہے۔ ایران میں
مسلمانوں کے حملہ سے پہلے وہاں پر بیشمار یگیہ کنڈ تھے۔ جہاں بلا ناغہ یگیہ ہوتا
تھا۔ اور ہون کی خوشبو دور دور تک لوگوں کے دماغوں کو معطر رکھتی تھی۔ لیکن
جونہی مسلمان حملہ آور ایران میں پہنچے۔ انہوں نے اس کی صفائی کر دی۔ اور
پارسی لوگوں کو آتش پرست وغیرہ کہہ کر خوب ستایا۔ اور جنہوں نے اسے ترک نہ کیا۔
وہ یا تو تلوار کے گھاٹ اتار دئے گئے یا ترک وطن کے لئے مجبور ہوئے۔

زراشٹر کو اس بات کا بہت فکر تھا کہ توران کا بادشاہ ارجاسپ ابھی تک
اس کے مذہب میں داخل نہ ہوا تھا۔ اس نے بہت کوشش کی کہ وہ اس کے
دین کو اختیار کرے۔ مگر جب کسی طرح کامیابی نہ ہوئی۔ تو اس نے ایران کے بادشاہ
کی معرفت بھی پیغام بھیجا۔ جسے شاہ توران نے اپنی ہتک سمجھا۔ اس کے جواب
میں اس نے نہ صرف اپنی طرف سے ہی انکار لکھا۔ بلکہ شاہ گشتاسپ کو بھی کہا کہ
وہ دین زردانی سے منحرف ہو جاوے۔ ممکن ہے۔ گشتاسپ ڈر جاتا اور بے دین ہو کر

زراتشٹر کی تعلیم کو چھوڑ دیتا۔ لیکن زراشٹر نے اپنی تمام عمر کی کمائی کو اس طرح برباد ہوتے دیکھنا گوارا نہ کیا۔ اُس نے بادشاہ کو کہا کہ یہ شیطان کی کارستانی ہے۔ اور اُسے تلوار ہاتھ میں لیکر دُشمن کا سر کچلنا چاہیئے۔ زرتشت نے بادشاہ کو یہاں تک اُبھارا کہ اُس نے ارجاسپ شاہ توران کے قاصدوں کے ہاتھ ہی پیغامِ جنگ بھیج دیا۔ اُنہوں نے جاکر شاہ توران کی خدمت میں اصل حالات کو رکھّا۔ اور جوش دلانے والی باتوں سے اُس کا چہرہ سُرخ بنادیا۔ ارجاسپ نے خود ایران پر حملہ کیا اُدھر سے گشتاسپ اپنی فوج لیکر نکلا۔ دونوں میں خُوب لڑائی ہوئی۔ طرفین کے سینکڑوں ہزاروں سپاہی کھیت رہے۔ ہزارہا استریاں بدہوا ہوگئیں۔ بیشمار بچّے یتیم بن گئے۔ لیکن ارجاسپ کو فتح نصیب نہ ہوئی۔ آخر اُس نے شکست کھائی اور پسپا ہوگیا۔ اب اگر گشتاسپ چاہتا تو اُسے ملیا میٹ کرسکتا تھا۔ مگر اُس نے تعاقب کرنے سے پرہیز کیا۔

شاہ توران کو ایک تو یہی بات کم تنگ کرنیوالی نہ تھی کہ زراشٹر کا مذہب دِن بدن پھیلتا جاتا تھا۔ دُوسرے اس شکست نے اُس کا آرام بالکل کافور کردیا۔ وہ چاہتا تھا کہ جس طرح بھی ہو۔ ایران پر حملہ کرکے نہ صرف گشتاسپ کو ہی راہ راست پر لاوے بلکہ زراشٹر کو بھی سزا دے۔ مگر ایسا کرنے کے لئے اُسے کوئی موقعہ نہیں ملتا تھا۔ اُس نے چند سال تک برابر صبر کیا۔ اور اپنی فوج کو بڑھایا۔ آخر اُسے معلوم ہوا کہ شاہ ایران اپنے دارالخلافہ سے باہر ہے۔ اِس موقعہ کو شاہ توران نے غنیمت جانا۔ اور جھٹ ایک کثیر فوج لیکر فارس پر چڑھ آیا۔ آتے ہی اُس نے بلخ کا محاصرہ کرلیا۔ اور چند روز کی لڑائی کے بعد شہر کو فتح کرلیا۔ شہر فتح کرتے ہی اُس نے لوگوں کے قتل عام کا حُکم دیدیا اور تمام آتشکدے اس مذہب کے لوگوں کے خُون سے سرد کئے۔ ارجاسپ کا غصّہ اِس قدر بڑھا ہُوا تھا کہ جو شخص اُس کے سامنے آتا تھا۔ اُسے ہی بیدریغ قتل

کرا دیا تھا۔ ثرِوانی مذہب کے بڑے بڑے پوجاری اور اُن کے بچّے بڑی بیرحمی سے قتل کئے گئے۔ یہاں تک کہ عورتوں پر بھی تلوار چلانے سے پرہیز نہ کیا گیا۔ اور ہزارہا عورتیں مُولی گاجر کی طرح کاٹ ڈالی گئیں۔

ثرداشٹر کی عمر اس وقت ۷۷ سال کی تھی۔ وہ بہت بوڑھا ہو گیا تھا۔ لڑائی کرنے کے وُہ ناقابل تھا۔ مگر پھر بھی اُس نے لوگوں کو حوصلہ ہارنے سے نہ روکا۔ اور دھرم کیلئے جان دینے پر آمادہ کیا۔ اُسے یہ کامل اُمید تھی کہ شاہ توران پہلے کیطرح شکست کھا کر پسپا ہو جاویگا۔ مگر جب سلطنت کا دارالخلافہ بلخ فتح ہو گیا۔ اور تورانی گھوڑوں کے ٹاپوں نے اس کے بازاروں کی مٹّی اُکھیڑ دی۔ اُس وقت اُسے پتہ لگا کہ اب سوائے موت کے اور کوئی چارہ نہیں ہے۔ وہ ایک مندر میں جا چھپا۔ مگر ارجاسپ کی فوج نے اُسے وہاں سے اس طرح ڈھونڈ نکالا۔ جس طرح شکاری کتّے خرگوش کو جھاڑی سے نکال لاتے ہیں۔ ثرداشٹر ایک قیدی کی طرح ارجاسپ کے سامنے پیش کیا گیا۔ ارجاسپ نے نظرِ حقارت سے اُس کی طرف دیکھا۔ اور اس کے قتل کا حکم دیا۔ حکم کے ساتھ ہی جلاّدوں نے اُس کا سر تن سے جدا کر دیا۔

ثرداشٹر نے اپنی زندگی میں کئی ایک نیک کام کئے۔ اُس نے لوگوں کو ناشکتا کی تعلیم سے بچایا اور پرماتما کی بھگتی میں لگایا۔ اُس نے مردوں کو ایک دوسرے سے محبّت کرنا سکھایا اور کئی سال تک اپنی تعلیم سے لوگوں کو فائدہ پہنچاتا رہا۔ اُس نے اپنی جس کتاب کو الہامی کتاب کی صورت میں لوگوں کے پیش کیا ہے۔ وہ کوئی ضخیم یا بڑی کتاب نہیں ہے۔ بلکہ مذہبی دُنیا میں وہ سب سے چھوٹی کتاب سمجھی جاوے تو مناسب ہے۔ اُس میں باتیں بھی سادھارن ہی پائی جاتی ہیں۔ لیکن پارسی لوگوں کے دل میں اُس کے لئے اس قدر عزّت اور شردھا ہے کہ لاکھوں پارسی آج بھی ہر روز اُس کا پاٹھ کرتے ہوئے پائے جاتے ہیں۔

دُنیا کا مشہور فلاسفر نیوٹن ہم جیسا ہی ایک انسان تھا۔ مگر اُس میں ایک واقعہ کو دیکھ کر غور و خوض کرنے کا جو قدرتی مادہ تھا۔ اُس نے اُسے عام لوگوں کی قطار سے اُٹھا کر بڑے بلند رُتبہ پر پہنچا دیا۔ دُنیا میں لاکھوں نر ناری روزمرّہ کئی کئی دفعہ اُوپر سے نیچے گرتی ہوئی چیزوں کو دیکھتے ہیں۔ مگر وہ کبھی کوئی نئی بات اس میں محسوس نہیں کرتے۔ لیکن نیوٹن کی دُوربین نگاہوں نے ایک ہی بار ایک درخت کا پھل زمین پر گرتے دیکھ کر نتیجہ نکالا کہ ضرور کوئی طاقت ہے جو فاصلہ سے ہر ایک چیز کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ اور سوچتے سوچتے اُسے کشش ثقل کا پتہ لگ گیا۔ جس کی بدولت آج دُنیا نئی نئی ایجادوں میں مصروف ہے۔ مہاتما بُدھ بھی ایسے ہی لوگوں میں سے تھا۔ جو ہر ایک بات کو دِل کی آنکھوں سے دیکھتے اور اُن کے نتائج پر غور کرتے ہیں۔ یہ دُرست ہے۔ کہ مہاتما بُدھ ایک راجہ کا کنور تھا۔ مگر کیا اس کی مانند اور بہت سے راج کنوار نہیں ہو گذرے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ آج باوجود ڈھائی ہزار سال کا طویل عرصہ گذر جانے کے مہاتما بُدھ کا نام تو کروڑوں لوگوں کی زبان پر ہے اور وہ اس کی بڑی عزت کرتے ہیں۔ لیکن دُوسرے راج پُتروں کا کوئی نام بھی نہیں لیتا۔ بُدھ میں کیا خصوصیت تھی۔ جس نے اُسے اِس بلند مرتبہ پر پہنچایا۔ جہاں کہ آج وہ ہم کو نظر آتا ہے۔ اور یہ خصوصیت اِس کے سوا اور کچھ نہ تھی کہ وہ دنیا میں واقعہ ہونے والی ہر ایک بات کو نظرِ غور سے دیکھتا تھا۔ اور اُس سے عملی سبق سیکھنے کی کوشش کرتا تھا۔

بُدھ کی پیدائش کو آج ڈھائی ہزار سال کے قریب عرصہ ہوتا ہے۔ اِس مہاتما

کا جنم ریاست کپل وستو کے راجہ کے ہاں ہُوا۔ یہ ریاست مُلک نیپال کی ترائی میں واقع ہے۔ اور یہاں کے راجہ کا نام شدھودھن تھا۔ اس راجہ کا تعلق اکشواکو نسل سے بتلایا جاتا ہے جس سے کہ راجہ رامچندر جی پیدا ہوئے تھے۔ راجہ کی دو رانیاں تھیں ایک کا نام مہامایا تھا اور دُوسری کو گوتمی کہتے تھے۔ بُدھ بڑھاپے کی حالت میں باپ کے گھر پیدا ہُوا تھا۔ اور ابھی چند ہی روز کا تھا کہ اس کی ماتا مہامایا کا انتقال ہوگیا۔ مرتے وقت اس دیوی نے گوتمی کو کہا کہ مَیں صرف بیٹے کو جنم دینے کیلئے تھی۔ اِس کی پرورش اور اِسے گود میں کھلانا میرے نصیبوں میں نہ تھا۔ مَیں اِس بچّہ کو تیری گود میں دیتی ہوں۔ تُو نے ہی اِسے پرورش کرنا اور باپ کی مانند بہادر منصف اور نیکدل بنانا۔ یہ الفاظ کہہ کر مہامایا نے آخری سانس لیا اور بُدھ کی پرورش گوتمی کے سُپرد ہوئی۔ گوتمی نے اِس یتیم بچّہ کو جس کی ماتا اِسے چند روز کا ہی چھوڑ کر اس دُنیا سے کُوچ کر گئی تھی۔ اِس طرح پرورش کیا۔ گویا کہ وہ اُس کے ہی پیٹ سے پیدا ہُوا ہے۔ اور اُسے تمام ضروری تعلیمات سے بھی بہرہ ور کیا۔

یہ قاعدہ ہے کہ جب کسی شخص کی عزّت دُنیا میں زیادہ ہوجاتی ہے۔ تو پھر اُس کے بچپن کے معمولی کارناموں کو بھی خُوب رنگ دیا جاتا ہے۔ یہ نظارہ ہم کو مہاتما بُدھ کے ہی جیون چرتر میں نظر نہیں آتا۔ بلکہ ہر ایک بڑے شخص کی زندگی میں دکھائی دیتا ہے۔ اور شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ مؤرخ لوگوں کو کسی شخص کا جیون چرتر نامکمّل معلوم ہوتا ہے۔ جب تک کہ اُس کے بچپن کے زمانہ کے ساتھ چند ایسے واقعات منسوب نہ ہوں۔ جو حیران کرنے والے ہوں۔ اگر بدقسمتی سے مورخّوں کو کسی شخص کی زندگی میں ایسے واقعات نہ ملیں تو وہ اپنی طرف سے بھی اس کمی کو پُورا کرنے کی کوشش سے باز نہیں رہتے۔ چنانچہ ہم ان رنگین مزاج مورخوں کو مہاتما بُدھ کے بچپن کے

حالات کو بیان کرتے ہوئے کئی ایسے واقعات بتاتے ہیں۔ جن کو نظر انداز کر
دینا ہی مناسب معلوم ہوتا ہے۔

سدھارتھ جو بدھ کا پہلا نام ہے۔ ابھی پانچ سال کا ہی تھا کہ اُسے باقاعدہ تربیت کیلئے
اُستاد کے حوالہ کیا گیا۔ اور اس نے تعلیم پانی شروع کی۔ سدھارتھ میں عام بچوں کی طرح کھیل
کود کی عادت بہت کم تھی۔ بلکہ وہ اپنا زیادہ وقت اکیلا بیٹھنے اور معمولی معمولی باتوں کے سوچنے
میں صرف کیا کرتا تھا۔ وہ جوں جوں بڑا ہوتا جاتا تھا۔ اُس کی یہ عادت بھی پختہ ہوتی جاتی
تھی۔ باپ کی طرف سے عیش کا تمام سامان موجود تھا۔ لیکن بدھ کی اِن چیزوں کی طرف
بہت کم رغبت تھی۔ راجہ شدھودھن کو فکر ہوا کہ اُس کا بیٹا فقیرانہ خیالات رکھتا ہے
وہ اپنے بعد اپنے جیسا ہی ایک بہادر راجہ چاہتا تھا۔ جو اُس کی سلطنت کا وارث ہو۔
اس لئے اُسے بڑا رنج ہوا۔ جب اُس نے دیکھا کہ بدھ کی طبیعت میں راج کاج کا اسقدر
خیال نہیں ہے۔ فکر کی حالت میں اُس نے سوچا کہ کیا کیا جاوے؟ اُس کے وزراء
نے مشورہ دیا کہ اگر بدھ کی شادی کر دی جاوے تو خوبصورت نازک بدن عورت اُس
کی توجہ کو اپنی طرف کھینچ لے گی۔ اور سدھارتھ دنیاوی کاموں کی طرف متوجہ ہو جاویگا
شدھودھن نے آس پاس کے راجاؤں کی طرف خطوط لکھے۔ اور اُسے معلوم ہوا کہ راجہ
ڈنڈپانی کی ایک نہایت ہی خوبصورت لڑکی قابل شادی ہے۔ اگر اس کی شادی سدھارتھ
سے کر دی جاوے تو کام بن جاویگا۔ راجہ شدھودھن نے راجہ ڈنڈپانی کو اپنے ارادہ سے
آگاہ کیا اور کہا کہ سدھارتھ کو اپنی دامادی میں قبول کرے۔ ڈنڈپانی نے کہلا بھیجا کہ اُس
نے یہ عہد کیا ہے کہ جو راج کنوار چستی۔ چالاکی۔ ہوشیاری اور بہادری میں اپنے ہمعصروں
پر فوقیت لے جاویگا۔ وہی اس کی لڑکی کے ساتھ شادی کرنے کا مستحق ہوگا۔

سدھارتھ کے کان میں بھی یہ آواز پہنچا دی گئی۔ اور اُس کے کشاتر دھرم نے اپیل کی کہ
وہ مقابلہ میں آگے بڑھے۔ بزدلوں کی طرح پیچھے نہ ہٹے۔ سدھارتھ کے دل میں یہ بات

کھب گئی۔ اُس نے سوچا کہ ماتھے پر کلنک کا ٹیکا لگوانا اچھا نہیں ہے۔ اس سے کشتار دھرم کی بدنامی ہوگی۔ راجہ کو بھی معلوم ہوا کہ اُس کی بات راج کنوار کے دِل پر اثر کر گئی ہے۔ اور اب وہ اپنے آپ کو دوسرے راج کنواروں کے مقابلہ میں پیچھے رکھنا نہیں چاہتا۔ راجہ کو اس خبر سے مسرت ہوئی۔ اور چند روز بعد اُس نے ریاست کپل وستو میں اپنے اردگرد کے تمام راج کنواروں کو جمع کیا۔ کہ وہ میدانِ مقابلہ میں اپنے اپنے جوہر بہادری دکھاویں۔ کئی ایک راجاؤں کے بہادر لڑکے اس مقابلہ کے میدان میں آئے۔ اور سب نے اپنے اپنے کرتب لوگوں کو دکھلائے۔ اِس بات کا فیصلہ کرنے کیلئے کہ کون سب میں ہوشیار اور بہادر ہے۔ ایک باقاعدہ کمیشن مقرر تھا۔ سدھارتھ نے بھی اپنی بہادری کے کرتب دکھلائے۔ اور سب سے گوئے سبقت لیگیا۔ سدھارتھ کی بہادری کا ڈنکہ چاردانگ عالم میں بجانے کے لئے یہ کام کیا گیا تھا۔ اور اس کا نتیجہ خاطر خواہ نکلا۔ اُس راج کنوار کی بہادری کا سکہ جو کہ بے فکری اور گوشہ نشینی کیلئے مشہور تھا۔ سب کے دِلوں پر بیٹھ گیا اور کمیشن کے ممبروں نے فیصلہ دیدیا کہ سدھارتھ اپنے ہمعصروں میں سب سے زیادہ دلیر، بہادر اور طاقتور ہے۔

راجہ شدھودھن نے کمیشن کا یہ فیصلہ راجہ دنڈپانی کے پاس بھیجا۔ اور درخواست کی کہ راج کنواری جسودا کی شادی اُس کے ساتھ کر دی جاوے۔ راجہ دنڈپانی کو اب اِس درخواست کے منظور کرنے میں کوئی انکار نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ سدھارتھ کو دِل سے چاہتا تھا جب اُسے معلوم ہو گیا کہ سدھارتھ نے میدانِ بہادری میں اپنے آپ کو جسودا کے ہاتھ کا مستحق ثابت کر دیا ہے۔ اُس نے اپنی بیٹی کی شادی کا فیصلہ اُس کے ساتھ کر دیا۔ اور چند روز بعد بڑی شان و شوکت کے ساتھ خوبصورتی کی پُتلی جسودا راج کنور سدھارتھ کے پہلو میں آبیٹھی۔ سدھارتھ خود بھی خوبصورت تھا۔ ایک خوبصورت دیوی کے ساتھ زندگی کا دَور شروع کرکے اُس کے دِل کی خوشی بڑھ گئی۔ راجہ شدھودھن کے محلوں میں جس وقت جسودا

نے قدم رکھا۔ اُس نے شکر کیا کہ اُس کے خاندان کی ترقی کے راستہ میں جو رکاوٹ تھی۔ وُہ دُور ہو گئی ہے۔ تمام ریاست کپل وستو میں خوشیاں منائی گئیں۔ جسودا اگر چاند کا ٹکڑا تھی۔ تو سدھارتھ سُورج سے کم نہ تھا۔ جس طرح سُورج تیج کا بھنڈار ہے۔ اور چاند سردی کا مخزن ہے۔ اسی طرح سدھارتھ طاقت کا نمونہ تھا۔ اور جسودا ملائمیت کا نمونہ تھی۔ شادی کے بعد سدھارتھ اپنی استری کے ساتھ پریم سے رہنے لگا۔ اِس سے راجہ شدھودھن کی خوشی اور بھی دوبالا ہوگئی۔ اور وہ سمجھنے لگا کہ مست ہاتھی کے پاؤں میں زنجیر ڈال دی گئی ہے۔ اب وُہ کہاں جا سکتا ہے؟

استری کی طاقت ایک بڑی طاقت ہے۔ اِس کے مقابلہ میں دُنیا کی شہزوری اور سینہ زوری نے آخر ہار مان لی ہے۔ جس دِل کو دُنیا کی دولت۔ دُنیا کی حکومت اور دُنیا کا رُعب نرم نہیں کر سکتا۔ وُہ دِل عورت کی ایک نگاہ سے جُھک جاتا ہے۔ عورت کی ایک نظر انسانی غرور کو خاک میں مِلا دیتی ہے۔ اور اُس کا ایک اشارہ انسانی دِل کو ٹکڑے کر ڈالتا ہے لنکا اِدِھیش راون اپنے تخت سلطنت پر بیٹھ کر کِس کی پرواہ کرتا تھا۔ اس کا دماغ مارے غرور کے آسمان سے بھی اُوپر رہتا تھا۔ مگر جس وقت خوبصورتی مجسّم سیتا کے سامنے جاتا ہے۔ اُس کی حالت بدل جاتی ہے۔ وہ دبدبہ سے نہیں بلکہ عاجزی سے عفّت کی مثال مہارانی سیتا سے بات کرتا ہے۔ بلکہ اپنا سر اس کے قدموں پر جُھکانے کو تیار رہتا ہے۔ وشوامتر بڑا مرتاض یوگی تھا۔ اُس کا تپ دُنیا میں مشہور ہے۔ مگر عورت کی نظر کا مقابلہ وہ بھی نہ کر سکا۔ عورت کے ایک ہی وار نے اُس کی ریاضت کا خاتمہ کر دیا۔ وُہ یوگ وغیرہ سب کچھ بھول گیا۔ بلکہ اُس کے دِل میں اگر کوئی خیال باقی رہا تو پیاری بیوی کا ہی تھا۔ سدھارتھ بھی اپنے آپ کو جسودا کی خوبصورتی کا شکار ہونے سے نہ بچا سکا۔ بلکہ جسودا نے اُس کے دِل کو بُری طرح قابو کر لیا۔

راجہ شدھودھن کے محل میں جسودا کے آنے سے بڑی خوشی تھی۔ یہ خوشی اور بھی بڑھ

جاتی تھی۔ جبکہ یہ خیال لوگوں کے دِلوں میں پیدا ہوتا تھا کہ جسودا کے پوتر رشتہ نے
راج کنور سدھارتھ کو فقیرانہ خیالات سے نکال لیا ہے۔ اور ایک اچھا دُنیادار بنا دیا ہے
کئی سال اِسی طرح امن و امان سے گذر گئے۔ سدھارتھ کے دِل میں کئی بار دُنیا کی بے ثباتی
کا خیال آتا۔ مگر جونہی اُس کی نظر جسودا کے چہرے پر پڑتی تھی۔ اُس کے دِل سے یہ خیال
دُور ہوجاتا تھا۔ اور وہ پھر تازہ دم ہو کر دُنیا کے کاموں میں مصروف ہوجاتا تھا۔ اور
وقت خوشی کے ساتھ بسر ہونا جاتا تھا۔

جس زمانہ میں بُدھ کا جنم ہُوا۔ اُس وقت ویدک مریادا بہت کچھ ڈھیلی ہو چکی تھی۔
دُنیا میں اتیاچار بڑھ رہا تھا۔ اور لوگ مختلف دیوی دیوتاؤں کے نام سے بیزبان جانداروں
کو طرح طرح کے عذاب دیکر جان سے ہلاک کرتے تھے۔ وام مارگ کا اس زمانہ میں بڑا
زور تھا۔ اور سدھارتھ کی آنکھوں کے سامنے کئی دفعہ ایسا نظارہ آتا تھا کہ اُسے دیکھ
کر اُسکا دِل بیٹھ جاتا تھا۔ بیزبان جانوروں کو قتل ہوتے دیکھ کر اُس کے دِل پر بڑا
صدمہ ہوتا تھا۔ مگر یہ خرابی اِس قدر عام ہو چکی تھی کہ سُدھارتھ کی کمزور آواز اس کا
کوئی انسداد نہ کر سکتی تھی۔ ایک دن جبکہ وہ سیر میں مشغول تھا۔ اُس کے سامنے ایک
زخمی پرند آپڑا جو چل نہیں سکتا تھا۔ سدھارتھ اُس کے پاس گیا اور اُسے پکڑ لیا۔
ہاتھ سے ٹٹولنے سے معلوم ہُوا کہ کسی نے اُس کے تیر مارا ہے۔ جس کے صدمہ سے خون
بکثرت جاری ہے۔ سدھارتھ نے تیر نکالا اور پرند کو دلاسہ دیا۔ غریب جانور نے جو
مصیبت اور دُکھ سے چلّا رہا تھا۔ اپنی زبان کھول دی۔ اور سدھارتھ نے دیکھا کہ اُس
کی آنکھیں شکریہ کے آنسو بہا رہی ہیں۔

چند منٹ ہی گذرے تھے کہ شکاری بھی اُس جگہ آپہنچا۔ اور سدھارتھ سے کہنے لگا
کہ یہ پرند میں نے مارا ہے۔ اور میرا ہی حق ہے۔ اس کے جواب میں سدھارتھ نے بزور
کہا کہ "دوست! میں نے اس پرند کو زمین پر سے پکڑا ہے۔ اس لئے یہ میرا حق ہے۔"

شکاری کو یہ سُنکر افسوس ہُوا۔ اور کہنے لگا۔ یہ بے انصافی مناسب نہیں ہے۔ سدہارتھ کا دل بے انصافی کا لفظ سُنکر چونک پڑا۔ اور اُس نے کہا۔ "مِتّر! سدہارتھ کسی کے ساتھ بے انصافی نہیں کرتا۔ یہ جانور میرا حق ہے۔ اگر تُو اِسے غلط سمجھتا ہے تو میرے ساتھ کسی مہاتما کے پاس چل۔ اور جو فیصلہ وُہ دے۔ اُسے ہم دونوں کو ماننا چاہیئے۔" اِس بات کو شکاری نے منظور کر لیا۔ اور وہ سدہارتھ کے ساتھ چل پڑا۔ کچھ فاصلہ پر انہیں ایک مہاتما مل گیا۔ اور انہوں نے اپنا مقدمہ اس کے پیش کر دیا۔ شکاری نے اپنا حق جتاتے ہوئے کہا کہ "مَیں نے اِس پرند کو تیر مارا۔ اور میرے تیر سے یہ زخمی ہو کر زمین پر گرا ہے۔ اِس لیئے یہ میرا حق ہے۔" سدہارتھ نے کہا کہ اس شخص نے اِس جاندار کو مارنے کے لیئے تیر چلایا اور اِسے زخمی کر دیا۔ مَیں نے اِسے دُکھ سے تڑپنے کی حالت میں رحم کھا کر پکڑا اور اِسے آرام دیا۔ اِس کا تیر نکالا اور اِسے ہوش میں لایا۔ چونکہ مَیں نے اس کی جان بچائی ہے۔ اِس لیئے مَیں سمجھتا ہوں کہ یہ میرا حق ہے۔" مہاتما نے دونوں کے بیانات سُننے اور چند منٹ سوچ کر حسب ذیل فیصلہ دیا:۔

"اگر زندگی کوئی چیز ہے۔ اور اس کی کچھ قیمت ہے۔ تو مَیں فیصلہ دیتا ہوں کہ ایک شخص جو زندگی کا خاتمہ کرنے والا ہے۔ اُس کی نسبت وہ شخص جو زندگی کی رکھشا کرتا ہے۔ اِس جانور کا زیادہ مستحق ہے۔ سدہارتھ نے اِس پرند کی جان بچائی ہے۔ لہٰذا وہ اس کا حقدار ہے۔ اور مَیں حکم دیتا ہوں کہ جانور اُس کے ہی پاس رہے۔"

سدہارتھ اِس فیصلہ سے بڑا خوش ہُوا۔ اور اُسے زندگی کی قدر اس وقت معلوم ہوئی۔ وہ خوشی خوشی پرند کو لیکر اپنے محلوں کو چلا گیا۔ اور بہت دیر تک اس کا علاج معالجہ کرتا رہا۔ جب اُس نے دیکھا کہ اب وہ بالکل تندرست ہو گیا ہے۔ تو اُس نے اپنے ہاتھ سے یہ کہتے ہوئے اُڑا دیا۔ "پیارے پرند! جب تک تم بیمار اور مدد کے متلاشی

تھے میں نے تمہاری خدمت کی۔ اب تم تندرست ہو۔ اور اپنی حفاظت آپ کر سکتے ہو۔ اب تمہاری آزادی میں مخل ہونا ظلم ہے۔ اِس لئے میں تم کو چھوڑتا ہوں۔ آزادی سے جہاں چاہو۔ جاؤ۔ کوئی تمہارا مزاحم نہیں ہے"۔

جب کوئی اچھا سادھو مہاتما کپل وستو میں آتا تھا۔ سدھارتھ اُس سے ملاقات اور بات چیت کرتا۔ مذہبی امور کو دریافت کر کے اُس کا دل بڑا خوش ہوتا تھا۔ اور اکثر اوقات جب اکیلا ہوتا تو سایہ دار درخت کے تلے بیٹھ کر رُوحانی باتوں پر وچار کیا کرتا تھا۔ ایک روز جبکہ وُہ ایسی ہی اوستھا میں بیٹھا تھا۔ ایک نوکر دوڑتا ہُوا اُس کے پاس آیا اور ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا "راج کنور! مبارک ہو۔ آپ کے گھر بالک پیدا ہُوا ہے"۔ اِس کے ساتھ ہی اس کے کانوں میں چاروں طرف سے شادیانے بجنے کی آوازیں آنے لگیں اور یہ شور بلند ہو گیا کہ راجہ شدھودھن کے پوترا پیدا ہُوا ہے۔ یہ خبر جس کے کانوں میں پڑتی تھی۔ اسے سنکر خوش ہو جاتا تھا۔ مگر سدھارتھ کے دِل پر اِس کا اُلٹا اثر ہُوا۔ وہ سوچنے لگا کہ "بیٹے کی پیدائش سے میری دُنیاوی زنجیروں میں ایک اور مضبوط کڑی کا اضافہ ہو گیا ہے۔ میں تو سوچ رہا تھا۔ کہ ایک دن دُنیا سے کنارہ کش ہو کر زندگی کی ماہئیت پر غور کرونگا۔ اور سوچونگا کہ یہ زندگی کیا چیز ہے؟ مگر دُنیاوی تعلقات کمزور ہونے کی بجائے اَور بھی مضبوط ہوتے جاتے ہیں"۔ سدھارتھ بہت دیر تک ایسے ہی خیالات میں مست رہا۔ اور آخر اُس نے فیصلہ کیا کہ "میں آج ہی تمام دنیاوی تعلقات و رشتہ داری کو توڑ دُونگا۔ اور شاہی محلات سے باہر چلا جاؤنگا"۔

یہ سوچ کر سدھارتھ اپنی جگہ سے اُٹھا۔ اور اپنے باپ شدھودھن کی خدمت میں پہنچا جو اُس وقت خوشی میں مست تھا۔ اُسے پوتے کی پیدائش کی بڑی خوشی تھی۔ اور وہ اس وقت پھولا نہ سماتا تھا۔ دربان نے کہا کہ راج کنور ملنے کو آیا ہے۔ باپ نے

حُکم دیا کہ آنے دو۔ اور چند منٹ میں باپ بیٹا ایک جگہ جمع ہو گئے۔ یہ ملاقات نہایت ہی رقّت آمیز تھی۔ سدھارتھ نے آتے ہی پرنام کر کے کہا۔

سدھارتھ:۔ پتاجی! میرا دل دُکھی سنسار کو دیکھ کر بڑا دُکھی ہوتا ہے۔ اور مَیں چاہتا ہُوں کہ اِن دُکھوں سے نہ صرف خود ہی نجات پاؤں۔ بلکہ دُوسروں کو بھی نجات کا راستہ دکھاؤں!

بیٹے کی یہ بات سُنکر شدھودھن کے ہوش اُڑ گئے۔ ہاتھ پاؤں پھُول گئے۔ اور حیرانی کی حالت میں اُس نے کہا۔

راجہ۔ بیٹا! یہ تم نے کیا کہا؟

سدھارتھ۔ مَیں چاہتا ہُوں کہ دُنیا سے کنارہ کروں اور دُنیا کے دُکھوں سے نکلوں۔

راجہ:۔ سدھارتھ! یہ تم کو کیا ہو گیا۔ باپ کے بڑھاپے پر رحم کرو۔ اور اپنے خیال سے درگذر کرو۔

سدھارتھ:۔ آپ جیسے اور بھی بہت سے بُوڑھے ہیں۔ مَیں اُن سب کی خدمت کرنی چاہتا ہُوں۔

راجہ:۔ تم مجھ اندھے کی آنکھ اور بُوڑھے کی لاٹھی ہو۔ تم بن میں کہیں کا نہ رہُونگا۔ رحم کرو اور اپنے خیال سے درگذر کرو۔

سدھارتھ:۔ مَیں اپنے ارادہ سے باز نہیں رہ سکتا۔ مَیں ضرور اپنے آپ کو دُنیا سے دُکھ دُور کرنے کے لئے جدوجہد میں ڈالونگا۔ آپ میرا حوصلہ کم نہ کریں۔ مَیں ایک نیک کام کے لئے قدم بڑھانے لگا ہُوں۔

راجہ۔ بیٹا! اگر تم کو مجھ بُوڑھے کا خیال نہیں آتا۔ تو اپنی غریب استری کا خیال کرو۔ وُہ تمہارے غم میں مرجاویگی۔ اس کی حالت پر ترس کرو۔ اور شاہی محلوں سے باہر قدم نہ رکھو۔

سدہارتھ :۔ استری کی محبت مجھے میرے ارادے سے نہیں روک سکتی۔

راجہ :۔ چھوٹے راج کنوار کا خیال کرو۔ جو ابھی دُنیا میں آیا ہے۔ اور جس نے دُنیا کا کچھ بھی نہیں دیکھا۔ تمہارا دِل کس طرح گوارا کرتا ہے کہ ایک دِن کے بچّے کو باپ کے سایہ بنا چھوڑ کر چلے جاؤ؟

سدہارتھ :۔ پتاجی! یہ راج کنور ہی میری نجات کا باعث ہے۔ اس کی پیدائش نے ہی میرے بھُولے ہوئے خیالات کو دوبارہ زندہ کیا ہے۔ آپ کے زیر سایہ اسے کسی بات کی تکلیف نہیں ہوگی۔ مجھے جانے دو۔

راجہ :۔ اے موت! تُو کیوں دیر کرتی ہے۔ آ اور جلد اِس بُوڑھے کا خاتمہ کر۔ جس کا نوجوان بیٹا اُسے عین بڑھاپے کی حالت میں زندہ درگور کر چھوڑے جاتا ہے۔ پیارے سدھارتھ! اپنے فیصلہ پر دوبارہ غور کرو۔ مجھ سے جسودا کی مصیبت نہ دیکھی جاویگی۔ اور اُس کی چیخیں جو وُہ تمہاری جُدائی میں ماریگی۔ میرا دل چھید دیں گی۔ رحم کرو۔ اور اپنا خیال ترک کر دو۔

یہ کہہ کر راجہ شدھودھن کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ اور سدہارتھ بھی رونے لگ گیا۔ تھوڑی دیر بعد جب ان کو ہوش آیا۔ تو سدہارتھ وہاں سے چلا آیا۔ اس نے چاہا کہ جا کر جسودا سے بھی اجازت مانگے۔ مگر پھر یہ خیال کر کے کہ وہ ایسی بڑی نازک حالت میں ہے۔ شائد اِس خبر سے اُسے سخت صدمہ پہنچے۔ جیسے ... نہ کر سکے۔ اپنے ارادہ سے باز رہا۔ اور چند روز یونہی گُذر گئے۔ راجہ شدھودھن نے اپنے وزیروں اور امیروں کو کہا کہ جس طرح بھی ہو سکے۔ وہ سدھارتھ کو فقیر بننے سے روکیں۔ ان سب نے مِل کر اور علیحدہ علیحدہ کوشش کی۔ مگر سدہارتھ نے کسی کی نہ سُنی اور برابر اپنے ارادہ پر مضبوطی سے قائم رہا۔

جب راجہ اور سرکاری نوکروں نے دیکھا کہ وہ اپنے خیالات سے باز نہیں آ...

اُنہوں نے اُس کی حفاظت کا بڑا انتظام کیا۔ محل کے اردگرد فوج کا پہرہ لگوادیا گیا۔ تاکہ جب
وقت راج کنور شاہی محلات کو چھوڑے۔ اُسی وقت راجہ کو اطلاع دی جاوے۔ جب
سدہارتھ نے یہ حال دیکھا۔ تو اپنے ارادہ میں ڈھیلا پڑ گیا۔ تاکہ اس کی حفاظت کے
لئے جو انتظام سوچا گیا ہے۔ وہ بھی ڈھیلا ہو جاوے۔ چنانچہ اُسے اس خیال میں پوری
کامیابی ہوئی۔ اور وہ رات آ پہنچی۔ جبکہ اُس نے اپنے شاہی محل کو بغیر کسی کی اطلاع کے
چھوڑنے کا مُصمم ارادہ کیا تھا۔ اپنے گھر کو چھوڑنے سے پہلے اُس نے چاہا کہ وُہ ایک بار
جسودا کو مِل آوے۔ اور نوزائیدہ بچّے کو پیار کر آوے اسلئے وُہ بے دھڑک جسودا
کے کمرے میں چلا گیا۔

جسودا اپنے پیارے لختِ جگر کو کلیجہ سے لگائے پڑی تھی۔ اور گہری نیند میں سو رہی
تھی۔ بچّہ بھی اپنی ماتا کے کلیجہ سے چمٹا ہُوا بیخوف سو رہا تھا۔ ”جسودا! کیا تجھے پتہ ہے۔
کہ تیرا پران پتی جسے تُو اپنے جسم اور جان سے بھی پیارا رکھتی ہے۔ آج تجھے چھوڑے
جاتا ہے“۔ سدہارتھ نے چاہا کہ چلتے چلتے اپنی دھرم پتنی سے کچھ بات چیت کرے اور
تسلّی دیتا جاوے۔ مگر پھر کسی ارادہ سے خاموش رہا۔ اور ٹکٹکی باندھ کر استری اور
بچّہ کی طرف دیکھتا رہا۔ بچّہ کی خوبصورت شکل کو دیکھ کر اُس کے دل میں خیال آتا تھا
کہ وہ ابھی اپنے ارادے کو ترک کردے۔ اور چند ماہ جب تک کہ بچّہ بڑا نہ ہو جاوے۔ اور
صبر کرے۔ مگر پھر اُس کے دل میں یہ خیال آتا تھا کہ خواہ مخواہ دیر کرنے سے کام بگڑ
جانے کا خوف ہے۔ ایسا نہ ہو کہ یہ وقت ہاتھ سے جاکر پھر موقعہ نہ ملے۔ اور اِن سے
بھی زیادہ مضبوط کوئی زنجیر میرے پاؤں جکڑ دے۔ سدہارتھ نے اپنا مُنہہ جُھکایا اور
چاہا کہ ننھے بچّہ کا ایک بوسہ لیلے۔ لیکن پھر اُسکے یا جسودا کے جاگ اُٹھنے کے خوف سے اُس
نے یہ ارادہ بھی ترک کردیا۔ سدہارتھ چند منٹ کیلئے سوچتا رہا کہ دُنیا کیسی دلفریب ہے
مگر اس کی دلفریبی میں پھنس نہ جانا چاہیئے۔ آخر سدہارتھ نے سوچا کہ اب یہاں

سے چلنا چاہیئے۔ قدم پیچھے اُٹھانے کے خیال سے اُس کا دل بھر آیا۔ پُرانی محبت نے
جوش مارا۔ اور سدھارتھ کی آنکھوں سے آنسوؤں کا تار جاری ہو گیا۔ "پیاری جسودا!
آج متر اپران پتی تجھ سے سدا کے لئے جُدا ہو رہا ہے۔ اور لوگ تو وقت کے بس ہو کر اپنی
دھرم پتنیوں کو چھوڑتے ہیں۔ مگر سدھارتھ آج زندہ رہتے ہوئے اپنی خوبصورت استری
کے لئے مرتا ہے۔ اور اُسے اکیلا چھوڑ رہا ہے۔ ایک دن تھا جبکہ وہ خوشی خوشی تجھے لایا
تھا۔ اور تیرے ساتھ آرام کی زندگی بسر کرتا تھا۔ مگر آج وہ تجھ کو چھوڑے جاتا ہے۔
وُہ جانتا ہے کہ اُس کی جُدائی تیرے لئے شاق ہوگی۔ اور تُو رو رو کر اپنی جان دیدیگی
مگر کیا کرے وُہ دُوسروں کی بھلائی کے لئے تجھے رُلاتا ہے۔ اور اپنا آرام بھی چھوڑتا
ہے"۔ سدھارتھ کے دل میں ایک خیال آتا تھا اور دُوسرا جاتا تھا۔ اُس کے قدم زمین کو
نہ چھوڑتے تھے۔ آنکھوں سے برابر آنسو جاری تھے۔ آخر بہت مشکل سے اُس نے رانی
اور کنور کو آخری نگاہ سے دیکھا۔ اور روتے ہوئے اپنا منہ پھیر کر قدم محل سے باہر نکالا۔
محل کے آدمی سو رہے تھے۔ راج کنور اپنے نکلنے کے لئے راہ تلاش کرنے لگا۔ اتفاق
سے ایک چوکیدار چھندک اُس وقت جاگ پڑا۔ اُس نے پاؤں کی آہٹ سُنی اور سدھارتھ
کے پاس آگیا۔ سدھارتھ نے اُسے بڑی عاجزی سے کہا کہ وہ خاموش رہے اور اُسکے
ہمراہ چل کر اُسے محل سے باہر چھوڑ آوے۔ چھندک نے چاہا کہ وہ دُوسرے لوگوں کو
اطلاع دیکر سدھارتھ کا راستہ روک دے۔ لیکن جب اُسے بھلائی اور نیکی کا واسطہ
دیا گیا۔ اُس کی آواز بند ہو گئی۔ اور اُس نے راج کنور کو محل کی چار دیواری سے باہر
نکلنے میں بڑی مدد دی۔ اور یہ دونوں محل سے باہر چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد سدھارتھ
نے وفادار چوکیدار کو گلے سے لگایا اور اُس سے رخصت ہو کر جنگل کی طرف چل دیا۔
تاکہ زندگی کے راز کو دریافت کرے۔ جب وہ کپل وستو کی حد سے باہر نکل رہا تھا۔
اُس نے دھیمی زبان سے کہا:۔

"کپل وستو! میں تجھ سے الگ ہو رہا ہوں۔ میں تجھے چھوڑ رہا ہوں۔ اور نہیں جانتا کہ میرے پاؤں پھر کبھی مجھے تجھ تک لاوینگے یا نہیں۔ میں تجھ میں واپس نہیں آؤنگا۔ اگر مجھے اپنے ارادے میں کامیابی نہ ہوئی۔ مجھ پر آج سے تمام عیش و عشرت حرام ہے۔ میں دُوسروں کا دُکھ دُور کرونگا اور اپنی عاقبت سدھارونگا۔ میں اس آخری وقت میں تیری آشیرواد چاہتا ہوں۔"

بدھ! استقلال کا پُتلا بدھ! قدم بڑھائے چلا گیا۔ جس وقت دن کی روشنی نظر آنے لگی۔ اُس نے دیکھا کہ اُس کے بدن پر قیمتی لباس ہے جو اُس کی شناخت میں بڑا کام دیگا اُس نے چاہا کہ اِس شناخت کو جو بہت کچھ تکبّر کا بھی باعث ہے تلانجلی دے۔ اس کے لئے اُسے زیادہ فکر نہ کرنا پڑا۔ کیونکہ نزدیک ہی ایک غریب شخص پھٹے پُرانے کپڑے پہنے جا رہا تھا۔ بدھ نے اپنے کپڑے اُس کے ساتھ بدل لئے اور پھٹے ہوئے کپڑے پہن کر اپنے سفر پر چل دیا۔ اس وقت سدھارتھ کی عمر صرف ۲۹ سال کی تھی۔

دن چڑھتے ہی راجہ کپل وستو کے محلوں میں شور مچ گیا۔ راجہ شدھودھن یہ سوچ کر کہ سدھارتھ اُسے چھوڑ کر چلا گیا ہے۔ پاگل بن گیا۔ سدھارتھ کی ماتا گوتمی چیخ مار کر گر پڑی اور بیہوش ہو گئی۔ تمام محل میں رونے پیٹنے کی آوازیں آنے لگیں۔ جس وقت یہ خبر جسودا کے کان میں پہنچی وہ زچہ خانہ میں تھی۔ ننھّی سی جان جو سدھارتھ کی آخری نشانی تھی۔ اُس کی گود میں تھی۔ جسودا کے دل پر سدھارتھ کے چلے جانے کی خبر نے بجلی گرا دی۔ اور لوگ رو کر اور چلاّ کر اپنا رنج دُوسروں پر ظاہر کر رہے تھے۔ مگر جسودا کی زبان مارے شرم کے بند تھی۔ اُس نے چھندک کو اپنے پاس بُلایا اور پُوچھا۔ کہ چھندک! کیوں تُو نے جب تُو جانتا تھا کہ راج کنور بھاگنے لگا ہے۔ دُوسروں کو خبر نہ کی۔ چھندک کی آنکھوں میں بھی جسودا کی غمناک صورت دیکھ کر آنسو بھر آئے۔ اور اُس نے روتے ہوئے سارا احال کہہ دیا کہ سدھارتھ کے نیکی

اور بھلائی کا واسطہ دینے نے اُس کی زبان کو سی دیا اور وہ ایک حرف بھی نہ بول سکا۔
چھِنک کے جواب سے جسودا کی تسلّی ہوگئی۔ مگر اُس نے اُسی وقت ایک تیز تلوار لی۔ اور یہ کہہ کر "جب پریتم ہی نہیں رہا۔ تو یہ گیسو جو اُس کے لیئے ہی تھے۔ کس کام آوینگے؟" اپنے لمبے لمبے بال کاٹ کر فرش پر ڈال دیئے۔ اُس نے اپنا شاہی لباس اُتار دیا اور معمولی کپڑے پہن لیئے۔ تمام زیور اُتار دیا اور سادہ زندگی بسر کرنی شروع کی۔ بناؤ سنگار کا تو نام ہی کیا ہے۔ اُس نے پلنگوں اور سنگھاسنوں پر سونے کی بجائے زمین پر بستر لگا دیا۔ اور فقیروں کی طرح رہنے لگی۔ جب راجہ دنڈپانی نے سُنا کہ اُس کی بیٹی اپنے پتی کی جُدائی سے بیتاب ہے۔ وہ اس کی تسلّی کرنے کے لیئے آیا۔ اور اس کی حالت دیکھ کر ضبط نہ کر سکا۔ اُس نے کہا۔ "بیٹی! بہتر ہے۔ تو میرے ساتھ چل۔ اور میرے گھر میں آرام سے رہ۔ اس کے جواب میں جسودا نے کہا:۔

"پتا جی! اب میں اس جگہ کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤنگی۔ مجھے جہاں میرا پتی چھوڑ گیا ہے۔ میں وہاں ہی رہنا اپنا دھرم سمجھتی ہوں۔ میرا پتی فقیر ہونے کے لیئے گیا ہے۔ وہ مجھے اپنے ساتھ نہیں لے گیا۔ مگر میں اپنی وہی شکل بناؤنگی۔ جو میرے پتی نے بنائی ہے۔ اس گھر میں ہی میرے سُکھوں کا خاتمہ ہوا ہے۔ اور یہاں ہی میرے دُکھوں کا بھی خاتمہ ہوگا۔ یہ گھر مجھے سدھارتھ کی نشانی ہے۔ میں جب تک زندہ ہوں۔ اس نشانی کو اپنی آنکھوں سے دُور نہ ہونے دُونگی۔"

اس کے بعد راجہ دنڈپانی کو کچھ کہنے کا حوصلہ نہ پڑا۔ اور وہ اپنی لڑکی کو چھوڑ کر اپنی راجدھانی کو واپس چلا گیا۔ اور اُس نے بہت سے جاسوسوں کو سدھارتھ کی تلاش کے لیئے مقرر کیا اور حکم دیا کہ جہاں کہیں وہ اُن کو ملے۔ اُسے بہ حفاظت تمام اُس کے پاس لے آویں۔

گھر سے نکل کر سدہارتھ نے کسی مقام پر زیادہ قیام نہ کیا۔ بلکہ بہ تبدیل لباس وہ برابر سفر کرتا رہا۔ اور کچھ عرصہ کے بعد اُس کا گذر راجہ بمبی سار کے علاقہ کے قریب پابی سے ہؤا۔ اگرچہ سدہارتھ فقیرانہ لباس میں رہتا تھا۔ مگر اس کی شکل سے ہر شخص کو یہ گمان پڑتا تھا کہ وُہ ضرور کوئی راج کنور ہے۔ ایک روز صُبح ہی سدہارتھ اپنے نت کرم سے فارغ ہؤا تھا کہ اُس نے کئی آدمیوں کو بہت سی بکریاں ہانکتے ہوئے دیکھا۔ سدہارتھ نے پُوچھا کہ اِن بکریوں کو کہاں لے جاؤ گے؟ بکریوں کے مالکوں نے جواب دیا کہ یہ راجہ کے یگیہ میں قربان کی جاویں گی۔ یہ سُنکر سدہارتھ چمکا اور اِس قدر بیزبانوں کی قربانی کا خیال کرکے اُس کا دل اوداس ہو گیا۔ وہ ان لوگوں سے تو کچھ نہ بولا۔ لیکن چُپ چاپ ان کے ہمراہ ہو گیا۔ اور راجہ بمبی سار کے پاس جا پُہنچا۔ راجہ بڑے تپاک سے اس کے ساتھ ملا۔ جب لوگوں کو معلوم ہؤا کہ ایک شخص بکریوں کو قربانی سے بچانے کیلئے آیا ہے۔ وہ حیرانی سے اُسے دیکھنے کیلئے آنے لگے۔ اور اُس کی شکل دیکھ کر ششدر رہ گئے۔ راجہ بمبی سار کے ساتھ سدہارتھ نے صرف ایک بات کی۔ اُس نے پُوچھا کہ "راجن! مجھے بتاؤ کہ جان لینا دھرم ہے یا جان دینا"؟ راجہ اِس کا کچھ جواب نہ دے سکا۔ اُس نے اپنے پنڈتوں کو کہا کہ وُہ سدہارتھ کے ساتھ بحث کریں۔ ور جنوں پنڈت سدہارتھ کے مقابلہ پر آئے۔ اور اُسے دھرم گرنتھ وکھلا کر کہنے لگے۔ کہ جو حُکم اِن گرنتھوں میں لکھا ہے۔ اس کے مطابق چلنا اُن کا فرض ہے۔

سدہارتھ نے ان لوگوں کی ایک بات نہ سُنی۔ اُس نے ان گرنتھوں کو ماننے سے انکار کر دیا۔ جن میں کہ بیزبان زندہ جانوروں کو بیرحمی سے قتل کرنیکا حُکم تھا۔ یہاں سے ہی لوگ نتیجہ نکالتے ہیں کہ بُدھ ناستک تھا۔ کیونکہ اُس نے ویدوں اور ایشور کو ماننے سے انکار کر دیا۔ لیکن یہ خیال غلط ہے۔ بُدھ کے بارہ میں جو تحقیقات ہو رہی ہے۔ اُس نے اُس کا سچّا آستک اور ایشور پرست ہونا ثابت کر دیا ہے۔ پنڈت لوگوں نے بہت زور

لگایا کہ وہ زندہ جانوروں کی قربانی کو جائز ثابت کریں۔ مگر سدھارتھ کی دلائل کے آگے اُن کی ایک بھی پیش نہ گئی۔ اور وہ سب کے سب شکست کھا کر اپنے گھروں کو چلے گئے۔ راجہ نے تمام بکریاں بجائے قربان کرنے کے سدھارتھ کے حوالہ کر دیں۔ اور اس نے اپنے ہاتھ سے اُن کے گلے کی رسیاں کھول کر یہ کہتے ہوئے اُن کو آزاد کر دیا:۔

"یہ سچا یگیہ ہے۔ بھلا جہاں دیا بھاؤ ہی نہ ہو کیا اُسے بھی یگیہ کہا جا سکتا ہے؟ اگر دیوتا کوئی چیز ہیں اور وہ قربانی لینا پسند کرتے ہیں تو میں دعوے سے کہتا ہوں کہ وہ خون اور ہڈیوں سے کبھی خوش نہ ہوتے ہونگے۔ اور بے زبانوں کی قربانی اُن کو پسند نہ ہوگی۔"

یہ نظارہ دیکھ کر راجہ بمبی سار اور اُس کے علاقہ کے لوگ سدھارتھ کے آگے ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہو گئے۔ راجہ نے کہا "شرومن! آپ یہاں ہی رہیں۔ یہ سلطنت آپ کی ہی ہے۔" سدھارتھ نے جواب دیا۔ میں گھر سے گیان پراپتی کے لئے نکلا ہوں۔ اور جب تک مجھے گیان حاصل نہ ہو۔ اور میں زندگی کے راز کو سمجھ نہ لوں۔ ایک جگہ قیام نہیں کر سکتا۔ اور راجہ کے اصرار پر یہ وعدہ کر کے کہ جب اُسے خود گیان پراپت ہو جاویگا۔ وہ ضرور اُسے بھی اُپدیش کریگا۔ سدھارتھ نے آگے قدم بڑھایا۔ اور راجہ بہت دور تک ساتھ جا کر اپنے محلوں میں واپس آگیا۔

یہاں سے چل کر بدھ نے رودرک نامی رشی سے شکشا پانی شروع کی۔ اِس رشی کے سات سو سے زیادہ شاگرد تھے۔ جو اس کے پاس رہ کر مختلف قسم کی وِدّیا حاصل کرتے تھے۔ سدھارتھ چند ماہ یہاں رہا۔ اور جب اُسے معلوم ہو گیا کہ رودرک اسے کچھ زیادہ تعلیم نہیں دے سکتا۔ وہ وہاں سے آگے کو چلا گیا۔ رودرک کی خواہش تھی کہ سدھارتھ اُسے چھوڑ کر نہ جاوے۔ بلکہ وہ چاہتا تھا کہ سدھارتھ کو اپنے پاس ہی رکھے۔ اُس نے اُس سے کہا بھی کہ "ہم تم دونوں مِلکر شاگردوں کو شکشا دینگے"۔ مگر سدھارتھ نے اِس

بات کو منظور نہ کیا اور زیادہ تعلیم حاصل کرنے کے لئے آگے کو چل دیا۔ اس کے بعد سدہارتھ
نے کئی لوگوں سے تعلیم حاصل کی۔ اگرچہ کئی دفعہ اسے مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ مگر
وہ اپنے ارادہ سے باز نہ آیا۔ اُس نے چند لوگوں کو تپ کرتے ہوئے دیکھا۔ خیال کیا کہ
اُن کی طرح ہی اُسے کرنا چاہیئے۔ چنانچہ چھ سال متواتر تپ کرتا رہا۔ اس عرصہ میں اُس
نے بہت کم کھایا۔ یہاں تک کہ سڈول بدن سوکھ کر کانٹا ہو گیا۔ ایک روز جبکہ یہ اپنی
جگہ سے اُٹھا۔ تو اس قدر کمزور ہو گیا تھا کہ چند قدم بھی نہ چل سکا۔ بلکہ غش کھا کر گر پڑا
جب ہوش میں آیا تو سوچنے لگا کہ یہ طریقہ غلطی سے خالی نہیں ہے۔ مجھے جسم کی رکھشا کا
مناسب انتظام کرنا چاہیئے تھا۔ یہ سوچ کر وہ آگے چلنے کو تیار ہوا۔ مگر کمزور لرزتے ہوئے
پاؤں نے اُسے بتا دیا کہ جس حالت میں اُس نے اُن کی حفاظت اور پرورش کے ضروری
سادھنوں کو چھوڑ دیا ہے۔ اس حالت میں وہ بھی اس کی زیادہ خدمت نہیں کر سکتے۔
سدہارتھ ایک درخت کا تنا پکڑ کر کھڑا ہو گیا۔ اتنے میں ایک گڈریئے کی لڑکی کا وہاں سے
گذر ہوا۔ اس کے پاس کھیر تھی۔ سدہارتھ نے اس سے خوراک کیلئے سوال کیا۔ اور اُس
نے دودھ میں پکے ہوئے چاولوں کا پیالہ اس کے سامنے رکھ دیا۔ جسے کھا کر اُس کی
قدرے تسلّی ہوئی۔ سدہارتھ کو دوبارہ کھاتے دیکھ کر اس کے پانچ شاگرد جو کچھ عرصہ
سے اُس کے ساتھ تھے۔ اُس سے گمراہ ہو گئے۔ اور اُسے چھوڑ کر بنارس کو چلے گئے۔
سدہارتھ کا مطلب ابھی پورا نہیں ہوا۔ اُسے زندگی کا راز معلوم نہیں ہوا۔ اور وہ
برابر اس کوشش میں مصروف ہے کہ اپنے شکوک کو مٹا دے اور وہ راستہ دریافت کرے
جس پر چلنے سے انسان دکھوں اور مصیبتوں سے نجات پا سکتا ہے۔ اُس نے بہت
سے لوگوں سے اِس بارہ میں بحث کی۔ بہت سی کتب پڑھیں۔ آخر اِس نتیجہ پر پہنچا کہ "دنیا
میں دکھ دینے والی اگر کوئی چیز ہے تو وہ خواہش ہے۔ جہاں جس قدر خواہش کا غلبہ
زیادہ ہوتا ہے۔ وہاں اُس قدر ہی زیادہ دکھ نظر آتا ہے۔ اِس لئے دکھ سے بچنے کیلئے

ضروری ہے کہ خواہشات کو کم کرتے کرتے بالکل مٹا دیا جاوے۔ خواہشات کے اُلٹ جانے سے دُکھوں کا بھی خاتمہ ہو جاویگا۔"

بُدھ مت کے گرنتھ بتاتے ہیں کہ اس سے سدھارتھ کی تسلّی ہو گئی۔ اور اُس نے سمجھ لیا کہ جو کچھ اُس نے سیکھنا تھا سیکھ لیا ہے۔ اس وقت سے ہی اس کا نام بُدھ مشہور ہو گیا۔ اُس نے ارادہ کیا کہ اب اِس تعلیم کو دُوسرے لوگوں میں بھی پرچار کرنا چاہیئے۔ چنانچہ وہ بنارس میں پُہنچا۔ جو اُس وقت علم اور وِدوتا کا گھر سمجھا جاتا تھا۔ اور جب تک کوئی شخص اپنے آپ کو بنارس میں کامیاب ثابت نہ کرے۔ دُوسرے مقامات پر عزّت کا مستحق نہیں سمجھا جاتا تھا۔ بنارس میں آنے سے پہلے سدھارتھ نے چاہا کہ اپنے اُستاد رودرک سے بھی ملے۔ مگر جب وہ اُس مقام پر پُہنچا تو معلُوم ہُوا کہ اُس کا اُستاد اِس دُنیا سے کُوچ کر گیا ہے۔ بنارس پُہنچ کر بُدھ اپنے پانچوں شاگردوں سے ملا۔ جو اُسے چھوڑ کر بھاگ آئے تھے۔ بُدھ نے اِس موقعہ پر اُنہیں ایک عُمدہ اُپدیش دیا۔ جسے سُنکر وہ دوبارہ اُس کے شاگرد بن گئے۔ بنارس کے کئی پنڈتوں نے بُدھ کی تعلیم کے برخلاف آواز بلند کی۔ مگر وقت بدل چُکا تھا۔ اِنسانوں کا دِل کسی ایسے رہنما کی تلاش میں تھا۔ جو اِن کو محبّت اور اتفاق کے پاک اور مضبوط رشتہ میں باندھ سکے۔ کوئی شخص بُدھ کا مقابلہ نہ کر سکا۔ اور اُس نے بنارس میں ہی اپنا سماج قایم کر دیا۔ اور بہت سے لوگ اس کے پیرو ہو کر اِس کی تعلیم پر عمل کرنے لگے۔

بُدھ کی تعلیم بڑی سیدھی سادی تھی۔ وہ لوگوں کو سادگی کی تعلیم دیتا تھا۔ اِس لیئے لوگوں کے دِلوں میں کھب جاتی تھی اور لوگ اس کی طرف کھچے آتے تھے۔ بُدھ کی عزّت بنارس کی چار دیواری سے باہر بھی پھیلنے لگی۔ اور لوگ اُس کے پاس اُپدیش سنّنے کو آنے لگے۔ اور بہت سے مقامات سے اُس کے پاس پیغام آئے کہ وہ وہاں جا کر دھرم اُپدیش کرے۔ بُدھ کے لیئے اب کام اِس قدر بڑھ گیا تھا کہ وہ اکیلا اِسے نہیں کر سکتا تھا۔

اس لئے اُس نے اپنے شاگردوں کو مخاطب کر کے کہا:-

"بیشمار آدمیوں کی بھلائی اور نیکی کا کام ایک شخص نہیں کر سکتا۔ اور بدھ بھی تمام دُنیا کے لوگوں کو دھرم کے راستہ پر لانے میں اسمرتھ ہے۔ تُم نے بدھ سے تعلیم حاصل کی ہے۔ اس دھرم کے کام میں اُس کی مدد کرو۔ تم بنی نوع انسان کی بہبودی اور رفاہ کیلئے دُور دراز ملکوں میں جانے کو تیار رہو۔ اور جو شخص تُم کو دھرم کا ابھلاشی ملے۔ اُسے دھرم اُپدیش دو۔ دُنیا میں ایسے لوگ بُہت ہیں، جن کی آنکھوں کو جہالت او خود غرضی کی گرد نے ناکارہ کر دیا ہے۔ تُم اِن لوگوں کو دھرم کا راستہ دکھاؤ اور بھُولے بھٹکوں کو راہ راست پر لاؤ۔"

بُدھ کے شاگردوں کو اپنے گورو کا جب یہ حکم ملا تو وہ اس کی تعلیم کا پرچار کرنے کے لیئے مُلک کے تمام حصوں میں پھیل گئے۔ اِن کا جیون خود بڑا پاک ہوتا تھا۔ اِس لئے لوگوں کے دِلوں میں ان کی بات کا اثر ہوتا تھا۔ اور جس جگہ پر جاتے تھے۔ لوگوں کو بُدھ کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے بیقرار پاتے تھے۔ یہ طریقہ بُہت دِنوں تک جاری رہا۔ آخر بدھ نے یہ انتظام کیا کہ اُس کے شاگرد سال بھر میں آٹھ ماہ تو لوگوں کو دھرم اُپدیش کریں۔ اور چار ماہ اُس پاس رہ کر خود شکشا حاصل کریں۔

بنارس میں کچھ عرصہ رہ کر اور دھرم پرچار کا مناسب بندوبست کر کے بُدھ کو راجہ بمبی سار کا وعدہ یاد آیا۔ اور اُسے دھرم اُپدیش کرنے کے لیئے وہ راج گرہ تک آیا۔ اور راجہ کو مل کر اُس کے کئی شکوک دُور کئے۔ اِس موقعہ پر بُدھ نے جو اُپدیش کیا۔ وہ بڑا ہی سُنہری اُپدیش ہے۔ اور بودھ لوگ اسے خاص نظر سے دیکھتے ہیں۔ راجہ بمبی سار کے بُدھ مت میں شامل ہونے کے بعد اَور بھی بڑے بڑے آدمی اس مت میں شامل ہونے لگے۔ اناتھ پنڈک نامی ایک شخص نے جو یتیموں کا بڑا ہمدرد تھا۔ بُدھ کی تعلیم سے متاثر ہو کر اپنا بڑا بھاری

باغ بدھ کو دیدیا۔ اور بدھ نے اس میں اپنے بھکشو لوگوں کی تعلیم اور رہائش کے لئے ایک سکول جاری کر دیا۔ غریب لوگ بدھ کو اپنا بڑا اسہارا سمجھتے تھے۔ کیونکہ بدھ کی تعلیم کے مطابق کوئی شخص ایک دوسرے پر ظلم نہیں کر سکتا تھا۔ اور چونکہ ظلم امیر لوگ ہی غریبوں پر کرتے ہیں۔ اس لئے غریب لوگ بدھ کی بڑی تعریف کرتے تھے۔ اور یہی وجہ تھی کہ بدھ کی طاقت دن بدن بڑھتی گئی۔

راجہ شدھودھن کو بھی خبر ملی کہ اس کا بیٹا لوگوں کو دھرم اُپدیش کرتا ہے۔ اور اس وقت راج گرہ میں موجود ہے۔ باپ کے دل میں بیٹے کی محبت اُمڈ آئی۔ اور اس نے اپنا خاص آدمی بدھ کے پاس بھیجکر درخواست کی کہ راجہ مرنے سے پہلے ایک دفعہ اپنے عزیز بیٹے کی شکل دیکھنا چاہتا ہے۔ بدھ نے سوچا کہ ابھی تک راجہ نے بدھ کی اصلی عظمت کو محسوس نہیں کیا۔ وہ فوراً آدمی کے ساتھ باپ کی ریاست میں چلا آیا۔ شدھودھن بیٹے کو فقیری لباس میں دیکھ کر حیران ہو گیا۔ اس کے کلیجہ میں ایک سانپ سا لوٹ گیا۔ آہ! میرا بیٹا! میرا پُتر آج ہاتھ میں کاسۂ گدائی لئے ہوئے دربدر بھیک مانگتا پھرتا ہے۔ رنج اور غم کی حالت میں راجہ بدھ سے ملا۔ مگر جب اس نے اس کی دھرم یکت باتیں سُنیں۔ اس کی آنکھیں کھل گئیں اور اس نے کہا۔ "بیشک! بیشک!! سدھارتھ! تو نے اپنا جنم سپھل کر لیا۔" یہ کہکر راجہ کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو بہنے لگے۔ بدھ سمجھ گیا کہ راجہ اصلیت سے آگاہ ہو گیا ہے۔ وہ زیادہ نہ بولا۔ بلکہ خاموش دیکھتا رہا۔ راجہ نے پھر زبان سے ہائے کا لفظ نہیں نکالا۔ بلکہ ہنس ہنس کر باتیں کرتا رہا۔ اور بڑی خوشی سے اس سے جدا ہوا۔

اگلے روز راجہ نے بدھ کو اپنے محلوں میں نمنترت کیا۔ اور اس کے تمام رشتہ دار وغیرہ ملنے کے لئے آئے۔ کئی لوگوں کے چہرے مرجھائے ہوئے تھے۔ مگر بدھ کے اُپدیش نے سب کو شانت کر دیا۔ اور اس نے ان کو سمجھا دیا کہ بدھ نے کوئی ایسا کام نہیں

کیا۔ جس کے لئے اُنہیں رنج کرنا پڑے۔ بلکہ بُدھ نے ایک ایسا قدم اُٹھایا ہے۔ جس سے اُن کی عزت میں بھی چار چاند لگ گئے ہیں۔ بہت سے رشتہ داروں نے بُدھ کے درشن کر کے اپنے دل کی تسلّی کی۔ لیکن ان ملنے والوں میں بُدھ کی استری جسودا نہ آئی۔ راجہ شُدھودھن نے اپنا آدمی جسودا کو بُلانے کے لئے روانہ کیا۔ اور اُسے کہلا بھیجا کہ بُدھ گھر میں آیا ہُوا ہے۔ اُسے بھی اُس کے درشن کرنے چاہئیں۔ جسودا بُدھ کے آنے سے بے خبر نہ تھی۔ وہ دانستہ بُدھ کو دیکھنے نہیں گئی تھی۔ جب راجہ کے آدمی نے اُس سے چلنے کو کہا۔ تو اُس نے جواب دیا کہ میں نے سدھارتھ کی یاد کو ابھی تک دل سے دُور نہیں کیا۔ بلکہ اُس کی یاد میں ابھی تک دُکھ سہتی ہوں۔ اگر اُسے میرا ذرا بھی پاس ہوگا تو وہ خود میرے پاس آویگا۔ جسودا نے اپنے پیمانہ سے بُدھ کو تولا تھا۔ مگر یہ غلط نہ تھا۔ نوکر نے راجہ سے جا کر کہا۔ کہ جسودا بُدھ کو اپنے کمرے میں دیکھنا چاہتی ہے۔ بُدھ نے جسودا کی یہ خواہش سُنی اور اپنے ساتھیوں کو کہنے لگا۔ "دوستو! تم میرے ساتھ چلو۔ میں ضرور جسودا سے ملُونگا۔ اور چونکہ وہ ابھی تک دُنیاوی بندھنوں میں قید ہے۔ اُسے آزاد کرُونگا۔ دیکھنا! اگر وہ پہلی محبّت سے متاثر ہو کر میرے بدن کو چھوئے تو تم نے اُسے روکنے کی کوشش نہ کرنا"۔

یہ کہہ کر بُدھ جسودا کو ملنے کے لئے خود گیا۔ جسودا! راج کنواری جسودا اُسی کمرے میں تھی۔ جس میں کہ بُدھ نے اُسے محلوں سے جاتے وقت دیکھا تھا۔ مگر اس وقت جو اس کی حالت تھی۔ وہ اور ہی تھی۔ بدن پر شاہی لباس کی بجائے میلے اور پُرانے کپڑے تھے اُس کے خوبصورت بال سر سے کٹ چکے تھے۔ وہ زمین پر بیٹھی تھی۔ چہرہ اداس اور دل غمگین تھا۔ جونہی اُس نے سدھارتھ کو سامنے سے آتے دیکھا۔ اُس کے صبر کی باگ ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ اُسے یہ خیال نہ رہا کہ بُدھ اب اُس کا پران پتی نہیں رہا۔ وہ اُٹھی اور دوڑ کر بُدھ کے قدموں میں گر کر ڈھاڑیں مار کر رونے لگی۔ اُس کی آواز سے تمام

محل کانپ اُٹھا۔ اور دُوسرے لوگ بھی رونے لگ گئے۔ راجہ شدھودھن بھی ساتھ تھا۔ اُس کی آنکھیں بھی آنسوؤں سے تر ہو رہی تھیں۔ اُس نے اپنے بیٹے بُدھ کو مخاطب کر کے کہا

"جسودا نے سدھارتھ کی جُدائی سے جو صدمہ اُٹھایا ہے۔ اُس کا بیان کرنا مُشکل ہے۔ سدھارتھ کو اِسے چھوڑے سات سال ہو چُکے ہیں۔ اس عرصہ میں نہ تو اِس نے اچھے کپڑے پہنے ہیں۔ نہ زیور بدن سے لگایا ہے۔ نہ ہی یہ کبھی پلنگ پر سوئی ہے۔ یہ مٹّی کے برتنوں میں کھانا کھاتی ہے۔ اور اِسی طرح زمین پر پڑی رہتی ہے۔ اِس کے دِل میں محبت کا عارضی نہیں بلکہ حقیقی جوش ہے۔ مہاتما بُدھ اِس کی غلطی معاف کر دے"۔

بُدھ نے اپنی زبان کھولی اور جسودا کو اُپدیش دینا شروع کیا۔ اُس نے بتایا کہ غم کرنا اور غم میں گھُلنا سمجھدار لوگوں کا کام نہیں ہے۔ اور ہدائت کی کہ جسودا کو دھرم پر درڑھ رہ کر زندگی کے ایام بسر کرنے چاہئیں۔ بُدھ کے اُپدیش سے جسودا کے دِل سے غم دُور ہو گیا اور اُسے شانتی آگئی۔ وُہ ایک دفعہ پھر بُدھ کے پاؤں میں گر پڑی۔ مگر اس دفعہ پُرانی محبّت کے جوش سے نہیں بلکہ تقدیس کے خیال سے اُس نے ایسا کیا تھا۔ بُدھ نے اُسے آشیرواد دی۔ اور اِس طرح اُپدیش کرتا ہُوا شاہی محلوں سے باہر چلا آیا۔

اِس کے بعد بُدھ اور بھی کئی روز اِس جگہ رہا۔ اور لوگوں کو اُپدیش دیتا رہا۔ ایک روز جبکہ وُہ محل کی ایک کھڑکی کے سامنے بیٹھا ہُوا روٹی کھا رہا تھا۔ جسودا نے اُسے دیکھ لیا۔ راج کنور راہل بھی پاس ہی کھیل رہا تھا۔ جسودا نے پُتر سے کہا۔ "وہ جا تیرا باپ وُہ بیٹھا ہے۔ اُس کے پاس دولت کی چار کانیں ہیں۔ تو اُس سے ان کو مانگ لے۔ کیونکہ بیٹا ہی باپ کے خزانہ کا مالک ہوتا ہے"۔ راہل باپ کا لفظ سُنکر خوش ہو گیا۔ اور دوڑتا ہُوا بُدھ کی گود میں جا پہنچا۔ جو کچھ اس کی ماتا نے اُسے سمجھایا تھا وہی اس نے بُدھ سے کہا۔ اور بُدھ نے اسے اپنے ساتھ رہنے کا حُکم دیا۔ چند روز

بعد اس کے اسے سنسکار کر کے اپنے بھکشوؤں میں ملا لیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بُدھ اس
پہلو میں غلطی سے مبرّا نہیں تھا۔ ورنہ وہ ایک چھوٹے بچّے کو ایسی ذمہ وار زندگی میں کبھی بھی
داخل نہ کرتا۔ ممکن ہے کہ آج بھارت ورش میں ننھے بچّوں کو فقیر اور سادھو بنانے کی جو
وبا پھیلی ہوئی ہے۔ اس کا بہت کچھ تعلق بُدھ کی اس تعلیم سے بھی ہو۔ جس وقت راہل کے
بھکشو ہونے کی خبر راجہ شدھودھن کو پہنچی۔ اُس نے اپنے سر کے بال نوچ ڈالے اور
رنج کی حالت میں بُدھ کے پاس دوڑا گیا۔ اُس نے شکایت کی کہ یہ کیا کیا گیا ہے؟ بُدھ کو
بھی افسوس ہوا۔ مگر جو ہو چکا تھا۔ اس میں تبدیلی نہ آئی۔ البتہ بُدھ نے اس قدر کہا کہ آئندہ
وہ کسی ننھے بچّے کو اس کے والدین کی رضامندی کے بغیر بھکشو نہ بنا دیگا۔ اور یہی حکم اُس
نے دوسرے ساتھیوں کو بھی دے دیا۔

کپل وستو سے چلکر بُدھ تمام ملک میں گھوما۔ اور اُپدیش کرتا پھرتا رہا۔ اُس کے الفاظ
میں بڑی تاثیر تھی۔ اُس کے اُپدیشوں سے اکثر خرابیاں جن کو راجاؤں کی طاقت بھی دور
نہ کر سکتی تھی۔ ایک آن کی آن میں دُور ہو گئیں۔ غریبوں اور بیچاروں پر تو اس کے اُپدیش
نے ابر رحمت کی بارش کر دی۔ اس نے اپنی سماج میں استریوں کو بھی شامل کیا۔ اور جسودا
کو بھکشونی بنا کر جا بجا نیکی اور دھرم کا اُپدیش کرنے کے لئے بھیجا۔ بُدھ کی زندگی پُر از واقعات
ہے سینکڑوں نہیں ہزاروں باتیں جو بڑی سبق آموز ہیں۔ اس کی بزرگی اور عظمت کا پتہ
دیتی ہیں۔ اور اُن کے مطالعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ایک بے نظیر مہان پُرش اور مذہبی
ریفارمر تھا۔ اُس نے اپنی تمام عمر میں کوئی ایسا لفظ زبان سے نہیں نکالا جس سے
دوسروں کی دل آزاری ہوتی ہو۔ دوست دشمن سب کے ساتھ اُس کا ایک سا برتاؤ تھا۔
کئی سال تک اُس نے ملک کے کونہ کونہ میں دھرم کا ناد بجایا۔ اُس کے چیلوں اور چیلیوں
نے بھی بیشمار لوگوں کو اُس کی تعلیم کا گرویدہ کیا۔ یہاں تک کہ بُدھ کی زندگی میں یہ مت
تمام بھارت ورش میں پھیل گیا۔ بلکہ بھارت ورش سے باہر بھی اس کے اُپدیشک جانے لگے۔

ایک دفعہ جبکہ بدھ راج گرہ میں ٹھہرا ہوا تھا۔ نزدیک ہی ایک بڑھیا کا نوجوان پُتر موت کا شکار ہو گیا۔ بیٹے کی موت نے بڑھیا کو پاگل بنا دیا۔ اور وہ پاگلوں کی سی باتیں کرنے لگی۔ جب لوگوں نے چاہا کہ اس کے بیٹے کی لاش کو اُٹھا کر جلا آویں۔ بڑھیا نے بڑا شور مچایا اور زور سے بیٹے کی لاش پر گر کر بولی "میں اپنے لختِ جگر کو جلانے نہ دونگی۔ میں نے مر مر کر اسے پالا ہے۔ اور یہ میرا اکلوتا بیٹا ہے۔ مجھے کوئی ایسی ترکیب بتاؤ کہ یہ دوبارہ زندہ ہو جاوے۔" یہ باتیں تھیں جو اس بڑھیا عورت کی زبان سے نکلتی تھیں۔ جس وقت لوگ اسے سمجھانے کے لیے آگے بڑھتے۔ یہ ایسے زور زور سے چلّاتی کہ سننے والوں کے کلیجے دہل جاتے۔ اور وہ لاش کو ہاتھ لگائے بغیر ہی واپس چلے آتے۔ کئی روز تک اس نے لاش کو اُٹھنے نہ دیا بلکہ اُسے چھاتی سے لگائے پڑی رہی۔ ایک شخص نے اس کی گریہ وزاری سے متاثر ہو کر اس سے کہا کہ اگر تو اس لاش کو مہاتما بُدھ کے پاس لے جاوے تو وہ ضرور اسے زندہ کر دیگا۔ وہ بڑا نیک اور غریب پرور ہے۔ بڑھیا کے دل میں یہ سُنکر بڑی ڈھارس ہوئی اور وہ سوکھی ہوئی لاش کو اُٹھا کر راج گرہ میں پہنچی۔ لوگوں سے اس نے بدھ کا پتہ پوچھا۔ اور لاش لیکر اس کے سامنے چلی گئی۔ بدھ اپنے شاگردوں کو اپدیش کر رہا تھا۔ ایک عمر رسیدہ بڑھیا کو سامنے کھڑا دیکھ کر وہ اس کی عزت کے لئے اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور اس کی طرف مخاطب ہوا۔ بڑھیا نے اپنا سارا حال کہہ دیا کہ وہ اپنے بیٹے کو زندہ کرانے کے لئے مہاتما بدھ کے پاس لائی ہے۔

بُدھ کو بڑھیا کی حالت پر بڑا ترس آیا۔ اُس نے اسے مایوس کرنے کی بجائے اپدیش کے ذریعہ راہ راست پر لانا چاہا۔ اُس نے کہا کہ لڑکا بیشک زندہ ہو سکتا ہے۔ بشرطیکہ وہ راج گرہ سے جا کر آٹے کی ایک چٹکی ایسے گھر سے مانگ لاوے۔ جہاں کبھی کوئی موت واقع نہ ہوئی ہو۔ بڑھیا اُٹھی اور اُمید باندھ کر آٹا مانگنے چلی۔ اُس نے تمام شہر چھان مارا۔ اُسے کوئی گھر ایسا نظر نہ آیا جہاں موت کا ظالم اور زبردست ہاتھ نہ پہنچا ہو۔ وہ

اُمید کے ساتھ بڑے دروازہ سے گھر میں داخل ہوتی تھی۔ گھر کی عورتیں اُس کی آواز سنکر اس کے پاس آتی تھیں۔ اور جب وہ یہ سوال کرتی تھی کہ کیا اس گھر میں کبھی موت تو واقع نہیں ہوئی؟ تو اُن کے خوبصورت شگفتہ چہرے مرجھا جاتے تھے۔ کسی کو خاوند کی۔ کسی کو بیٹے کی۔ کسی کو بھائی کی اور کسی کو دوسرے رشتہ دار کی موت یاد آجاتی تھی۔ اور وہ زار زار رونے لگتی تھیں۔ ایک گھر میں جب اس بڑھیا نے یہی سوال کیا۔ تو گھر کی مالکہ نے اسے اپنے پاس بٹھا لیا۔ اور پیار سے کہا۔ "بوبی! ایسا کونسا گھر ہے۔ جہاں موت نے چھاپہ نہ مارا ہو جو آیا ہے وہ ایک دن ضرور جائیگا۔ جو بنا ہے وہ ایک دن ضرور ٹوٹیگا۔ انسان کو چاہیے کہ موت کی پرواہ نہ کرے۔ بلکہ دھرم کے راستہ پر دوڑتا رہے"۔ بڑھیا یہ الفاظ سنکر چونک اُٹھی۔ شہر کا بڑا حصہ وہ گھوم چکی تھی۔ اور اسے کوئی گھر ایسا نہ ملا تھا جہاں موت واقع نہ ہوئی ہو۔ اسے موت کی طاقت کا پتہ لگ گیا۔ اور وہ موت کے راز کو سمجھ کر بدھ کے پاس لوٹ آئی۔

بدھ جانتا تھا کہ جب وہ اس کے پاس لوٹ کر آویگی۔ وہ اپنے سوال کا کوئی جواب نہ مانگیگی کیونکہ اپنے سوال کا جواب وہ لیکر آویگی۔ وہ جس وقت بدھ کے قریب پہنچی۔ اُس کے چہرے سے گیان کا اظہار ہوتا تھا۔ اس وقت وہ آتے ہی بدھ کے قدموں میں گر پڑی اور کہنے لگی "مہاتما! میں زندگی اور موت کے راز کو نہ جانتی تھی۔ میں گمراہی میں تھی۔ تیرے اُپدیش نے میری اگیانتا کا ناش کر دیا۔ مجھے گیان پراپت ہو گیا۔ تو دھنیہ ہے۔ میں بھی تیرے چرنوں میں رہ کر اپنا جیون سپھل کرنا چاہتی ہوں"۔ بدھ نے اُسے بھی اپنے سماج میں شامل کر لیا۔ اور وہ نیکی اور دھرم کا اپدیش کرنے لگی۔

بدھ برابر آخری دم تک اپنے مبارک پروگرام میں لگا رہا جب وہ بڈھا ہو گیا۔ اُس نے سوچا کہ اب آخری وقت نزدیک ہے۔ اس نے اُن تمام بھکشوؤں اور شاگردوں کو جو ملک کے چاروں حصوں میں دھرم اپدیش کرتے پھرتے تھے۔ اپنے

پاس جمع کیا۔ اور اُن کو اپنے بعد کام کرنے کا طریقہ سکھلانے لگا۔ ایک روز اُس نے راج گرہ کے وِہار (تعلیم گاہ) میں اپنے شاگردوں کو یُوں مخاطب کیا:۔

"بھکشوؤ! دُنیا میں سب سے بڑا سوال یہ ہے کہ ہم دُوسروں کا بھلا کیونکر کر سکتے ہیں۔ اپنے لئے تو جانور اور چرند پرند بھی جینا جانتے ہیں۔ انسان کو دُوسروں کی بھلائی پر غور کرنا چاہیئے۔ آج مَیں تم کو بتانا چاہتا ہوں کہ ہم اپنی زندگی کو دُوسروں کی بھلائی میں کس طرح صرف کر سکتے ہیں؟ بھلائی کی چابی اتفاق ہے جس سوسائٹی میں اتفاق ہے وہ سوسائٹی زندہ ہے۔ اور دُوسروں کا بھلا کر سکتی ہے۔ جس سوسائٹی کے سرسبز باغ کو نفاق کی آگ اور تُند ہوا نے برباد کر دیا ہے۔ وہ سوسائٹی زندہ نہیں رہ سکتی اور نہ کِسی کا بھلا کر سکتی ہے۔ یہی حال انسانوں کا ہے۔ جب تک انسان کا دِل نفاق کی کھینچ سے اُوپر ہے۔ وہ ترقی کرتا ہے اور دُوسروں کا بھلا کرتا ہے۔ لیکن جونہی نفاق کی مرض اُس کے دِل پر قابُو پا لیتی ہے۔ وہ دُوسروں کا بھلا کرنے کی بجائے اُنہیں نقصان پہنچانے لگ جاتا ہے۔ نفاق سے بچنے کے لئے حسد سے بچنے کی ضرورت ہے۔ حسد سے ہی نفاق پیدا ہوتا ہے۔ پس اِس سے جہاں تک ہو سکے۔ بچے رہو۔ بڑوں کی تعظیم کرنا برکت لاتا ہے۔ اِس لئے مَیں تُم کو ہدایت کرتا ہُوں۔ کہ ہمیشہ بڑوں کی تعظیم کرنا۔ انصاف دُنیا میں سب سے بڑی طاقت ہے۔ اِس طاقت کو جب تک پکڑے رکھو گے۔ دُنیا تمہارے آگے شرارت نہ کر سکیگی۔ جب تُم انصاف کی طاقت کو چھوڑ دو گے تو ہلاک ہو جاؤ گے۔ تجربہ دُنیا کا سب سے بڑا اُستاد ہے۔ اِس سے ہمیشہ نیکی اور سچائی کا بھید کُھل جاتا ہے۔ جب تک خود کِسی بات کا تجربہ نہ کر لو۔ دُوسروں کو اُس کے کرنے کی تعلیم کبھی مت دو۔ پاکی وہ اگنی ہے جو دُنیا کے گناہوں کو چھِن بھر میں جلا ڈالتی ہے۔ اِسے کبھی ہاتھ سے نہ دینا۔ پاک آدمیوں کی صحبت کرنا اور ناپاکی سے ہمیشہ بچنے کی کوشش کرنا سُستی

دکاہلی وُہ زہر ہے جو رفتہ رفتہ انسان جیون کو تباہ و برباد کر دیتا ہے۔ اِسے کبھی
پاس نہ آنے دینا۔ پاپ سے بچے رہنا۔ علم حاصل کرنے سے منہہ نہ پھیرنا۔ من کو
ہمیشہ مضبوط بنائے رکھنا۔ بُدھی سے کام لینا۔ اِس سے تمہارا بھلا ہوگا۔ اور
تم دُوسروں کا بھی بھلا کر سکو گے"۔

بُدھ کو جب یہ معلوم ہوا کہ اُس کے بھکشو جہاں جاتے ہیں۔ لوگوں کو ایسی
باتیں کہتے ہیں۔ کہ جن سے اُن کی اور بُدھ کی عزت ہو۔ اُسے بڑا دُکھ پہنچا۔ اور
اُس نے اپنے شاگردوں کو ڈانٹ کر کہا کہ "دُنیا کو گمراہی سے نکالنا میرا مقصد ہے
تم جان بُوجھ کر اسے جہالت میں پھنسانے کی کوشش مت کرو"۔ چونکہ بُدھ کی
بڑی عزت تھی۔ اور لوگ اُس سے بڑا پیار کرتے تھے۔ اس لئے اُس کے شاگرد بھی
جہاں جاتے تھے۔ لوگ اُن کی عزت کرتے تھے۔ اور ان کی باتوں کو شردھا سے سُنتے
تھے۔ ان بھکشوؤں میں سے کئی ایک بڑے نیک تھے۔ اور وہ لوگوں کو دل سے نیکی
کی تعلیم دیتے تھے۔ مگر کئی چلتے پُرزے تھے۔ وہ لوگوں کو دام میں پھنسانا ہی اپنی
کامیابی سمجھتے تھے۔ مگر بُدھ نے کبھی ایسے لوگوں کا حوصلہ نہیں بڑھایا۔ بلکہ وہ ہمیشہ
ایسے لوگوں کو ہدایت ہی کرتا رہا۔

بُدھ کی موت کا دن نزدیک آ رہا تھا۔ لوگوں کو اُس کی موت کا نام سُنکر بڑا صدمہ
ہوتا تھا۔ اور اکثر وہ رونے لگ جاتے تھے۔ اُس کا سب سے پیارا شاگرد آنند بڑا
دُکھی تھا۔ بُدھ نے ایک دفعہ اُسے اپنے پاس بٹھا کر پُوچھا کہ "آنند! کیا تم [illegible]
ہے"۔ اور جب اُس نے تین بار اس سوال کا جواب "ہاں" میں دیا۔ تو بُدھ نے اُس
سے کہا کہ "پھر تو یہ بھی وشواس رکھ کہ جو اِس دُنیا میں آیا ہے۔ اُسے ضرور اِسے
چھوڑنا ہوگا۔ بُدھ کو بھی یہ راستہ اختیار کرنا پڑیگا"۔ لوگ جوق در جوق دور دراز
کا سفر کر کے بُدھ کے درشنوں کو آتے تھے اور اُس کی آشیرواد حاصل کر کے گھروں

کو لوٹتے تھے۔ ایک روز بُدھ نے بہت سے لوگوں کو جمع کر کے کہا۔ "دوستو! میں تم سے
سچ کہتا ہوں کہ جو دو چیزیں کبھی مل کر ایک ہوئی ہیں۔ اُن کو علیحدہ بھی ضرور ہونا ہوگا۔
اس دُنیا میں کوئی ہمیشہ نہیں رہ سکتا۔ ہاں! سچائی اور دھرم دو ایسی چیزیں ہیں جنکا
کبھی فناہ نہیں۔ پس اگر تم سے ہو سکے تو سچائی اور دھرم کو ہاتھ سے نہ دینا۔ فتح اور
کامیابی کا یہی راز ہے۔

اب بُدھ کو زیادہ دِنوں تک اپنے جینے کی اُمید نہ تھی۔ ایک روز جبکہ اُسے سانس
بڑی مشکل سے آتا تھا۔ اُس نے ہمّت سے اپنے آپ کو اُپدیش کے لئے تیار کیا۔
اور بہت سے لوگوں کو پاس بٹھا کر بولا:-

"دُنیا میں سچائی ہمیشہ قایم رہتی ہے۔ دھرم کا کبھی ناش نہیں ہوتا۔ پاپ
سے کبھی کامیابی اور فتح نصیب نہیں ہوتی۔ جہل۔ نادانی اور بیوقوفی
سے انسان کبھی آرام حاصل نہیں کر سکتا۔ عقل کو کبھی محدود نہ کرنا چاہیے
کیونکہ کوئی شخص ہمیشہ انڈے کے چھلکے کے اندر بند رہنا پسند نہ کریگا۔
مَیں نے سچائی کا پتہ لگایا اور بُدھ پدوی حاصل کی۔ تُم بھی ہاتھ پاؤں
ہلاؤ اور اپنی محنت سے نجات کا راستہ ڈھونڈو۔"

یہ مہاتما بُدھ کے آخری الفاظ تھے اِسکے بعد وہ سمادھی اوستھا میں بیٹھ گیا۔ اور لوگوں کے دیکھتے
دیکھتے وہ شمع جو انسانی سوسائٹی کی چمک تھی۔ بجھ گئی۔ نُور کا وہ شعلہ جو کئی سال تک جلتا اور دوسروں
کو روشنی دکھا رہا تھا۔ اوجھل ہو گیا۔ اور لوگ مارے رنج اور افسوس کے بے چین ہو گئے۔
اکشواکو بنس نے راجہ رامچندر جیسا دھرماتما پُتر پیدا کیا تھا جس نے تپا کی آگیا پالن کی اور
راون جیسے ظالم کو مارا۔ بُدھ بھی اسی خاندان کا ایک روشن چراغ تھا جس نے دُنیا کی برائی کا
مقابلہ کرنے کیلئے گھر بار چھوڑا اور سفلی جذبات پر نمایاں فتح حاصل کی مبارک بُدھ نے اپنا جیون
سپھل کر لیا۔ مگر اسکے بعد اُسکی پوتر تعلیم کو اسکے شاگردوں نے اپنے پراگندہ خیالات سے ناپاک کر کے اس کے
مشن کو خاک میں ملا دیا۔

شنکر آچاریہ

بھارت ورش میں آج جو مذہبی حالت ہے۔ اس میں خواہ شنکر آچاریہ کی تعلیم کا بڑا ہاتھ نہ ہو۔ مگر اُس کے شاگردوں کو اس میں بڑا ادھیکار حاصل ہے۔ آج بھارت ورش کا ایک بچّہ بچّہ ویدانت کے رنگ میں رنگا ہُوا دکھائی دیتا ہے۔ یہ سب شنکر آچاریہ کی ہی تعلیم کا نتیجہ بتایا جاتا ہے۔ شنکر آچاریہ کے نام سے بہت سی کُتب اس وقت رائج ہیں مگر یہ کہنا کہ کونسی کتاب شنکر کی ہے اور کونسی اس کے شاگردوں نے بنا کر اُس کے نام سے منسوب کر دی ہے۔ اس وقت سخت مشکل ہے۔ شنکر آچاریہ کا ظہور اُس وقت ہُوا تھا جبکہ بھارت ورش کی مذہبی حالت کو سخت دھکّا لگ رہا تھا مہاتما بُدھ نے اپنی عمر میں نیکی اور پاکیزگی کی تعلیم دی۔ مگر اُس کے شاگردوں نے کچھ تو اس لئے کہ اُن کی عزّت زیادہ ہو۔ اور کچھ اس لئے کہ دُوسرے لوگ اُن کی مخالفت کرتے تھے بُدھ کے راستہ کو چھوڑ کر مخالفت کی راہ اختیار کر لی۔ اور بُدھ کی مورتیاں بنا کر پوجا کرنے لگے۔ ممکن ہے۔ اِن لوگوں نے دُوسرے لوگوں کو بُت پرستی کرتے ہوئے دیکھ کر اپنے گُرو کی مورتی کی پوجا شروع کی ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان لوگوں نے خود ہی بُت پرستی کو ایجاد کیا ہو۔ مگر یہ خیال کچھ بہت دُرست معلوم نہیں ہوتا۔ مہاتما بُدھ کا وقت بُدھ سے بہت پہلے ہُوا ہے۔ اُس کے وقت میں بھی بُت پرستی موجود تھی۔ اور اغلب ہے کہ بھارت ورش میں بھی بُت پرستی کی رسم جاری ہو۔ اور بُدھ کے شاگردوں نے دُوسرے بُتوں کے آگے سر جھکانے کی بجائے اپنے ہی گورو کے بُت کی پرستش کرنی مناسب سمجھی ہو۔ کچھ بھی ہو۔ یہ امر شکیہ ہے۔ ہاں اس قدر ضرور دُرست ہے کہ بُدھ نے بُت پرستی کی تعلیم نہیں دی۔ مگر اس کی وفات کے بعد اس کے شاگردوں

میں اس کا بہت جلد پرچار ہو گیا۔

بُدھ نے بھارت ورش سے اتیاچار دُور کئے تھے۔ اور ظلم کی روک روکا تھا۔ جو خود غرض لوگ بنیر بالوں پر کرتے تھے۔ لیکن بُدھ کے بعد نقشہ بالکل بدل گیا۔ اور اُسکے شاگردوں میں بھی فرقہ بندی ہو گئی۔ بُدھ نے آخری وقت اتفاق کی تعلیم دی تھی۔ مگر بُدھ کے شاگرد نفاق کی آگ میں جل کر تباہ ہو گئے۔ اگرچہ بُدھ کے بعد اُس کے پیروؤں نے کئی دفعہ یہ کوشش کی کہ بُدھ کے مشن کا بھارت ورش میں خاتمہ نہ ہونے دیں اور اس کے لئے اُنہوں نے کئی بڑے بڑے جلسے بھی کئے۔ مگر اُنہیں اس پہلو میں کچھ زیادہ کامیابی نہ ہوئی۔ اور وہ مذہب جو ایک دفعہ بُدھ کی زندگی میں تمام بھارت ورش میں پھیل گیا تھا۔ بُدھ کی وفات کے تھوڑے ہی عرصہ بعد معدوم ہونے لگا۔ بُدھ کے زوال پر جو نئے فرقے قایم ہوئے۔ اُن میں ہی ایک جَین مت تھا۔ جسے دوسرے فرقوں کی نسبت زیادہ کامیابی ہوئی۔ اس کی تعلیمات زیادہ فلسفیانہ اور سادہ ہیں مگر یہ مت کسی ایسے ایشور کے وجود کا قایل نہ تھا۔ جیسے دوسرے لوگ دنیا کا کرتا مانتے ہیں یہ زمانہ عجیب گڑبڑ کا زمانہ تھا۔ ویدک دھرم کے پیرو دھر ایک بات کے لئے وید کا حکم دینا ہی کافی سمجھتے تھے۔ دوسری طرف فلسفہ تھا۔ جواُن کی پوزیشن کو خراب کر دیتا تھا۔ اور ویدک دھرمی محض یہ کہہ کر چونکہ یہ بات فلاں دھرم گرنتھ میں لکھی ہے۔ اس لئے قابل تسلیم اور قابل قبول ہے اپنے مخالفوں پر زیادہ قابو نہ پا سکتے تھے سب سے بڑی مشکل جو اُن کے راستہ میں تھی۔ وہ یہ تھی کہ اُن میں خرابیوں اور بُرائیوں کا بڑا پرچار ہو گیا تھا۔ اور یہ لوگ زیادہ تر اپنی بُرائیوں و شرارتوں کے لئے ہی ویدک احکام پیش کیا کرتے تھے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ عوام میں نہ تو اُن لوگوں کو کامیابی حاصل ہوتی تھی۔ اور نہ ہی ویدوں اور دوسرے دھرم گرنتھوں کی عزت لوگوں کے دلوں میں قایم رہتی تھی۔ اور ایک وقت ایسا بُرا آ گیا۔ جبکہ جینی لوگ ویدوں کو پاؤں تلے

روندتے تھے۔ اور جو بعض تی ان دھرم گرنتھوں کی وہ کرسکتے تھے کرتے تھے، یہ وقت ان
لوگوں کے لیئے جنکے دلوں میں ابھی تک ویدوں کی عزت اور عظمت قائم تھی بڑا سخت
تھا۔ زور آور لوگ ان کو بھی ستاتے اور دھمکاتے تھے، یہ لوگ مارے جاتے تھے۔ اور
ان کے گھر بار لوٹ لیئے جاتے تھے۔ مگر انھوں نے ویدوں کا ساتھ نہ چھوڑا۔ براہمن
خاندان کے لوگوں کو ان ایام میں سخت قربانیاں کرنی پڑیں۔ انھوں نے یہ دیکھ کر کہ
وید کہیں لوپ ہی نہ ہو جاویں۔ ان کے مضامین کو حفظ کرنا شروع کر دیا۔ مگر یہ حالت
زیادہ دیر تک قائم نہ رہی۔

دیش کی یہ حالت تھی جبکہ دکن میں راجہ راج شیکھر نامی کی سلطنت میں کالٹی شل
گاؤں میں جو کہ کوہ درشادری پر واقع تھا مہاراجہ یدھشٹر کے ۲۱۵۸ سال بعد یا بدھ
کے دو صد سال بعد شنکر آچاریہ کی پیدائش ہوئی۔ شنکر آچاریہ کا باپ شیو گرو پنڈت
سنسکرت زبان کا بڑا عالم اور ویدوں کا بڑا بھگت تھا۔ شنکر کی ماتا ستی بھی نیک مزاج
اور دھرماتما تھی۔ ان دونوں کا آپس میں بڑا پریم تھا۔ اور اپنے گاؤں میں یہ بڑی عزت
سے دیکھے جاتے تھے۔ شنکر بوڑھاپے کی عمر میں پیدا ہوا تھا جس کی وجہ سے یہ
اپنے والدین کا بڑا لاڈلا تھا۔ اور ماتا اس سے اس قدر پریم کرتی تھی کہ اسے ایک منٹ
کے لیئے اپنی آنکھوں سے اوجھل نہ ہونے دیتی تھی۔ باپ کی محبت کا بھی یہی حال تھا۔
شنکر کی عمر ابھی تین سال کی بھی نہ ہونے پائی تھی کہ باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔
یہ ایک ایسا صدمہ تھا۔ جو شنکر اور اس کی ماتا آسانی سے برداشت نہ کر سکتے تھے۔
مگر پرماتما کے حکم کے آگے کون چوں و چرا کر سکتا ہے۔ جو اس دنیا میں آیا ہے۔ وہ
ایک دن ضرور کوچ کریگا اور اس دنیا کو چھوڑ جاویگا۔ شیو گورو کو مرتے وقت خود
اس بات کا بڑا افسوس تھا کہ وہ یتیم بچے کو کس بیکسی کی حالت میں چھوڑے جاتا ہے
اس نے شنکر کی ماتا ستی سے وصیت کی کہ وہ شنکر کو پڑھانے اور شکشا دینے میں کوئی

کسر اُٹھا نہ رکھے۔ روتی ہوئی ستی نے اپنے پتی کو جواب دیا کہ "اچھا! جہاں تک مجھ
سے ہو سکیگا۔ میں شنکر کو تعلیم و تربیت دونگی۔" دُنیا میں بہت کم بڑے آدمی ہوئے
ہیں جن کو بچپن میں اس قسم کے صدمات اُٹھانے نہ پڑے ہوں۔ زیادہ تر تعداد تو
ایسی پائی جاتی ہے۔ کہ قُدرت نے شروع زندگی سے ہی اُنہیں آزمائش میں ڈال کر
پختہ کرنا شروع کر دیا۔ معلوم نہیں۔ کامیابی کی یہی راہ ہے۔

باپ کی وفات کے بعد شنکر کی پرورش اُس کی والدہ کے سپرد ہوئی۔ اور اس نے بڑی
محبّت سے اسے پالا۔ جب شنکر بولنے لگا تو ستی نے اِسے وید منتر سکھانے شروع کئے۔
اور چھوٹی سی عُمر میں درجنوں وید منتر اس کو حفظ یاد ہو گئے۔ جب شنکر کی عُمر پانچ سال
کی ہوئی۔ ماتا نے اِسے یگیوپویت پہنا کر گورو کل میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے بھیج دیا۔
اُن ایام میں تعلیم کا یہ طریقہ نہ تھا جو آج ہم کو نظر آتا ہے۔ آج غریب لوگ تعلیم حاصل
کرنے سے معذور ہیں۔ اور انہیں اس کے لئے بڑی جدوجہد کے بعد بھی ناکامیابی کا
مُنہہ دیکھنا پڑتا ہے۔ مگر ہمیشہ سے یہ حالت نہیں رہی۔ جس وقت شنکر اس دُنیا
میں موجود تھا۔ اُس وقت ہر شخص اپنے بچّوں کو پڑھانے کے لئے مجبور تھا۔ اور
پڑھائی کے لئے ہر شخص کو اپنے بچّوں کے لئے کچھ زیادہ خرچ نہ کرنا پڑتا تھا۔ شنکر
گورُوکل میں چلا گیا اور شکشا پانے میں مصروف ہو گیا۔

شنکر کے جیون کے حالات مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے گاؤں کے
لوگ اُس کے خاندان سے ہمدردی کی بجائے نفرت اور بدسلوکی کرتے تھے۔ ایک
شخص نے اس کی وجہ شنکر کے والدین کا غریب ہونا لکھا ہے۔ مگر یہ وجہ تحقیقات
کے لئے کافی نہیں کہی جا سکتی۔ اصل وجہ یہ ہے کہ شنکر کا باپ ویدک دھرم کو
مانتا تھا۔ مگر دُوسرے لوگ جینی اور بودھ تھے۔ جو اس سے اکثر بحث مباحثہ کر کے
اسے تکلیف پہنچاتے رہتے تھے۔ شنکر کے خاندان کے دُوسرے بہت سے رشتہ دار

بھی ویدک دھرم کو چھوڑ کر جینی وغیرہ ہو گئے تھے۔ مگر شنکر کے باپ نے اِس بات کو گوارا نہ کیا۔ اِس لئے اُسے اکثر اپنی زندگی میں تکالیف اور مصائب کا سامنا کرنا پڑا شیو گورو نتمے بعد شنکر کی ماتا کو اس مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن یہ دیوی اس مخالفت سے ذرا نہ گھبرائی۔ بلکہ اپنے پتی کے بعد بھی جبکہ اِس کا دُنیا میں کوئی سہارا نہ تھا ویدک دھرم کا دم بھرتی رہی۔

گورو کل میں جا کر شنکر نے اپنی ہوشیاری اور محنت کی وجہ سے اپنے ہم عُمر بالکوں میں عزّت حاصل کرنی شروع کی۔ اس کا ذہن اس قدر رسا تھا کہ بعض اوقات گورو بھی دیکھ کر حیران رہ جاتا تھا۔ اور کبھی کبھی تو اُس کے مُنہ سے نکل جاتا تھا کہ "شنکر! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تو اِس دُنیا میں پڑھا پڑھایا آیا ہے" شنکر پندرہ سال کی عمر تک اس گورو کل میں تعلیم حاصل کرتا رہا۔ اور اس اثنا میں اُس نے وہ تمام کُتب پڑھ لیں جو دُوسرے لڑکے بیس بیس سال کی عمر میں بھی نہ پڑھ سکتے تھے۔ ایک دن یہ دُوسرے بالکوں کے ساتھ نزدیک کے قصبہ میں بھکشا مانگنے گیا۔ اور ایک بڑھیا کے دروازے پر دستک دی۔ یہ بڑھیا بڑی غریب تھی۔ اور بدقسمتی سے اُس وقت اس کے پاس برہمچاری کو دینے کے لئے کچھ بھی نہ تھا۔ وہ دروازہ پر آئی اور بڑے افسوسناک لہجہ میں بولی "ودیارتھی! میں بڑی شرمندہ ہوں۔ میرے گھر میں آج اتنا بھی نہیں ہے کہ میں ایک ودیارتھی کو چٹکی بھر آٹا دے سکوں۔ اور مجھے اس بات کا بڑا دُکھ ہے کہ ایک ودیارتھی جو میرے مکان پر بڑی آشا سے آیا ہے۔ نراش واپس جاتا ہے۔" شنکر کے دل پر اس جواب کا بڑا اثر ہوا۔ اُس نے بڑھیا کی طرف دیکھا اور آگے کو قدم بڑھا کہ چلنے لگا۔ ابھی میں ہی مکان کے صحن میں کچھ آواز سنائی دی۔ بڑھیا دوڑی گئی۔ اور دیکھا کہ آنولے کے درخت سے جو اُس کے صحن میں لگا ہوا تھا۔ ایک آنولہ ابھی ٹوٹ کر گرا ہے۔ اُس نے اسے اُٹھا لیا۔ اور شنکر کو آواز دی۔ شنکر نزدیک ہی تھا۔ آواز سُنکر اُس کے پاس آگیا۔

شنکر: ماتا! کیا آگیا ہے؟ بڑھیا: بیٹا! ایشور نے میری لاج رکھی۔ میرے آنولہ کے درخت سے ایک تازہ آنولہ ابھی گرا ہے۔ یہ لے میں تجھے دیتی ہوں۔ تو میرے گھر سے خالی ہاتھ نہ جا۔
شنکر: ماتا! تو دھنیہ ہے۔ جو ایک نردھن غریب ودیارتھی کی ایسی دلجوئی کرتی ہے۔
یہ کہہ کر شنکر نے بڑے آدر اور پریم سے وہ آنولہ لے لیا اور آگے کو چل دیا۔ راستہ میں شنکر اس بات کو سوچتا جاتا تھا کہ کس قدر نیک دیوی ہے۔ اس کی غریبی نے تو شنکر کے دل پر ایسا اثر کیا کہ دو چار گرم گرم آنسو بھی اس کی آنکھوں سے نکل پڑے اس کے ساتھ ہی شنکر کو اپنے گھر کی حالت یاد آگئی۔ ماتا کی پیاری پیاری باتیں اور غریبی کی حالت یاد کر کے اس کا دل اور بھی بھر آیا۔ اور جب تک گوروکل میں نہ پہنچ گیا۔ اس کے دل میں یہی خیالات رہے۔ گوروکل میں پہنچ کر بھی بہت دیر تک وہ انہی خیالات میں مگن رہا۔

گوروکل کی تعلیم ختم کر کے شنکر اپنے گھر چلا آیا۔ بوڑھی ماتا اپنے لخت جگر کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔ اب شنکر بڑا اور جوان ہو گیا تھا۔ بعض باتوں میں اس کی واقفیت اپنے باپ سے بھی زیادہ تھی اور بقول "اے روشنیٔ طبع تو بر من بلا شدی" شنکر کے لئے بڑی مصیبت آئی۔ برادری کے لوگ اس سے بڑی نفرت کرنے لگے۔ اور بات بات میں حجتیں نکالنے لگے۔ لیکن شنکر نے ذرا پرواہ نہ کی اور نہ ہی سنی نے ان لوگوں کی طرف زیادہ التفات کی۔ ابھی شنکر کو گھر آئے تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا کہ اس کی پیاری ماتا بیمار ہو گئی۔ شنکر اس کے علاج میں مصروف ہوا۔ مگر بیماری دن بدن بڑھتی گئی۔ جب اس نیک دیوی کو معلوم ہو گیا کہ اب آخری وقت آپہنچا ہے۔ اس نے شنکر کو اپنے پاس بٹھا کر مندرجہ ذیل باتیں کہیں:۔
"بیٹا شنکر! یہ دنیا عجیب طرح کی ہے۔ اس میں بڑے بڑے صدمات سہنے پڑتے ہیں۔ میں نے اپنی عمر میں بڑے بڑے خطرات کا سامنا کیا ہے

اب میرا آخری وقت ہے۔ میں نے اپنی عمر بھوگ لی ہے۔ لیکن تو ابھی بچہ ہے۔ تو نے حال ہی میں دُنیا کے سمندر میں قدم رکھا ہے۔ اِس سمندر میں بڑی بڑی لہریں اُٹھتی رہتی ہیں۔ جو کبھی انسان کو نیچے لے جاتی ہیں۔ اور کبھی اُوپر لے آتی ہیں۔ بزدل ڈرپوک شخص اِن لہروں کا غلام ہو جاتا ہے۔ جدھر وہ چاہتی ہیں۔ اُدھر لے جاتی ہیں۔ اور میرا بچہ بچپن میں ہی انسانی عمر کا خاتمہ کر دیتی ہیں۔ لیکن بہادر اور باہمت شخصوں کا یہ شیوہ نہیں ہے۔ وہ ان لہروں کا مقابلہ کرتے ہیں اور آپ اپنا راستہ بناتے ہیں۔ یہ دُرست ہے کہ اُن کو بھی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ بلکہ بعض اوقات اُن کو مشکلات زیادہ حیران کر دیتی ہیں۔ مگر بہادر لوگ ان مشکلات کی بال برابر بھی پرواہ نہیں کرتے۔ اور زندگی میں جس کام کے پیچھے لگتے ہیں۔ اُسے پورا کر کے چھوڑتے ہیں۔ پس میں تجھے آخری وقت میں یہ نصیحت کرتی ہوں کہ استقلال کو کبھی ہاتھ سے نہ دینا۔ دُکھوں اور مصیبتوں سے کبھی نہ گھبرانا۔ اکیلا ہونے کا کبھی غم نہ کرنا۔ نیکی کی باتوں سے مُنہ نہ موڑنا۔ سچائی کو ہاتھ سے نہ دینا۔ دوست دُشمن سب کے ساتھ نیکی سے پیش آنا۔ استری اور عالم کی ہمیشہ عزت کرنا۔ یہ باتیں بڑی ضروری ہیں۔ ان پر عمل کرتے ہوئے تو اپنی زندگی میں کامیاب رہیگا۔“

یہ سُنکر کہ اب ماتا کا آخری وقت ہے۔ شنکر سوامی کو بڑا فکر ہوا۔ وہ ٹکٹکی باندھ کر اُسکے پیارے اور بھولے بھالے چہرہ کی طرف دیکھنے لگا۔ جہاں اس کے لئے ہمیشہ پیار اور محبت کا خزانہ بھرا رہتا تھا۔ بوڑھی ماتا کا جسم بڑا کمزور ہو گیا تھا۔ تمام ہڈیاں ہی ہڈیاں رہ گئی تھیں۔ نبض ڈھیلی پڑ گئی تھی۔ مگر چہرے کا جلال پھر بھی بدستور تھا۔ یہ نظارہ دیکھ کر شنکر سوامی کے استقلال کی باگ ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ اور وہ اپنے ایک پُرانے مربّی کو ہمیشہ کے لئے جُدا ہوتے دیکھ کر بیقرار ہو کر رونے لگا۔ جب ستی نے اپنے لختِ جگر کو اپنی جُدائی

کے غم میں رونتے دیکھا۔ اُس کی بیکسی کا خیال کر کے اُس کی آنکھیں بھی آنسوؤں سے تر ہو گئیں۔ اور چند منٹ تک دونوں کی یہی حالت رہی۔ آخر ستی نے حوصلہ کر کے کہا:
"شنکر! اب رونے کا وقت نہیں ہے۔ یہ شانتی کا وقت ہے۔ یہ غور اور فکر کا وقت ہے۔ یہ شکشا کا وقت ہے۔ اِسے ضائع نہ کرنا چاہیئے۔ میں اب چند منٹ کی مہمان ہوں۔ میری باتوں کو جو میں آخری وصیت کے طور پر کرنا چاہتی ہوں۔ غور سے سُن کہ تیرے کام آوینگی۔ ہمارا گھر ہمیشہ سے وید رکشک مشہور رہا ہے۔ تیرے پتا نے اِسکے لئے بڑے بڑے دُکھ سہے ہیں۔ مگر اِس کام کو ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ میری یہ خواہش ہے کہ میرا بیٹا شنکر بھی باپ کے نقش قدم پر چلے۔ اور ویدوں کی رکشا اُسی طرح کرے۔ اِس وقت وید کے مخالفوں کا بڑا زور ہے۔ اور ویدوں کی بڑی نندا ہوتی ہے۔ یہ درست ہے کہ یہ وقت گذر جاویگا اور ویدک آفتاب پھر چمکیلا ہوگا۔ لیکن میری خواہش ہے کہ شیو گورو کے پُتر شنکر کا بھی اِس میں کچھ نہ کچھ ہاتھ ہو۔ یہی میری وصیت ہے۔ بیٹا! تو میرے سامنے پرگیا کر کہ تمام عمر وید رکشا میں لگا رہیگا۔"
شنکر نے ماتا کا حکم سُنکر اُسی وقت گردن جھکا دی۔ اور اُس کے ہاتھ کو بوسہ دیکر کہا۔
"ماتا! جب تک شنکر کے دم میں دم ہے جب تک آنکھیں دیکھتی ہیں۔ کان سنتے ہیں۔ پاؤں چلتے ہیں اور ہاتھ حرکت کرتے ہیں۔ ناک سونگھتا ہے اور زبان بولتی ہے۔ شنکر وید رکشا کا کام کرتا رہیگا۔" یہ جواب سُنکر ستی کی تسلی ہوگئی۔ اُس نے آنکھیں بند کر لیں۔ اور ایسی بند کیں کہ پھر نہ کھلیں۔ ستی شانت ہوگئی تھی۔ اور ہمیشہ کے لئے شانت ہوگئی تھی شنکر سوامی نے دیکھا کہ پیاری ماتا اب زندہ نہیں ہے۔ غم نے اس کی کمر ہمت کو توڑ دیا۔ مگر وہ اُٹھا اور ماتا کے داہ کرم میں مصروف ہوگیا۔ بعض کُتب کے مطالعہ سے معلوم

ہوتا ہے کہ ایسے وقت میں بھی جبکہ دوسرے لوگوں کی مدد کی بڑی ضرورت ہوتی ہے۔
شنکر کی برادری کے لوگوں نے اُس کی مدد نہ کی۔ اور شنکر کو بہت سا کام خود ہی کرنا پڑا!
ماتا کا داہ کرم کرنے کے بعد شنکر کو فرصت ہوئی۔ اور سوچنے لگا کہ اب کیا کرنا چاہیئے؟

شنکر ودوان تو تھا ہی۔ اُس نے ارد گرد کے لوگوں کے ساتھ بحث مباحثہ شروع کیا
اور ویدوں کے بارہ میں چرچا شروع ہو گئی۔ بعض مورخوں کا خیال ہے کہ شنکر اُپنشدوں
کو ہی وید خیال کرتا تھا۔ کیونکہ اُس کی تصانیف میں ویدوں کا بہت کم ذکر پایا جاتا ہے
اور ممکن ہے یہ خیال درست ہو۔ شنکر کی ودّیا نے بہت جلد میدان مار لیا۔ اور اُس کے
گھر کے تھوڑے فاصلہ پر کوئی شخص ایسا نہ رہا۔ جو شاستر ارتھ کرنے کیلئے شنکر کا مقابلہ
کر سکے۔ شنکر کی لیاقت کا چرچا دُور دُور ہونے لگا۔ بہت سے لوگ اس سے ملنے اور بات چیت
کرنے کیلئے اس کے پاس آتے تھے۔ اور اس کے ساتھ بات چیت کر کے خوش ہوتے تھے۔
شنکر سب کے ساتھ خلق سے پیش آتا تھا۔ اور اپنے اچھے سلوک سے سب کو گرویدہ کر
لیتا تھا۔ جب شنکر کی لیاقت کا چرچا زیادہ پھیلا۔ کیرل دیش کے راجہ کو خواہش ہوئی کہ
شنکر کو اپنا راج پنڈت مقرر کرے۔ چنانچہ اُس نے اپنے کئی آدمی شنکر کے پاس بہت سے
تحفہ تحائف دیکر روانہ کیئے کہ وہ اُسے دربار میں لے آویں۔

شنکر اپنی عمر کے لئے کچھ اور ہی پروگرام بنا رہا تھا۔ بلکہ قریباً بنا چکا تھا جس وقت
راجہ کیرل کے لوگ اُس کے پاس پہنچے۔ اور اُس سے کہا کہ وہ چلکر راج پنڈت کی گدّی
کو سوشوبھت کرے تو اُس نے کیرل جانے سے انکار کر دیا اور کہہ دیا کہ میں سنیاسی ہو کر
ویدک دھرم کا اُدّھار کرنا چاہتا ہوں۔ یہ لوگ بڑے حیران ہوئے کہ عجیب شخص ہے۔
ایک راجہ اسے بڑی عزت سے بُلاتا ہے۔ مگر یہ جانے سے انکار کرتا ہے۔ انہوں نے شنکر
سے کہا کہ یہ وقت پھر ہاتھ نہ آویگا۔ اور زور دیا کہ وہ ضرور اُن کے ساتھ کیرل دیش کو چلے۔
مگر شنکر خاموش رہا۔ آخر یہ لوگ چلے گئے۔ شنکر کے جواب نے راجہ کیرل کے دل میں شنکر سے

جلنے کی آگ اور بھی بھڑکا دی۔ اور وہ دس ہزار اشرفیوں کی بھینٹ لیکر شنکر سوامی کے گھر خود آیا۔ شنکر نے اُس کی بڑی تعظیم کی۔ اور اچھی طرح بٹھایا۔ لیکن جب اُس نے اِسے ساتھ چلنے کے لئے کہا تو شنکر نے انکار کر دیا۔ پھر راجہ نے اُسے اشرفیوں کی تھیلیاں دیکر کہا کہ اچھا! میرے تین ناٹکوں کو درست کر دو۔ شنکر نے یہ درخواست منظور کر لی۔ اور ناٹک دیکھنے کے لئے رکھ لئے۔ مگر روپیہ کو ہاتھ نہ لگایا۔ بلکہ راجہ کو کہا کہ اِسے کسی دھرم ارتھ کام میں صرف کر دینا چاہیئے۔ راجہ مایوس ہو کر اپنی راجدھانی کو چلا گیا۔ اور چند روز بعد شنکر نے اُس کے ناٹک درست کر کے اُس کے پاس بھیج دیئے۔

سنیاسی بنکر تمام دیش میں ایشور پرستی کا جذبہ بلند کرنے کے خیالات شنکر کے دل کو بیچین کر رہے تھے۔ آخر اُس نے ایک کامل گورو کی تلاش شروع کی۔ اور جب اُسے معلوم ہؤا کہ گووند ناتھ سنیاسی بڑا نیک اور عالم ہے۔ یہ اُس کے آشرم کی طرف چلا گیا۔ یہ شخص بڑا یوگی اور ایشور پرست تھا۔ شنکر اس کے پاس آکر بڑا خوش ہؤا۔ اور اس کے شاگردوں میں شامل ہو گیا۔ گورو بھی شنکر کی لیاقت اور قابلیت کو دیکھ کر خوش ہؤا اور بڑی توجہ سے اِسے تعلیم دینے لگا۔ یہاں شنکر سوامی کئی سال تک پڑھتا رہا۔ اس نے گورو کی سیوا ایسی من لگا کر کی کہ وہ ہمیشہ اس سے آنند رہتا تھا۔ جب ودیّا سماپتی کا وقت آیا۔ شنکر نے گورو سے جانے کی آگیا مانگی۔ گووند ناتھ اس کے خیالات سے تو پہلے ہی آگاہ ہو چکا تھا۔ جاتے وقت اُس نے شنکر کا حوصلہ بڑھانے کے لئے اُسے کئی نیک ہدایات دیں۔ اور کہا کہ کاشی علمیت کا گڑھ ہے۔ جب تک کوئی شخص یہاں پر اپنی علمیت اور قابلیت کا ڈنکہ نہ بجا لے۔ اُسے دیش کے دوسرے حصوں میں کامیابی حاصل ہونی مشکل ہے اور شنکر کو حکم دیا کہ سب سے پہلے کاشی میں جاکر ایشور پرستی کا جھنڈا بلند کرے۔

گورو کی آگیا پاکر شنکر کاشی کی طرف آیا۔ اُن دنوں کاشی کی عجیب حالت تھی۔ اِس کی گذشتہ روایات پر بودھ اور جینی لوگوں نے غلبہ حاصل کر لیا تھا اور کاشی جو کبھی خدا پرستی

کی تعلیم کے لئے مشہور تھا۔ آج کل ناستکتا کی تعلیم کے لئے مشہور ہو رہا تھا۔ شنکر نے یہاں آتے ہی اپنا کام شروع کر دیا۔ شنکر کا نام سُنکر کئی دُوسرے لوگ جو ایشور پرست تھے۔ بنارس میں آ گئے۔ اور شنکر کے ساتھ مل کر وید پرچار کا کام کرنے لگے۔ بنارس میں آنے کے چند روز بعد سوامی شنکر نے ایک چنڈال کو شُدّھ کر کے اپنے ساتھ ملا لیا۔ اس پر بنارس میں بڑا غُل مچا۔ اور شنکر کے ساتھ بحث مباحثہ تک نوبت پہنچی۔ شنکر تو یہ چاہتا ہی تھا۔ چنانچہ اُس نے شاستر ارتھ میں اپنے مخالفوں کو شکست فاش دی۔ اور اپنی قابلیت کا سکّہ ہر خاص و عام کے دلوں پر بٹھا دیا۔

اس مشہور شاستر ارتھ کے بعد شنکر نے بنارس میں اُپدیش کا سلسلہ جاری کیا۔ اور ہر شخص کو چیلنج دیا کہ جو ایشور کی ہستی سے مُنکر ہے۔ وہ اپنی دلائل دے۔ کئی بڑے بڑے ناستک اس کے پاس گئے اور اُس کی دلائل سُنکر ایشور پرست بن گئے۔ اور کئی لوگ شنکر کے شاگردوں میں شامل ہو گئے۔ انسانی دل کا خاصہ ہے کہ یہ بعض جگہ بہت جُھک جاتا ہے۔ چنانچہ شنکر بھی اپنے ایک شاگرد سنندن پر بہت خوش تھا۔ سنندن شنکر کی بڑی عزت کرتا تھا۔ اور خود بھی بڑا لائق تھا۔ کئی کاموں کو وہ خود ہی سر انجام دیتا تھا۔ اور بنارس میں شنکر کے لئے اُس نے بہت سے مفید کام کئے۔ شنکر کے اس سے بہت ہی خوش ہونے کی کئی خاص وجوہات بھی ہیں۔ ایک موقعہ پر شنکر گنگا کے دُوسرے کنارے پر تھا۔ اور اُسے ضرورت ہوئی کہ ایک اور آدمی اُس کے ساتھ ہو۔ اُنہوں نے اپنے شاگردوں کو پکارا کہ ایک آدمی اُس کے پاس چلا آوے۔ گنگا بہت چڑھی ہوئی تھی۔ کسی شاگرد کا حوصلہ نہ پڑا کہ اپنے آپ کو خطرے میں ڈالے۔ سنندن اس وقت یہاں موجود نہ تھا۔ جب وہ اس جگہ آیا اور اُسے حال معلوم ہوا۔ وہ فوراً گنگا میں کود پڑا۔ اور تیر کر شنکر کے پاس چلا گیا۔ شنکر نے اسے شاباش دی اور اس کی پیٹھ پر پریم سے ہاتھ پھیرا۔ اور بھی کئی موقعوں پر سنندن نے شنکر سوامی کے لئے اپنی

جان کو جوکھوں میں ڈالا تھا۔ اور یہی وجہ تھی کہ شنکر اُس سے بہت پیار کرتا تھا۔
جب یہ وید انکھانی اور ایشور پرستی کا دلدادہ کاشی میں پرچار کر رہا تھا۔ اور ناستک منڈلی کے پرخچے اُڑا رہا تھا۔ اسے معلوم ہُوا کہ پریاگ (الہ آباد) میں ایک شخص کمارل بھٹ ہے۔ جو ویدوں کا بڑا پنڈت ہے اور جینی لوگ اُس سے مباحثہ کرنے سے بہت کتراتے ہیں۔ اس کے دل میں کمارل سے ملنے کی بڑی خواہش پیدا ہوئی۔ اور وہ اس سے ملنے کے لئے فوراً بنارس سے چل پڑا۔ جس وقت یہ پریاگ پہنچا۔ اسے یہ وحشتناک خبر ملی کہ کمارل بھٹ چتا تیار کر کے زندہ جل مرنے کو ہے۔ یہ دوڑ کر اُس جگہ گیا۔ اور دیکھا کہ کمارل بھٹ جل مرنے کو تیار ہے۔ تاریخ سے ہم کو یہی پتہ لگتا ہے کہ کمارل نے اپنے آپ کو زندہ آگ میں جلا دیا تھا۔ ورنہ عقل حیران ہے کہ ایسے عالم پنڈت نے خودکشی جیسا مذموم فعل کیونکر پسند کیا۔ جس وقت شنکر اس کے پاس گیا۔ اس نے بڑی عزت سے اسے پرنام کیا۔ اور کہا کہ "کمارل! شنکر آپ سے ملنے کے لئے آیا ہے اور آپ سے چند باتیں کرنی چاہتا ہے۔" کمارل شنکر کا نام سُن کر خوش ہو گیا۔ اور چتا سے اُتر آیا۔ اُس نے چتا سے اُترتے ہی جس میں کہ ابھی آگ لگائی جانے والی تھی شنکر کو بغل میں لے لیا۔ اور بڑے پریم سے کہا کہ "شنکر! میں نے آپ کا نام سُنا ہے۔ اور میں خوش ہوں کہ آپ جیسے نوجوانوں نے ویدک دھرم کو از سرِ نو زندہ کرنے کا بیڑا اُٹھایا ہے۔" شنکر کے منہ سے کوئی بات نہ نکلتی تھی۔ وہ کمارل کی حالت دیکھ کر حیران تھا کہ یہ عجیب آدمی ہے ویدک دھرم کے پرچار کا تو اسے اس قدر خیال ہے۔ مگر خود زندہ جل مرنے کی تیاری کر رہا ہے۔ شنکر کی سمجھ میں یہ معمہ نہ آیا۔ اور اُس نے کمارل کو مخاطب کر کے کہا:-
شنکر: "میں کئی باتیں آپ سے پوچھنی چاہتا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ آپ ان تمام باتوں کا سب جواب مجھے دینگے۔"
کمارل:- بیشک میں آپ کے سوالوں کے جواب دوں گا۔ آپ جلدی کریں۔

شنکر:- میں دریافت کرتا ہوں کہ ایسے وقت میں جبکہ تمام دیش میں خوفناک ناستکتا پھیل رہی ہے۔ اور ویدک دھرم لوپ ہو رہا ہے۔ کمارل جو ویدوں کا بڑا پنڈت ہے۔ اور جس کی ویدک دھرم کے پرچار کے لئے بڑی سخت ضرورت ہے کیوں خودکشی کرتا ہے؟

کمارل:- یہ درست ہے کہ بھارت ورش میں ویدک دھرم کو بڑا دھکا لگ رہا ہے۔ ناستک لوگوں کا بڑا زور ہے اور اس میں بھی شک نہیں کہ اس وقت بھارت کو ایسے آدمیوں کی بڑی ضرورت ہے۔ جو ملک سے ناستکتا کا ناش کر سکیں۔ لیکن میں خودکشی کرنے کو مجبور ہوں۔ اور میں ضرور جل کر اپنا خاتمہ کرونگا۔

شنکر:- اے کمارل! وہ کونسی بات ہے۔ جس نے آپ کو اس کام کے لئے مجبور کیا ہے۔ آپ کی ملک کو بڑی ضرورت ہے۔ میں بڑی دور سے آپ سے ملنے کو آیا ہوں۔ آؤ! ہم دونوں مل کر ویدک دھرم کا پرچار کریں اور ملک کو تباہی سے بچالیں۔

کمارل:- میرے دل میں ویدک دھرم کے لئے بڑی عزت ہے اور ویدک دھرم کے پرچار کے لئے میں اپنا تن من اور دھن سب کچھ نچھاور کرنے کے لئے تیار رہا ہوں۔ میں نے اس کام کے لئے کئی شاگرد بھی تیار کئے ہیں۔ جن میں سے منڈن مشر سب سے زیادہ لائق اور نیک ہے۔ میں نے بچپن میں بودھ لوگوں سے تعلیم پائی تھی۔ اور بڑا ہو کر ان کے خلاف ہی اپدیش شروع کیا۔ میرے اپدیش کی بدولت کئی بودھ لوگوں کے جن میں میرے استاد بھی تھے سر کٹے ہیں۔ مجھے اس بات کا بڑا رنج ہے۔ میں اپنے آپکو آگ میں جلا کر اس کا پرائسچت کرونگا۔ اور کوئی طاقت مجھے میرے فیصلہ سے روک نہیں سکتی۔

شنکر:- کمارل! تو دھنیہ ہے۔ تیرے دل میں دھرم کے لئے بڑا پیار ہے۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ ابھی مرنے اور جان دینے کا وقت نہیں ہے۔ دیش میں ناستکتا کا بڑا زور ہے۔ درست کرنے کا خیال چھوڑ دے۔ اور آ۔ ملک میں دھرم کی ڈھجا گاڑنے میں میرا ہاتھ

شنکر سوامی نے بڑا زور لگایا۔ لیکن کمارل نے ایک نہ مانی۔ اُس نے یہی کہا کہ مَیں اب اس شریر کو آگ میں جلائے بغیر نہ رہُونگا۔ یہ کہہ کر وہ چتا پر چڑھ گیا۔ اور اپنے بہت سے شاگردوں اور شنکر کے دیکھتے دیکھتے جل کر مر گیا۔ اِس کے بعد شنکر واپس لوٹا۔ اور منڈن مشر کے گھر پہنچا منڈن نے شنکر کا بڑے آدر سے استقبال کیا۔ اور اُسے آسن پر بٹھایا۔ شنکر نے منڈن کو کمارل کا سندیسہ دیا۔ اور کہا کہ اُسے اُس کے ساتھ مِل کر ویدک دھرم کا پرچار کرنا چاہیئے مگر منڈن اور شنکر کے درمیان بعض اُمور پر اختلاف رائے ہو گیا۔ منڈن کہتا تھا کہ وہ راستی پر ہے۔ مگر شنکر کا دعوےٰ تھا کہ وہ راستی پر ہے۔ آخر بحث مباحثہ تک نوبت پہنچ گئی۔ اور دونوں پہلوان میدان مناظرہ میں اُترے۔ تاکہ اپنے اختلافات کو آپس کی بات چیت سے مٹا دیں۔

مباحثہ سے پہلے کسی شخص کا مدھیست ہونا ضروری تھا۔ مگر کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ اپنے آپ کو اس پدوی کے لیئے پیش کرے۔ شنکر برہمچاری تھا۔ اُس کے چہرہ کا جلال دُوسرے لوگوں کے جو مدھیست بننے کا خیال کرتے تھے۔ حوصلوں کو پست کرتا تھا۔ منڈن مشر کی پہلے سے ہی دھاک بندھی ہوئی تھی۔ غرض بہت سا وقت اسی طرح ضائع ہو گیا۔ آخر جب دیکھا کہ کوئی مرد اس پدوی کو لینے کے لیئے آگے نہیں بڑھتا تو منڈن مشر کی استری سرسوتی نے اپنے آپ کو پیش کیا کہ وہ مدھیست بن کر بحث سُنیگی۔ اور جس کا پکش راستی پر ہوگا۔ اُس کے حق میں فیصلہ دیگی۔

آج کل اگر کبھی آریہ سماجی پنڈت اور سناتنی پنڈت میں بحث شروع ہوتی ہے تو دونوں طرف سے کہا جاتا ہے کہ صاحب منصف کوئی عیسائی یا مسلمان ہونا چاہیئے۔ دونوں اپنے خدا سے اختلاف سے ایک ہی دھرم کو ماننے والے ہوتے ہیں۔ مگر آپس کے وشواس کی یہ حالت ہے کہ اپنی چیز ایک غیر کے ہاتھ میں دینے سے بھی اُن کو لجیا نہیں آتی۔ کاش وہ شنکر سوامی کے وشواس سے سبق سیکھیں کہ کس طرح اُس نے سرسوتی کو پردھان بنانا

سویکار کر لیا۔ حالانکہ وہ جانتا تھا کہ منڈن مشر کے ساتھ اُس کے کیا تعلقات ہیں؟
خیر بحث شروع ہوئی۔ کئی گھنٹوں تک دونوں طرف سے دلائل اور پرمان دئے جاتے رہے۔ دونوں کے خیالات سرسوتی خوب غور سے سنتی رہی۔ آخر جب اُس سے فیصلہ مانگا گیا۔ اُس نے کہا کہ شنکر کا پکش زبردست ہے۔ اُس نے اس بات کی پرواہ نہیں کی کہ شنکر کی فتح سے اُس کے پتی کی عزت کو کیا نقصان پہنچ گیا۔ اور اُس کے ہمعصروں و شاگردوں کی نظروں میں اُس کی وقعت کہاں تک گر جاوے گی۔ اس قسم کے کمزور خیالات کو اُس نے پاس تک بھی نہ پھٹکنے دیا۔ اور فیصلہ دیا کہ منڈن مشر اپنے پکش کو ثابت نہیں کر سکا۔ منڈن مشر نے اپنی استری کا فیصلہ سنتے ہی شنکر کے قدموں میں سر جھکا دیا۔ اور اُسے گورو مان لیا۔ مگر سرسوتی نے شنکر سے کہا کہ اُس نے منڈن کا ایک حصہ فتح کیا ہے۔ ابھی دوسرا حصہ فتح کرنا باقی ہے۔ اس سے سرسوتی کا مطلب یہ تھا کہ وہ خود شنکر سے بحث کرنا چاہتی تھی۔ شنکر نے اس چیلنج کو حیرانی کے ساتھ سُنا۔ وہ گھبراتا تھا کہ اگر ایک عورت نے اُسے میدانِ مناظرہ میں ہرا دیا۔ تو اُس کی عزت خاک میں مل جائیگی لیکن وہ اس چیلنج کو نامنظور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اس لئے سرسوتی کے ساتھ شاستر ارتھ سویکار کر لیا۔ اس مباحثہ میں شنکر کو بڑی دقت کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن آخر اس نے فتح پائی۔ اور سرسوتی نے اس کی علمیت اور سچائی کے آگے سر جھکا دیا۔

اس میدان کو مار کر شنکر کا حوصلہ بہت بڑھ گیا۔ اُس نے اپنے شاگردوں کے ساتھ دیش میں چکر لگانا اور ناستک لوگوں کے ساتھ بحث شروع کی۔ لوگوں کا خیال ہے کہ مہاتما بُدھ سے پہلے بھارت ورش میں ناستک نہیں تھے۔ مگر یہ خیال بالکل غلط ہے۔ دراصل ناستک لوگوں کا سب سے پہلا گورو چارواک مہابھارت کے زمانہ میں ہوا ہے۔ اور بُدھ نے بھی ان لوگوں کے خیالات کو بہت کچھ اپنے اندر

دھارن کیا تھا۔ جہاں کہیں شنکر کے قدم گئے۔ ناستکتا کا بیج ناش ہوتا گیا۔ کوئی ناستک شنکر کا مقابلہ نہ کر سکا۔ جو مقابلہ پر آیا۔ اُسے اس بہادر نے شکست فاش دی۔

جن لوگوں کے ساتھ شنکر کو مقابلہ کرنا پڑتا تھا۔ وہ پرماتما کی ہستی کے قائل نہ تھے۔ بلکہ اُن کا عقیدہ یہ تھا کہ یہ دُنیا ہمیشہ سے اسی طرح ہے اور آئندہ بھی اسی طرح رہیگی۔ نہ اس کا کوئی بنانے والا ہے اور نہ کوئی اس کا خاتمہ کرنے والا ہے۔ اس کے ساتھ ہی وہ یہ مانتے تھے کہ انسانی رُوح ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ تک رہیگی۔ یہ اپنے کرموں کے مطابق مختلف جنم لیتی ہے۔ اور یہ سلسلہ ہمیشہ سے اسی طرح ہے۔ بعض ناستک ایسے بھی تھے جو نہ آتما کو مانتے تھے اور نہ پرماتما کو۔ اُن کا عقیدہ تھا کہ نہ کوئی پرماتما ہے اور نہ جیو آتما۔ بلکہ جو کچھ ہے۔ یہ پرکرتی ہے۔ اس کی خاص خاص حالتوں میں ملاپ ہونے سے انسان بن جاتا ہے۔ اور چند روز اس دنیا پر تماشہ کرتا رہتا ہے۔ پھر جب پرکرتی شکل بدلتی ہے تو انسان کا بھی خاتمہ ہو جاتا ہے۔ نہ کوئی کرم ہے نہ کوئی پھل ہے۔ نہ کوئی نیکی ہے۔ نہ کوئی بدی ہے۔ اور نہ یہ زندگی دوبارہ ہے۔ اس لئے یہ لوگ پرچار کرتے تھے کہ انسان کو چاہیئے کہ جہاں تک ہو سکے۔ آرام اور آنند حاصل کرنیکی کوشش کرے۔ اور جس قدر آرام حاصل کر سکے۔ اُس قدر ہی اُس کے لئے اچھا ہے۔

اس قسم کے خیالات نے ویدک مریادا کو بالکل توڑ دیا تھا۔ لوگ نہ ورن کی پرواہ کرتے تھے اور نہ آشرم کی۔ بہت سی نیک عادات کا جو آریہ جاتی میں ہزاروں لاکھوں سال سے قائم چلی آتی تھیں۔ ناش ہو گیا تھا۔ اور بیشمار برائیاں جن کو پراچین آریہ بزرگ جانتے بھی نہ تھے۔ اس وقت آریہ جاتی میں پرورت ہو گئی تھیں۔ آریہ سنتان کی حالت سخت خراب تھی۔ تمام کرم کانڈ کا ناش ہو گیا تھا۔ جدھر دیکھو عیش اور عشرت کا سامان گرم تھا۔ اور نسل انسانی دن بدن کمزور ہوتی جاتی تھی۔ ویدک دھرم کے پریمی بہت کوشش کرتے تھے کہ ایک دفعہ پھر بگڑے ہوئے ورن آشرم کو قائم کریں۔ مگر

مخالفت اِس قدر زیادہ تھی کہ وہ کچھ نہیں کر سکتے تھے۔

شنکر کو بھی یہ دِقّت پیش آئی۔ اگر ایک جگہ کا انتظام خراب ہو تو انسان بہت جلد اُسے ٹھیک کر سکتا ہے۔ لیکن جب تمام انتظام خراب ہو جاوے۔ پھر اُسے آسانی سے ٹھیک نہیں کیا جا سکتا۔ اگر جسم کے ایک حصہ میں درد یا تکلیف ہو تو بڑی آسانی سے اس کا انسداد سوچا جا سکتا ہے۔ لیکن جب جسم کے تمام حصّوں میں درد کی شکائیت ہو تو معالج بھی گھبرا جاتا ہے۔ یہی حالت اُس وقت بھارت ورش میں آریہ جاتی کی ہو رہی تھی۔ خرابی ایک نہ تھی۔ بلکہ بہت سی تھیں۔ اور اُن کے دُور کرنے کے لئے بہت تھوڑی کوشش کی جاتی تھی۔ شنکر سوامی نے ایک زبردست ہاتھ سے ان خرابیوں کا خاتمہ کرنا چاہا۔ اور عوام میں بہت کچھ تبدیلی پیدا بھی ہو گئی۔ مگر مُلک کے امیر گھرانوں کی حالت بڑی خراب تھی۔ وہاں زیادہ تر جین مت اور ناستک لوگوں کا اثر تھا۔ اور شنکر کی تعلیم کا کچھ زیادہ اچھا نتیجہ نہ نکلتا تھا۔

اس پر شنکر نے اپنی توجّہ راجاؤں اور بڑے بڑے جاگیرداروں کی طرف پھیری۔ اور ارادہ کیا کہ اصلاح کا کام وہاں سے شروع ہونا چاہیئے۔ چنانچہ اُس نے اپنے اُپدیش اور پرچار کے سلسلہ کو بدل ڈالا۔ اُس نے راجاؤں کو اپنے مذہب کی طرف پریت کرنا شروع کیا۔ وہ خود راج درباروں میں چلا جاتا تھا۔ اور وہاں کے پنڈتوں کو بحث مباحثہ کا چیلنج دیتا تھا۔ مگر یہاں شنکر کو ایک بڑی قباحت کا سامنا ہوا۔ اکثر راجہ لوگ اَن پڑھ اور اُمّی ہوتے تھے۔ یا اگر کچھ لکھے پڑھے ہوتے تھے تو اُن پر اُن کے پنڈتوں اور مشیروں کا اِس قدر دباؤ ہوتا تھا کہ وہ اس کی باتوں پر زیادہ دھیان نہ کرتے تھے۔ چنانچہ اِن کی اس سرد مہری کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ شنکر کی تمام کوششیں ناکام رہتی تھیں۔ اور بھارت ورش سے ناستک منڈلی کا زور کم کرنے کے لئے شنکر کا پروگرام پھل پھول نہ سکتا تھا۔

ایک شخص کی کمرِ ہمت توڑنے کے لئے ناکامیابی کا ایک ہی جھٹکا کافی ہوتا ہے۔ شنکر بھی
کئی دفعہ نراش ہو جاتا تھا۔ مگر اس کی ماتا کے الفاظ جو اس نے مرتے وقت کہے تھے ہمیشہ
اُس کے دل میں استقلال اور ہمت بڑھاتے رہتے تھے۔ وہ کسی وقت ناکامیابیوں
سے گھبرا جاتا تھا مگر پھر یہ سوچ کر کہ بڑے کام کے لئے بڑی مدت اور طاقت کی ضرورت
ہوتی ہے۔ وہ اپنے کام میں لگ جاتا تھا۔ شنکر کے شاگردوں کی تعداد دن بدن بڑھتی
جاتی تھی۔ اور ان میں بعض شاگرد ایسے لائق اور ہوشیار تھے کہ ان میں سے ایک ایک
ناستک لوگوں کے گروہ کے گروہ کو میدان مناظرہ میں شکست دے دیتا تھا۔ مگر دقت
یہ تھی کہ مباحثہ کے بعد حالت ذرا نہ بدلتی تھی۔ بلکہ مباحثہ سے پہلے کی طرح ہی لوگوں
کی حالت رہتی تھی۔ شنکر نے کئی بار آریہ جاتی کے لئے قواعد بنائے۔ مگر ابھی اُن کے
پرچار کا وقت نہ آیا تھا۔ اس لئے وہ سب کے سب ہی پڑے رہے۔

راجاؤں کے دربار کا نقشہ دیکھ کر شنکر کو بڑا رنج ہوتا تھا۔ لیکن وہ راجاؤں کا
پیچھا چھوڑنے کے لئے تیار نہ تھا۔ انہی ایام میں اُسے معلوم ہوا کہ راجہ سودھنوا
جس کے دربار میں منڈن مشر بھی جا آیا تھا۔ کچھ مذہبی معلومات رکھتا ہے۔ شنکر
اپنے شاگردوں کو ساتھ لیکر خود وہاں جا پہنچا۔ اور راجہ کو کہلا بھیجا کہ وہ اُس
کے ساتھ مذہبی امور پر بحث کرنے کے لئے آیا ہے۔ راجہ سودھنوا نے شنکر کو
بعزت تمام دربار میں بلایا۔ جس وقت شنکر راجہ کے دربار میں پہنچا۔ وہ اس کے ساتھ
بڑے خلق سے پیش آیا۔ شنکر کے دل میں تو ایک ہی دُھن تھی۔ اُس نے راجہ سے
پوچھا کہ وہ پرماتما کی ہستی سے کیوں منکر ہے۔ راجہ نے چند منٹ شنکر کے ساتھ
بات چیت کی۔ مگر جب دیکھا کہ شنکر اس کی نسبت بہت زیادہ وِدوان ہے۔ اُس
نے اپنی زبان بند کر لی۔ اور شنکر سے کہا کہ وہ اپنے پنڈتوں کا اس کے ساتھ مباحثہ
کرائیگا۔ شنکر نے کہا کہ وہ اس کام کے لئے بالکل تیار ہے۔ اور راجہ سے کہا کہ اپنے

پنڈتوں کو ابھی بلاوے۔ راجہ نے کہا کہ آپ اپنے آشرم پر جاؤ۔ میں سب تیاری کر کے آپ کو اطلاع دونگا۔ اس پر شنکر اپنے مکان پر چلا آیا۔ اس کا دل جوش سے بھرپور تھا۔ اور وہ اپنی کامیابی کے لیئے ضروری سمجھتا تھا کہ راجہ سودھنوا کے تمام پنڈتوں کو شکست دے کر اُسے اپنے پکش میں کر لے۔

راجہ نے اپنے پنڈتوں کو بلا کر کہا کہ شنکر کے ساتھ بحث کرنے کے لیئے تیار ہونا چاہیے۔ راجہ کے ناستک پنڈت بڑے گھبرائے۔ وہ شنکر کی ودوتا کی دہاک پہلے سے ہی سُن چکے تھے۔ اور انہیں خوف تھا کہ شنکر کے ہمراہ لڑانے میں انکو کامیابی نہ ہوگی۔ انہوں نے چاہا کہ یہ بلا گلے سے ٹل جاوے۔ مگر شنکر کی علمیت کا قائل ہوکر انکا راجہ ان کے جال میں نہ پھنسا۔ اور اُس نے زور دیا کہ نہیں! شنکر کے ساتھ شاستراتھ ضرور کرنا ہوگا۔ پنڈت چند روز کی مہلت لیکر اپنے گھروں کو چلے گئے۔ تاکہ شاستراتھ کی تیاری کریں۔ شنکر کو بھی یہ تمام حالات معلوم ہوتے رہتے تھے۔ اور وہ بھی برابر دھرم گرنتھوں کے دیکھنے میں مصروف تھا۔

آخر شاستراتھ کا دن آپہنچا۔ شنکر کو اطلاع دی گئی۔ وہ اپنے شاگردوں کو ساتھ لیکر راجہ کے دربار میں آیا۔ اور اُس نے شرط پیش کی کہ جب تک یہ شرط قرار نہ پا جاوے کہ شاستراتھ میں ہارنے والا اپنے مخالف کا مذہب اختیار کریگا۔ تب تک شاستراتھ کا کچھ بھی فائدہ نہ ہوگا۔ شنکر کے مخالفوں نے چاہا کہ اس سوال کو ہی آگے رکھ کر مباحثہ سے جان بچالیں۔ مگر راجہ سودھنوا نے اس شرط کو منظور کر لیا۔ اور مباحثہ شروع ہوگیا۔ راجہ کے پنڈتوں کی پوزیشن یہ تھی کہ پرکرتی (مادہ) اور جیو آتما (روح) ہمیشہ سے ہیں۔ اور ہمیشہ تک رہینگے۔ ان کے علاوہ اس دنیا کو بنانے والا کوئی پرمیشور وغیرہ نہیں ہے۔ جیو کرم کرتا ہے۔ اور ان کے مطابق خود ہی پھل بھوگتا رہتا ہے۔ اُسے پھل دینے والا اور کوئی نہیں ہے۔ اسکے

برخلاف شنکر کی یہ پوزیشن تھی کہ صرف ایک ذات برہم ہے۔ یہ سب کچھ اُس کا ہی ظہور ہے۔ یہ سب اُس سے ہے اور اُس میں ہی مل جاویگا۔ نہ کچھ اُس سے جُدا ہے اور نہ وہ ان سے جُدا ہے۔ مباحثہ خُوب زور شور سے شروع ہُوا۔ دونوں طرف سے ایک دُوسرے کی تردید میں دلائل دی جاتی تھیں۔ پھر ان دلائل کی تردید ہوتی تھی۔ شنکر نے اِس راز کو بخوبی سمجھ لیا تھا کہ اُس کے مخالف زیادہ پرمانوں یعنی ثبوتوں و حوالوں کی پرواہ نہیں کرینگے۔ اِس لئے اُس نے فلسفہ کی شرن لی۔ اور اپنے مخالفوں کے ہر ایک سوال کا جواب فلسفہ سے ہی دیا۔ شنکر کے مخالف بھی کئی دن کی تیاری کے بعد میدان میں آئے تھے۔ وہ بھی بہت بڑھ بڑھ کر سوالات کرتے تھے۔ اُن کے اکثر سوالات بظاہر بڑے وزندار معلوم ہوتے تھے۔ لیکن شنکر نے اِن سوالات کی دھجیاں اُڑا دیں۔ اور اپنے مخالفوں کو یہاں تک قائل کیا کہ آخر کار اُن کی زبان بند ہوگئی۔ یہ مباحثہ برابر کئی روز تک ہوتا رہا۔ راجہ سودھنوا بڑے غور سے دونوں طرف کے سوالات و جوابات کو سنتا رہا۔ شنکر کی دلائل اُس کے دل میں کھب گئیں۔ اور اُس نے برسر دربار اقرار کر لیا کہ وہ شنکر کو راستی پر سمجھتا ہے اور اُس کی تعلیم کو سچی سمجھ کر اس کے آگے سر تسلیم خم کرتا ہے۔

شنکر کے مخالف یہ سُنکر مارے شرم کے پانی پانی ہو گئے۔ اُنہوں نے اپنی آنکھیں زمین کی طرف جھکا لیں۔ شنکر نے زور دیا کہ اب اُن کو ویدک دھرم گرہن کرنا ہوگا۔ یہ لوگ اس بات سے انکار نہیں کر سکتے تھے۔ شنکر نے راجہ سودھنوا کو معہ اس کے ساتھیوں کے ویدک دھرم میں شامل کر لیا۔ اس فتح کی خوشی میں ایک بڑا یگیہ اور ہون کیا گیا۔ جس میں بڑی دُور دُور سے ویدک دھرم کے انویائی آکر شامل ہوئے۔ اور شنکر کی تعریف کرنے لگے۔ لوگوں کے جھنڈ کے جھنڈ شنکر کے درشن کرنے آتے تھے۔ اور عزت کی نظر سے دیکھتے ہوئے اُس کی تعظیم کرتے تھے۔ جب شنکر راجہ سودھنوا اور اُس کے ساتھیوں کو ویدک دھرم میں شامل کر چکا۔ تو اُس نے راجہ سے کہا کہ اب دُوسرے لوگوں کو بھی

ناستکتا کی غار سے نکالنا چاہیئے۔ راجہ شنکر کی بڑی عزّت کرتا تھا۔ اُس نے اِس تجویز کو منظور کرلیا اور شنکر سے کہا کہ وُہ ویدک دھرم کے پرچار کے لئے جو کچھ مناسب سمجھتا ہے۔ کرے وُہ اُسے ہر پہلو سے مدد دیگا۔ راجہ کی بدولت شنکر کی دُوسرے راج درباروں میں بھی بڑی قدر ہوگئی۔ چنانچہ شنکر ان راج درباروں میں بڑی شان سے جاتا اور مباحثے کرتا تھا اور ناستک لوگوں کو ویدک دھرم کی طرف لاتا تھا۔

شنکر کا ستارہ اوج پر تھا۔ جہاں وہ جاتا تھا۔ فتح اُس کے قدم چومتی تھی۔ اُسکے مخالف بھی اُس کی عزّت کرنے کو تیار ہوتے تھے۔ جب بڑے بڑے راج درباروں میں بھی شنکر کی بدولت ویدک دھرم داخل ہوگیا۔ اور اس کی مخالفت کرنے والا بظاہر کوئی نہ رہا۔ تو اُس نے آریہ جاتی کے لئے ویدک اصُولوں کو دوبارہ قائم کرنا چاہا۔ چنانچہ آجکل آریہ جاتی میں جو ورن اور آشرم بیوستھا نظر آتی ہے۔ وہ تقریباً شنکر کی ہی قائم کردہ ہے۔ ممکن ہے۔ شنکر کے شاگردوں نے بعد میں اِس میں کچھ تبدیلیاں کی ہوں۔ لیکن اس کا بہُت بڑا حصہ شنکر کی ہی یادگار ہے۔ ورن آشرم کا انتظام کرنے کے بعد شنکر نے بھارت ورش کے مختلف حصوں میں ایسے مقامات بنانے کا ارادہ کیا کہ جہاں پر ویدک دھرم کے پرچار کا پُورا انتظام ہو۔ اس غرض کیلیے اُس نے علاوہ کئی مقامات پر بڑی بڑی پاٹھ شالائیں جاری کرنے کے اور وہاں پر تعلیم کا بہترین معیار رکھنے کے مُلک کے مختلف حصوں میں مٹھ قائم کئے جہاں اُس کے خاص خاص آدمی رہتے اور ویدک دھرم پرچار میں کوشاں ہوتے تھے۔ چنانچہ ان مٹھوں کے نام یہ ہیں:- (۱) کاشی میں سومیرو مٹھ (۲) جگن ناتھ میں گوبردھن مٹھ (۳) بدرک آشرم میں جوشی مٹھ (۴) دوارکا میں سارداً مٹھ (۵) سرنگیری میں شرنگیری مٹھ۔ ان کے علاوہ اگرچہ اور بھی مٹھ ہیں۔ مگر یہ بڑے مشہور نہیں ہیں۔ کوئی زمانہ تھا۔ جبکہ ان مقامات سے ویدپرچار کا بڑا کام کیا جاتا تھا۔ یہاں سے اچھے اچھے اُپدیشک دُور دراز مقامات

پر پرچار کے لئے جاتے تھے۔ اور ناستک لوگوں کی دلائیل کا کھنڈن کرتے تھے۔
اگرچہ شنکر سوامی کی عمر ۳۰-۳۲ سال کی تھی۔ مگر اُس کا کام جوبن پر تھا۔ کوئی شخص مقابلہ میں آنے کا حوصلہ نہ کرتا تھا۔ آریہ جاتی سے وُہ لوگ جو کسی وجہ سے ویدک دھرم کو چھوڑ کر ناستک بن گئے تھے۔ پھر شنکر کے اُپدیش سے ویدک دھرم میں واپس آ گئے۔ اور ویدک دھوجا تمام مُلک میں اُسی طرح لہرانے لگی جس طرح کہ پراچین رشیوں کے وقت میں لہلہایا کرتی تھی۔ اب بھی شنکر کا بہت سا وقت بحث مباحثہ میں گذرتا تھا۔ اور جو وقت لوگوں کے اُپدیش اور مباحثات سے بچتا تھا۔ وُہ کُتب کے تحریر کرنے میں صرف ہوتا تھا۔ چنانچہ شنکر کی جو کُتب اِس وقت موجود ہیں۔ ان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بڑی قابلیت سے لکھی گئی ہیں۔
شنکر کی تعلیم بڑی سیدھی سادی ہے۔ اس کا اثر انسان کے دماغ تک ہی محدود نہیں رہتا بلکہ دل تک پہنچتا ہے۔ اس کی تعلیم کو بھارت ورش میں جو کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ وُہ دُوسرے کسی مذہبی ریفارمر کی تعلیم کو ابھی تک حاصل نہیں ہوئی۔ بچے سے لیکر بوڑھے تک اس کی تعلیم میں رنگے ہوئے ہیں۔ اور تو اور عورتوں تک میں اُس کی تعلیم کا پرچار ہے۔ اور جہاں چار عورتیں جمع ہوتی ہیں۔ اُس کی تعلیم کا چرچا ضرور ہوتا ہے۔ دُنیا کو مِتھیا ثابت کرنے کے لئے شنکر کی تصانیف میں اگرچہ اِس قدر مصالحہ نہیں ملتا۔ مگر بعض مثالیں جو اُس کے نام سے مشہور ہیں۔ اُنہوں نے بھارت ورش کے لوگوں کے دلوں پر وہ اثر کیا ہے کہ زمانہ کا بڑا لمبا دور بھی اُنہیں نکما ثابت نہیں کرسکا۔ یہ دُنیا خواب کی مانند ہے۔ جس طرح ہم دھوکہ میں رسّی کو سانپ سمجھنے لگتے ہیں۔ اسی طرح اس دُنیا کو ست سمجھ رہے ہیں۔ وغیرہ۔
اِس قسم کے خیالات جو ہر ایک ہندو گھر میں پائے جاتے ہیں۔ آج بھی اس امر کا پتہ دیتے ہیں کہ شنکر نے پرماتما کی ہستی ثابت کرنے کے لئے پرکرتی اور رُوح کی

ہستی کو انسانی دل سے بالکل فراموش کرا دیا تھا۔

عیسائی مذہب اور محمدی مذہب میں خدا کے بارہ میں جو خیالات ہیں۔ وہ زیادہ تر شنکر کے خیالات کی ہی نقل معلوم ہوتے ہیں کیونکہ یہ مذاہب بھی پرماتما کے بارہ میں ایسا ہی عقیدہ رکھتے ہیں کہ جو کچھ ہے اُسی سے ہے۔ اگرچہ وہ یہ نہیں مانتے کہ جو کچھ ہے وہ بعد میں وہی بن جاویگا۔ شنکر کی تعلیم کو جو کامیابی نصیب ہوئی ہے۔ وہ اپنی نظیر دُنیا میں نہیں رکھتی۔ اور سچ بھی ہے کہ اگر شنکر کا جنم نہ ہوتا۔ تو آج بھارت ورش میں ویدک دھرم کی بجائے جین مت کا زیادہ پرچار نظر آتا۔ یہ شنکر کی ہی ہمّت اور پرشارتھ کا پھل ہے کہ اُس نے چند سال کے عرصہ میں کروڑہا لوگوں کو ناستکتا کی تعلیم سے نکال کر ویدک دھرمی بنا دیا۔ اور اِس طرح مقدّس ویدوں کی رکشا کی جو دُوسری حالت میں ناممکن تھی۔

انسانی دماغ کا خاصہ ہے کہ جب یہ مقابلہ میں ہار جاتا ہے۔ اور اُسے میدان مقابلہ میں کامیابی کی اُمید نہیں رہتی۔ وہ کمینہ طریقوں سے اپنے حریف کی طاقتوں کا خاتمہ کرنے کے لیئے تُل جاتا ہے۔ اس سچائی کی شہادتیں ہم کو ہر ایک ملک اور ہر ایک زمانہ کی تاریخ میں ملتی ہیں۔ چنانچہ شنکر کے ساتھ بھی اُس کے مخالفوں نے یہی کیا۔ جب جینی لوگوں نے دیکھا کہ شنکر کے پرچار اور اپدیش سے اُن کے مذہب کا قریب قریب خاتمہ ہوتا جاتا ہے۔ اور جو کچھ باقی ہے۔ وہ بھی چند روز میں ملیا میٹ ہو جاویگا۔ تو اُنہوں نے شنکر کی زندگی کا ہی خاتمہ کرنے کی ٹھان لی۔ یہ خیال آتے ہی اس مہان آتما کی جان لینے کے لیئے منصوبے شروع ہوئے۔ کوشش یہ تھی کہ جس قدر جلد ممکن ہو سکے شنکر کو مار ڈالنا چاہیئے۔ ورنہ وہ ناستک مت کا نام و نشان بھی بھارت ورش میں نہ چھوڑیگا۔

شنکر کی عمر اس وقت ۳۲ اور ۳۳ سال کے درمیان تھی۔ اس کا جوش اپنی

انتہائی حد پر پہنچا ہوا تھا۔ ویدک دھرم کا پرچار بڑی خوبی کے ساتھ ہو رہا تھا۔ اور ویدک کرم کانڈ کی قدر مختلف صورتوں میں از سرِ نو رواج پا رہا تھا۔ اتنے میں دو جینی بھیس بدل کر شنکر کے پاس تعلیم حاصل کرنے کے لئے آئے۔ اور اس کے ساتھ رہنے لگے۔ شنکر کی نیت صاف تھی اور وہ دوسروں کو بھی اپنے جیسا ہی سمجھتا تھا۔ بڑے بڑے راج درباروں میں اُس کی عزت تھی۔ اور اُس کے پاس کام اس قدر زیادہ رہتا تھا کہ وہ اپنے بارہ میں بہت کم سوچ وچار سکتا تھا۔ یہ دونوں کمینہ شخص اس تاک میں تھے کہ اُن کو موقعہ ملے تو وہ اس ویدک مارتنڈ کی جیوتی کو بجھا دیں ان کے دل پر یہ بات دیکھ کر بڑا صدمہ ہوتا تھا کہ وہ مقامات جہاں کبھی جین پاٹھ شالائیں اور مندر ہوتے تھے۔ شنکر آچاریہ کے پرچار کی بدولت ویدک پاٹھ شالاؤں اور دھرم مندروں کی شکل میں تبدیل ہو رہے تھے۔ جینی لوگوں کی مورتیاں اُن مقامات سے اُٹھائی جا رہی تھیں۔ اور اُن کی جگہ ویدک دھرم کی اُنتی کے سامان مہیّا کئے جاتے تھے۔

آخر ان کا وار چل گیا۔ انہوں نے ایک دفعہ موقعہ پا کر شنکر سوامی کو کوئی ایسی زہریلی چیز کھلا دی۔ جس سے رفتہ رفتہ اُس کی بھوک بالکل بند ہو گئی۔ اور کچھ عرصہ بعد اس کے جسم میں بڑے بڑے پھوڑے پھنسیاں نکل کر زخم ہو گئے۔ شنکر کے شاگردوں اور دوستوں کو اس امر کا بڑا رنج ہوا۔ اور وہ اس کے علاج میں مشغول رہے۔ مگر زہر اپنا اثر کر چکا تھا۔ جسم کی اندرونی انتڑیاں زہر کی وجہ سے کچھ تو کٹ چکی تھیں۔ اور کچھ خراب ہو گئی تھیں۔ جن کا درست ہونا اب ناممکن تھا۔ شنکر نے اپنی عمر میں کسی کے ساتھ بُرائی نہ کی تھی۔ وہ سب کا بھلا چاہتا تھا۔ دوسروں کی بھلائی کے لئے وہ اپنا تن من اور دھن سب کچھ نچھاور کرتا تھا۔ اپنا آرام اُس نے دوسروں کے لئے قربان کر دیا تھا۔ مگر ایک جسم تھا جو اُس نے دکھا ہوا تھا۔ لوگو

کو یہ بھی شاق گذرا۔ اور انہوں نے اس کو بھی چھیننے کی تیاری کی مہاتما شنکر نے
یہ بھی اُن کے حوالہ کر دیا۔ زہر کھانے کے بعد شنکر چھ ماہ تک اور زندہ رہا۔ اِس عرصہ
میں بھی اگرچہ اُسے جسمانی طور پر بڑی تکلیف تھی۔ مگر وہ ویدک دھرم کا پرچار بدستور
کرتا رہا۔ اور اِسی حالت میں اُس کی موت نے اس کی زندگی کے سلسلہ کا خاتمہ کر دیا۔
شنکر جو ایک روشن چراغ کی طرح چمکتا تھا۔ اور گمراہوں کو راستہ دکھاتا تھا۔ بجھ
گیا۔ تمام بھارت ورش میں اس کی موت کا صدمہ ہوا۔ سب طرف سے اُسکے شاگردوں
کے ساتھ اظہار رنج و ہمدردی ہونے لگا۔ کچھ عرصہ تک یہی حال رہا۔ بعد میں اُس
کے شاگردوں نے مٹھوں میں بیٹھ کر کام کرنا شروع کیا۔ شنکر کے بعد ان کی بڑھتی ہوئی
عزّت نے ان کے دماغ اونچے کر دئے۔ اور وہ شنکر کا مشن پورا کرنے کی بجائے اپنی پیٹ
پوجا میں لگ گئے۔ اور وہ مشعل جو ویدک دھرم کے پرچار کے لئے شنکر نے جلائی
تھی۔ کچھ عرصہ سسک سسک کر رہ گئی۔
شنکر نے صرف دس بارہ سال کام کیا۔ مگر اِس چھوٹے سے عرصہ میں ہی اُسے وہ کامیابی
نصیب ہوئی۔ کہ آج تک لوگ دیکھ کر حیران ہوتے ہیں۔ اُس کی چمک کے آگے
بڑے بڑے پنڈت دم نہ مار سکے۔ اور اُس نے وہ کر دکھایا جو دوسرے سینکڑوں کی
تعداد میں بھی نہیں کر سکتے۔ شنکر نے جو کُتب لکھی ہیں۔ یا جواب اُس کے نام سے
مشہور ہیں۔ اُن میں سے چند ایک حسب ذیل ہیں:۔ سوندریہ ہری۔ نیا سے
کسما نجلی۔ امرو شتکت ویدانت پر بھاشا۔ کاماکشی اشٹک۔ نکشتر۔ مالا۔ استوراج
تتوا تو سندھان۔ ادویت کوستھ۔ ویدانت مکتاولی۔ شیو ستوتر۔ وشنو سہنسر
نام بھاشیہ۔ شیو مانس پوجا۔ شاریرک۔ ورہد کارکا وغیرہ۔ شنکر نے اپنشدوں
پر جو بھاشیہ کئے ہیں۔ وہ بڑے غضب کے ہیں۔ اور بھارت ورش میں زیادہ تر
لوگ اس کے ہی بھاشیہ پر نوبت ہیں۔

یہ کہنا کہ شنکر کے تمام خیالات راستی پر تھے یا نہیں؟ مشکل ہے۔ ممکن ہے کہ اس نے اپنی زندگی میں کئی غلطیاں کی ہوں۔ مگر ویدک دھرم پرچار کا کام جس ہمّت۔ لیاقت۔ بہادری اور ایثار کے ساتھ اُس نے کیا ہے۔ وُہ بے نظیر ہے۔ شنکر کے ایک شاگرد نے "شنکر دگ وجے" ایک کتاب لکھی ہے۔ جس میں شنکر نے مباحثات کا ذکر ہے۔ اِس کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ویدک دھرم پرچار کے لئے شنکر نے تمام بھارت ورش کا بھرمن کیا۔ اور کوئی حصہ ایسا نہیں چھوڑا۔ جہاں ویدک دھرم کا نادنہ بجایا ہو۔ شنکر نے آریہ جاتی کی بگڑی ہوئی حالت سدھار دی یا کم از کم سُدھارنے کا کام شروع کر دیا۔ وہ ایک ملاّح تھا۔ جو اُس وقت پیدا ہُوا۔ جبکہ ویدک دھرم کی کشتی سمندر کی منجدھار میں تھی۔ اور ناستک لوگ اپنے حملوں سے اُسے پائمال کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ اس ملاّح نے اپنی ہمّت۔ استقلال اور بہادری سے اُسے اِس خوفناک بھنور سے نکال کر ایک دفعہ پھر سلامتی کے کنارے پر لگا دیا ؂

آج بھی بھارت ورش کے کروڑوں ہندو شنکر سوامی کی تعلیم پر کاربند نظر آتے ہیں۔ اور ہندوستان کے ہر ایک حصہ میں اس مہاتما کا نام نہائیت ہی عزّت اور شردھا سے لیا جاتا ہے۔ ہندوستان کے کئی مقامات پر وہ مٹھ اب تک قائم ہیں۔ جو شنکر سوامی نے قایم کئے تھے۔ اور ان مٹھوں کے مہنتوں کے فیصلے ہندوستان کی مذہبی دُنیا میں بہت بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔

مسیح

"جو لوگ صرف مجھے اے خداوند! اے خداوند! کہنے پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔ یاد رکھیں کہ اُن میں سے ہر ایک آسمان کی بادشاہت میں داخل نہ ہوگا بلکہ اس اعزاز کا مستحق صرف وُہی شخص ہے۔ جو آسمانی باپ کے حکم پر چلتا ہے یا جو پرماتما کی آگیا پالن کرتا ہے۔ قیامت کے دن بہت سے لوگ مجھ سے کہیں گے کہ اے خداوند! کیا ہم نے تیرے نام اور نبوّت کے آگے سر نہیں جھکایا؟ لیکن ان تمام لوگوں کو اس وقت میرا صرف یہی جواب ہوگا اور میں اُن سے صاف کہہ دُونگا کہ اے لوگو! میں تم کو نہیں جانتا ہوں میری تم سے ذرا بھی واقفیت نہیں ہے۔ میں اُنہیں یہ بھی کہہ دُونگا کہ اے بدکارو! میرے پاس سے چلے جاؤ۔ کیونکہ جو شخص میری باتیں سُنتا اور اُن پر عمل کرتا ہے۔ وُہ اُس عقلمند آدمی کی مانند ہے۔ جو اپنا گھر ایک مضبوط چٹان پر بناتا ہے۔" (متی)

آج عیسائی لوگ دُنیا کے کونہ کونہ میں یہ آواز بلند کرتے پھرتے ہیں کہ مسیح پر ایمان لاؤ۔ مسیح پر ایمان لاؤ۔ وہ اس بات کا بھی پرچار کرتے ہیں کہ انسانی اعمال کچھ وقعت نہیں رکھتے۔ بلکہ نجات حاصل کرنے کے لئے صرف مسیح کی نبوّت پر ایمان لے آنا کافی ہے۔ ان لوگوں کو انجیل کا مندرجہ بالا قول غور سے پڑھنا چاہئیے۔ جس میں اس امر کا صاف طور پر اعلان کیا گیا ہے کہ جو شخص صرف مسیح کی باتیں سُنتا ہے۔ مگر اُن پر عمل نہیں کرتا۔ وہ کسی بہتر سلوک کا مستحق نہیں ہے۔ ایک طرف انجیل کا مندرجہ بالا قو

ہو۔ دوسری طرف موجودہ عیسائی لوگوں کی کوشش ہو تو ایک سنجیدہ آدمی ان کے درمیانی فرق کو دیکھ کر چونک پڑتا ہے۔ اور اس کی زبان سے بے اختیار نکل جاتا ہے کہ آج کل عیسائی لوگ، دُنیا کو مسیح کی تعلیم کے سراسر برخلاف راستہ پر چلانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

جب مسیح کی زندگی اور اس کے کارناموں پر نظر ڈالی جاتی ہے۔ اور اُس کی بینظیر قربانی کا خیال کیا جاتا ہے۔ تو آنکھیں چندھیا جاتی ہیں۔ دل کانپ اُٹھتا ہے۔ اور طبیعت حیران ہو جاتی ہے۔ ممکن ہے۔ جو تعلیم مسیح نے دی ہے۔ وہ لفظ بہ لفظ دُرست نہ ہو۔ اور اُس میں وہ غلطیاں پائی جاویں جو ہر ایک انسان سے ہونی مُمکن ہیں۔ مگر مسیح کا جیون ایک قابلِ تقلید جیون ہے۔ اور دُنیا کے لوگ اپنے لِئے اس سے کئی ایک نیک سبق حاصل کر سکتے ہیں۔

مسیح کی زندگی ایک خوبصورت باغ کی مانند ہے۔ جس کی ایک ایک کیاری خوشنما پھولوں سے آراستہ ہے۔ مگر اس باغ میں داخل ہونے کے لِئے جو دروازہ ہے۔ وُہ نہائت ہی خراب اور بدنما ہے۔ کسی شخص کی زندگی اُس کے جنم سے ہی شروع ہوتی ہے۔ اور مسیح کی زندگی میں داخل ہونے کے لِئے بھی ہم کو اس کے جنم سے ہی شروع ہونا پڑیگا۔ مگر اس مہاتما کے جنم کے حالات کو ایک ایسی رنگت دیدی گئی ہے جسے نہ تو قبول کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی کوئی ٹھیک پتہ مل سکتا ہے۔ مسیح کے پیرو آج برملا یہ کہتے ہوئے سُنائی دیتے ہیں کہ اُن کا روحانی لیڈر۔ ایک کنواری کنّیا سے اُس حالت میں پیدا ہُوا تھا جبکہ اُسے کسی شخص نے چھُوا تک نہ تھا۔ مگر یہ خیال صرف ایک وہم ہے۔ اور اس کی اصلیت کچھ بھی نہیں ہے۔ خود انجیل اس کے بارہ میں متلاشیانِ حق کو کوئی مُناسب جواب نہیں دیتی۔ اور نہ ہی کوئی دُوسری تاریخ اس عقدہ کو وا کرتی ہے کہ مسیح کی پیدائیش کس طرح ہوئی؟ مختلف کتب کو

مطالعہ کرنے سے ہم جس نتیجہ پر پہنچے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ حضرت مریم کی والدہ کے صرف
ایک لڑکی پیدا ہو کر پھر کوئی اولاد نہ ہوئی تھی۔ اور اس کی بڑی خواہش تھی کہ اُس
کے گھر میں لڑکا پیدا ہو۔ اور اُن دنوں کے رواج کے مطابق اس نیک استری نے
ایک روز یہ بھی کہا کہ اگر میرے لڑکا پیدا ہوا۔ تو میں اُسے بیت المقدس کی مجاوری
میں رکھونگی۔ اور اُسے ایشور کی نذر چڑھاؤنگی۔ اتفاق سے اِس دفعہ بجائے لڑکے
کے لڑکی پیدا ہوئی۔ اور یہ لڑکی دیوی مریم ہی تھی۔ جسے اس کی والدہ نے اپنے
وعدہ کے مطابق حضرت ذکریا کو جو اُن دنوں بیت المقدس کے مجاور تھے۔ دیدیا
اور حضرت ذکریا نے ہی اسے پرورش کیا۔ یوسف نجار جو حضرت مسیح کا باپ تھا
وہ بھی بیت المقدس میں عبادت کرنے جایا کرتا تھا۔ بلکہ مریم کا ماموں زاد بھائی
بھی تھا۔ اِن دونوں کے درمیان آپس میں بڑی محبت تھی۔ اور یہ اکثر اکٹھے ہی رہا
کرتے تھے۔ آخر اِن دونوں نے شادی کر لی۔ اور اس شادی کے بعد مسیح کی
پیدائش ہوئی۔ ہم اس امر کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتے کہ دیوی مریم اور جبرائیل وغیرہ کا
جو قصہ بنایا گیا ہے۔ اس کی اختراع کس طرح ہوئی۔ غالباً یہ خیال مسیح کی وفات کے بہت
عرصہ بعد سوجھا ہے۔ اور کسی شخص نے مسیح کو ایک ترکھان کا بیٹا بیان کرنے کی بجائے
خدا کا بیٹا قرار دینے کے لئے یہ فرضی قصہ گھڑا ہے۔

جس وقت مسیح کی پیدائش ہوئی۔ اس وقت یروشلم میں کاہنوں نے بڑا ظلم برپا کر رکھا
تھا۔ یہ لوگ بڑے فتنی۔ وہمی اور شرارتی تھے۔ بُت پرستی اور طرح طرح کی بدعتوں میں پھنسے
ہوئے تھے۔ اور ہر طرح کی شرارتیں کرتے ہوئے ان کو ذرا بھی لجیا نہ آتی تھی۔ اُن ایام
میں یروشلم میں شاہ ہیروڈیس حکمران تھا۔ جو ظلم کی زندہ مثال تھا۔ یہ بادشاہ بہت ہی
وہمی تھا۔ اکثر نجومی اس کے ارد گرد حلقہ بنائے رکھتے تھے۔ اور ذرا ذرا سے خواب یا حرکات
کی تعبیر اُن سے پوچھی جاتی تھی کسی نے اسے کہہ دیا کہ اُسے یہودیوں کا ایک لڑکا جان سے

ہلاک کریگا۔ اس پر اس نے حکم دیدیا کہ یہودیوں کی خاص طور پر حفاظت کی جاوے سینکڑوں
ہزاروں بچے اس وہمی کے اشارہ سے والدین کی پیاری گود سے چھینے گئے اور ہلاک کر
ڈالے گئے۔ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ ادھر کسی عورت نے بچہ جنا اور ادھر اس شریر نے اس
کی روح قبض کرنے کا حکم دیدیا۔ جن دنوں مسیح گربھ میں تھا۔ اس کے ماتا پتا کو بھی خوف
تھا کہ جونہی بچہ پیٹ سے باہر آویگا۔ اسی وقت قتل کر دیا جاویگا۔ اس خوف سے یہ
دونوں یہودیہ چلے گئے۔ اور راستہ میں مریم نے دردزہ سے بڑی تکلیف پائی۔ اور
بیت اللحم کے قریب ہی بچہ جنی۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ مسیح کی پیدائش جس کے
نام کے آگے دنیا کے بڑے بڑے بادشاہ سر جھکاتے ہیں۔ ایک گدھی کی چرن میں ہوئی
تھی۔ کیونکہ یہی جگہ اس وقت قابل آرام تھی۔ بچہ نہایت ہی خوبصورت تھا۔ ماں کی
محبت نے جوش مارا۔ اور دل میں یہ خوف پیدا ہوا کہ کہیں دوسرے بچوں کی طرح یہ بچہ
بھی چھین کر قتل نہ کر دیا جاوے۔ اس لئے مریم نے اپنے خاوند سے کہا کہ بھاگ کر مصر
دیش میں چلے جانا چاہیئے۔ تاکہ بچہ کی بحفاظت تمام پرورش کر سکیں۔ یوسف نے یہ
تجویز پسند کی اور دونوں بچہ سمیت بھاگ کر سرحد مصر میں چلے گئے۔

کئی سال تک یوسف اپنے قبیلہ کے ساتھ مصر میں رہا۔ اور یہاں اپنے آبائی پیشہ کی
بدولت اپنا گذارہ کرتا رہا۔ ماتا نے بچہ کی پرورش بڑی محبت سے کی۔ اور اسے ضروری نیک
ہدایات دیں۔ مسیح کی زندگی کے ایام غریبی کے ایام تھے۔ مگر اپنی ماتا کی پیاری گود میں آفات
زمانہ اسے زیادہ نہ ستا سکیں۔ شروع سے ہی اسے مذہبی باتوں میں بڑی دلچسپی تھی۔ اور
جہاں کہیں اس قسم کی بات چیت ہوتی۔ مسیح بڑے پریم اور توجہ سے اسے سنتا تھا۔ جب
اس کی عمر بارہ سال کی ہو گئی۔ اس کے والدین کو پتہ لگا کہ ظالم ہیروڈیس جس نے ہزاروں
بچوں کا خون پیا تھا۔ اس دنیا سے چل بسا ہے۔ اور اب یروشلم میں قدرے آرام ہے۔ وطن
کی محبت نے ان کے دل میں جوش مارا۔ اور وہ ایک دفعہ پھر اپنے باپ دادا کی سرزمین پر آکر

آباد ہونے کے لئے دِل میں وچار کرنے لگے۔ اور ایک روز معمولی سامان ساتھ لیکر یروشلم میں جا پہنچے۔ جس روز یہ یروشلم میں پہنچے۔ وہاں پر ایک بڑا میلہ تھا مختلف مقامات سے مذہبی مجادر آئے ہوئے تھے۔ اور کئی مقامات پر بیٹھے ہوئے مذہبی مرحلے طے کر رہے تھے۔ ایک جگہ مسیح کو یہ باتیں ایسی پسند آئیں کہ وہ اِن مذہبی مجادروں میں جا بیٹھا۔ اور پہلے تو اُن کی باتیں سنتا رہا۔ پھر خود بھی اُن کی بحث میں شریک ہو گیا۔ چند نیک دِل اشخاص نے اِس کی باتوں کو غور سے سُنا اور اِس کی تعریف کی۔ اِس کے ماتا پتا کو اِس کا پتہ نہ رہا۔ اور وہ بھول کر کسی دوسری طرف چلے گئے۔ جب اُنہوں نے دیکھا کہ ان کا لخت جگر ساتھ نہیں ہے۔ بڑے گھبرائے اور اِس کی تلاش کرنے لگے۔ کئی گھنٹے کی تلاش کے بعد اُن کو مسیح اپنی بحث میں سرگرم ملا۔ ماتا جو کئی گھنٹوں سے اس کی تلاش کرتی ہوئی حیران ہو گئی تھی۔ دوڑ کر اسے چمٹ گئی۔ اور کہنے لگی :-

"بچہ! کیا تم کو معلوم نہیں کہ میں اور تمہارا باپ تم کو تلاش کرتے کرتے حیران ہو گئے ہیں"۔ اِس کے جواب میں مسیح نے بڑی نرمی سے جواب دیا "ماتا! میں تو اپنے باپ کی ہی باتیں اِس جگہ کر رہا تھا۔ اور اُس کا ہی کیرتن سُن رہا تھا"۔ مسیح کے اشارہ کو نہ تو سیدھی سادی مریم جان سکتی تھی۔ اور نہ ہی غریب یوسف سمجھ سکتا تھا۔ اُنہوں نے مسیح کو ساتھ لیا اور ناصرۃ نامی ایک شہر میں جا کر آباد ہو گئے۔

مسیح کو بارہ سال کی عمر میں ناصرۃ پہنچا کر انجیل اور عیسائی تاریخیں خاموشی اختیار کر لیتی ہیں۔ اور مسیح کی ۳۰ سال کی عمر تک کا کچھ بھی حال ان سے معلوم نہیں ہوتا۔ ایک خیال ہے کہ مسیح ناصرۃ میں جا کر ۱۸ سال تک اپنے باپ کا کام کرتا رہا۔ اور یکایک اسے الہام ہوا کہ وہ نبی ہے۔ اور اُس نے اپنے اہلِ ملک کو پیغام رسالت پہنچانا شروع کر دیا۔ عیسائی لوگ زیادہ تر یہی اعتقاد رکھتے ہیں۔ دوسرا خیال ہے کہ مسیح ناصرۃ میں بہت تھوڑا عرصہ رہا۔ بلکہ وہ تعلیم حاصل کرنے کے لئے گھر سے نکل گیا۔ اور تبت اور ہندوستان

میں تعلیم پاتا رہا۔ قیاس یہی کہتا ہے کہ اگر مسیح ۳۰ سال تک ترکھان کا کام کرتا رہتا تو وہ یکدم ایسی مدلل تقریر کرنے کے قابل نہ ہو سکتا تھا۔ جیسی کہ انجیل میں پائی جاتی ہے۔ بلکہ درست یہی ہے کہ علم حاصل کرنے کے لئے مسیح اپنے وطن سے نکل کر پہلے تبّت میں آیا۔ اور پھر تبّت سے چل کر بھارت ورش میں پہنچا۔ اور یہاں مختلف مقامات پر رہ کر اس نے مذہبی کتب کا مطالعہ کیا۔ چند سال ہوئے۔ ایک روسی سیاح نوٹووچ نامی نے مسیح کا ایک جیون چرتر شائع کیا ہے۔ جس میں اس نے اپنی ذاتی تحقیقات کی بنا پر لکھا ہے۔ کہ اس نے تبّت میں ایک ایسی سوانحعمری دیکھی ہے۔ جو مسیح کی ہے۔ اور جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مسیح کی زندگی کے وہ ۱۸ سال جن کے بارہ میں عیسائی لوگ کچھ نہیں جانتے۔ ضرور بھارت ورش اور تبّت میں صرف ہوئے۔ اور مسیح نے ہندوستان سے بہت کچھ سیکھا۔ اس سوانحعمری سے معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت مسیح بھارت ورش میں آیا۔ یہاں پر بدھ مت کا بڑا زور تھا۔ اگرچہ براہمن لوگ ہندوستان سے بدھ مذہب کو خارج کرنے کی پوری کوشش کر رہے تھے۔ مگر یہ مذہب اپنے جوبن پر تھا۔ چونکہ اس مذہب میں عام آزادی تھی۔ اس لئے مسیح بھی اس کے حلقہ میں شامل ہو گیا۔ اور بودھ اپدیشکوں کی مانند کام کرنے لگا۔ جس کی وجہ سے کئی ایک براہمن اس کے مخالف ہو گئے۔ اور اُسے جان سے مار ڈالنے کی دھمکی دی۔ جب مسیح نے یہ حال دیکھا تو ہندوستان چھوڑ کر تبّت بھاگ گیا اور کئی سال تک وہاں رہا۔ پھر وطن کی محبّت کے جوش سے اپنے وطن کو چلا گیا۔ اس وقت اس کی عمر ۳۰ سال کے قریب ہو چکی تھی۔ اور یہ مذہبی معاملات کا ماہر ہو گیا تھا۔ وطن میں اس کے رشتہ داروں نے اس کا بڑے تپاک سے استقبال کیا۔ اس کے والدین نے اس کے آنے پر بڑی خوشی منائی۔ اور یہ چند روز تک اپنے گھر میں آرام سے ایام زندگی بسر کرتا رہا۔

مسیح بھارت ورش سے گیا تھا۔ گھر آتے ہی اس نے اپنے ملک میں ان باتوں کا

پرچار کرنا چاہا۔ جن کا پرچار وہ ہندوستان میں ہوتا دیکھ آیا تھا۔ اُسے اپنے اہلِ مُلک کی حالت پر سخت رنج ہُوا۔ کاہن لوگ بڑے دُراچاری تھے۔ اُن کی زندگی کا ہر ایک پہلو شرارت سے لبریز تھا۔ عورتوں کی عزّت اُن کے دل سے اُٹھ چکی تھی۔ شراب نوشی کا بڑا رواج تھا۔ ان سب کے علاوہ یہاں بنی اسرائیل کو بڑا دُکھ دیا جاتا تھا۔ اُنہیں خواہ مخواہ ستایا جاتا تھا۔ اور تنگ کیا جاتا تھا۔ مُلک میں ناستکتا کا بڑا پرچار تھا۔ اور ہر چہار طرف گھور اندھکار نظر آتا تھا۔ مسیح کا نرم دل یہ نظارہ دیکھ کر دہل گیا۔ اور اُس نے اپنے اہلِ مُلک کے سُدھار کا بیڑا اُٹھانا چاہا۔ جب اس کی آنکھوں کے سامنے کوئی خلاف اخلاق نظارہ آتا تھا۔ وہ تڑپ اُٹھتا تھا۔ اور بد اخلاقی کو اپنے اہلِ مُلک سے دُور کرنے کے لئے سوچنے لگتا تھا۔

اِن دِنوں یروشلم میں سینٹ جان یا یوحنا اپنے اہلِ مُلک کی بھلائی کا بہت کُچھ کام کر رہا تھا۔ چونکہ اس زمانہ میں مذہب کے نام کا بڑا رواج ہو گیا تھا۔ اور ہر ایک بات مذہب کے نام سے سوسائیٹی میں رائج ہو سکتی تھی۔ اس لئے یوحنا نے مذہبی درس تدریس کا کام بھی جاری کر رکھا تھا۔ جب مسیح نے اِس نیک اور دھرماتما شخص کا حال سُنا۔ وہ اس کے پاس آ گیا۔ اور اس کے ساتھ مل کر کام کرنے لگا۔ اس نے یوحنا کے ہاتھ سے بپتسمہ لیا۔ اور اس کی ہدایات کے مطابق اپنے مُلک کی بھلائی کا بیڑا اُٹھایا۔ یوحنا کو بہت جلد معلوم ہو گیا کہ مسیح اُس کے دیگر شاگردوں کی طرح نہیں ہے۔ بلکہ اس کے جسم میں ایک خاص دِل حرکت کرتا ہے۔ جو ضرور ایک دن مُلک میں تہلکہ مچا کر رہیگا۔ اس لئے وہ مسیح کے ساتھ خاص طور پر پیش آتا تھا۔ اور اس کی دلجوئی کرنے کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھتا تھا۔ یہ شخص بڑا نیک تھا۔ بڑی سادگی کے ساتھ رہتا تھا۔ سادی غذا کھاتا تھا۔ اور جو شخص اِس کے تعلق میں آتا تھا۔ کبھی رنجیدہ ہو کر نہ جاتا تھا۔ مسیح بہت دِنوں تک اِس کے ساتھ رہا۔ پھر اس کے مشورہ سے اہلِ مُلک

میں رُوحانیت کا پرچار کرنے کے لئے چل کھڑا ہُوا۔

مسیح کو یوحنا سے جُدا ہوئے تھوڑا ہی عرصہ گذرا تھا کہ لوگوں نے یوحنا کی مخالفت کرنی شروع کی۔ یوحنا لوگوں میں برابری کا اُپدیش کرتا تھا۔ ظالم امیروں کو غریبوں پر ظُلم کرنے سے روکتا تھا۔ اور بُت پرستوں کو ایک ایشور کی عبادت کرنے کی شکشا دیتا تھا۔ اس کی عزّت عام لوگوں کے دِلوں میں بڑھتی جاتی تھی۔ جن لوگوں کی حکومت اور آمدنی میں اِس کے پرچار سے فرق آتا تھا۔ وہ کب گوارا کر سکتے تھے۔ اُنہوں نے اسے پکڑوا کر قید کرا دیا جب مسیح نے اپنے دوست اور مربّی یوحنّا کی گرفتاری کا حال سُنا اُسے اپنا فکر ہُوا اور وُہ گلیل کی طرف روانہ ہو گیا۔ یہاں اس نے کفر نوحم میں مقام کیا جو ایک جھیل کے کنارے زبلون اور نفتالی کی سرحد پر واقع ہے۔ چند روز ٹھہرنے کے بعد مسیح نے بڑے زور شور کے ساتھ منادی کرنی شروع کی۔ اور ساتھ ساتھ ہی اپنا جتھا بنانا چاہا۔ ایک جھیل کے کنارے سے گذرتے ہوئے اُس نے دو ماہی گیروں کو جن کے نام پطرس اور اندریاس تھے۔ مچھلیاں پکڑتے دیکھا۔ یہ دونوں بھائی بڑے ہوشیار تھے۔ مسیح نے چند منٹ ان کے ساتھ باتیں کیں۔ اور اُن کو اپنے ساتھ مِل کر کام کرنے پر آمادہ کر لیا۔ اور یہ لوگ بھی اپنا کام چھوڑ کر مسیح کے ساتھ رہ کر اس کے رُوحانی کام میں مدد دینے لگے۔ چند روز میں مسیح نے گلیل کے تمام علاقہ میں اپنے لیکچروں کی دُھوم مچادی۔ اُس کا طرز کلام بڑا دلکش تھا۔ اور چونکہ یہ لوگوں کو مساوات کی تعلیم دیتا تھا۔ اِس لئے اِس کی تعلیم عام لوگوں کے دِلوں پر بڑا اثر کرتی تھی۔ عیسائی لوگوں نے مسیح کی عظمت بڑھانے کے لئے اس کے نام سے کئی خلاف از عقل اور دُور از قیاس معجزے کو منسوب کیا ہے۔ مگر کیا مسیح کا یہ کوئی چھوٹا معجزہ ہے کہ جس گروہ میں کھڑے ہو کر وُہ ایکدفعہ تقریر کرتا تھا۔ سینکڑوں دِلوں کو اپنی طرف کھینچ لیتا تھا۔ اس کی تقریروں کی کشش نہ صرف علاقہ گلیل سے بلکہ یہودیہ اور یروشلم کے علاقوں سے بھی ہزاروں لوگوں

کو کھینچ کر اس کے پاس لاتی تھی۔ اور اس کا جتھا دن بدن بڑھتا جاتا تھا۔

انہی ایام میں مسیح نے پہاڑ پر کھڑے ہو کر ایک زبردست لیکچر دیا۔ جسکے سننے والوں کی تعداد ہزارہا تھی۔ ان کو مخاطب کر کے اُس نے کہا:۔

"مبارک ہیں وہ لوگ جو دل کے غریب ہیں۔ کیونکہ رُوحانی بادشاہت اُنکا ہی حق ہے۔ مُبارک ہیں وہ جو کہ غمگین ہیں۔ کیونکہ وہ تسلّی پاوینگے۔ مبارک ہیں وہ جو حلیم ہیں۔ کیونکہ زمین کی وراثت اُن کا ہی حق ہے۔ مبارک ہیں وہ جو سچائی کے بھوکے اور پیاسے ہیں۔ کیونکہ وہ آسودہ ہونگے۔ مبارک ہیں وہ جو دل میں رحم رکھتے ہیں۔ کیونکہ ان پر بھی رحم کیا جاویگا۔ مُبارک ہیں وہ جو پاک دل ہیں۔ کیونکہ وہ خدا کو دیکھیں گے۔ مبارک ہیں وہ جو صُلح کراتے ہیں۔ کیونکہ وہ خُدا کے بیٹے کہلائینگے۔ مبارک ہیں وہ جو سچائی کے لئے ستائے گئے۔ کیونکہ آسمان کی بادشاہت اُنہیں کی ہے۔ دوستو! تم سُن چکے ہو کہ اگلوں سے کہا گیا تھا کہ خُون مت کرو۔ کیونکہ جو کوئی خون کریگا۔ وہ عدالت کی سخت سزا کے لائق ہوگا۔ لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنے بھائی پر غصّہ ہوگا۔ وہ عدالت کی سزا کا مستوجب ہوگا۔ اور جو کوئی اپنے بھائی کو پاگل کہیگا۔ وہ صدر عدالت کی سزا کے لائق ہوگا۔ اور جو اپنے بھائی کو احمق کہیگا۔ وہ جہنّم کی آگ کا سزاوار ہوگا۔ دوستو! اگر تم میں سے کوئی قربانگاہ کے سامنے نذر گذرانتا ہو اور وہاں یاد آوے کہ اُس کے بھائی کو اُس سے کوئی شکائت ہے تو اپنی نذر وہاں ہی چھوڑ دے۔ اور جا کر پہلے اپنے بھائی سے ملاپ کرے۔ تب آکر اپنی نذر دے۔ تم زنا کے بارہ میں سُن چکے ہو۔ کہا گیا تھا کہ زنا نہ کرو لیکن میں کہتا ہوں کہ جب کسی نے بُری خواہش سے کسی عورت پر نگاہ کی۔ وہ اپنے دل میں اس کے ساتھ زنا کر چکا۔ اگر تمہاری دہنی آنکھ تمہیں ٹھوکر کھلاوے۔

تو اُسے نکالکر پھینک دینا چاہیئے۔ کیونکہ انسان کے اعضا میں سے ایک کا
جاتے رہنا اچھا ہے۔ بہ نسبت اِس کے کہ وہ اس کی بدولت جہنم کی آگ میں
ڈالا جاوے۔ اگر تمہارا داہنا ہاتھ تمہاری ٹھوکر کا باعث ہو تو اُسے کاٹ کر
پھینک دو۔ کیونکہ یہ بہتر ہے کہ تمہارے اعضا میں سے ایک نہ رہے۔ مگر
تمہارا سارا جسم جہنم میں ڈالے جانے سے بچ رہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ
جو کوئی اپنی بیوی کو چھوڑنا چاہے۔ اُسے طلاق نامہ لکھ دے۔ لیکن مَیں
تم سے کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنی بیوی کو حرامکاری کے سوا کسی اور سبب
سے چھوڑ دے۔ وہ اُس سے زنا کراتا ہے۔ اور جو کوئی اُس چھوڑی ہوئی
سے بیاہ کرے وہ زنا کرتا ہے۔ تم سُن چکے ہو کہ پہلے کہا تھا کہ برابر کا بدلہ
لینا چاہیئے۔ یعنی دانت کے بدلہ دانت اور آنکھ کے بدلہ آنکھ۔ اِس سے
زیادہ نہیں۔ مگر مَیں تم سے کہتا ہوں کہ بدلہ کا خیال ہی دل سے دُور کر
دو۔ بلکہ جو شخص تمہارے داہنے گال پر طمانچہ لگاوے۔ دُوسرا بھی اُسکے
سامنے کر دو۔ اور اگر کوئی تم پر نالش کرکے تمہارا کُرتہ لینا چاہے تو چوغہ
بھی دیدو۔ جو کوئی تم سے مانگے۔ اُسے دو۔ اور جو قرض مانگے۔ اُس سے مُنہ
نہ موڑو۔ پہلے یہ کہا گیا ہے کہ اپنے پڑوسی سے محبّت رکھو۔ اور اپنے دشمن
سے مخالفت کرو۔ لیکن مَیں تم سے یہ کہتا ہوں کہ اپنے دشمنوں سے بھی محبّت
رکھو۔ اور اپنے ستانے والوں کے لئے بھی دُعا مانگو۔ تاکہ تم اپنے باپ کے
جو آسمان پر ہے سچّے بیٹے کہلاؤ۔ کیونکہ وہ اپنے سُورج کو نیکوں اور
بُروں دونوں پر چمکاتا ہے۔ اور اپنی بارش راست بازوں اور جھوٹوں
پر برابر کرتا ہے۔ اگر تم فقط اپنے بھائی کو ہی سلام کرو۔ تو دُوسروں سے
کیا زیادہ کرتے ہو۔ کیا غیر قوموں کے لوگ ایسا نہیں کرتے۔ دوستو!

تم کو چاہیئے کہ اپنے باپ پرماتما کی طرح کامل بنو"

کیسا شستہ کلام ہے جو ہر شخص کے دل کو بھاتا ہے۔ اور اُسے زور کے ساتھ اپیل کرتا ہے۔ مسیح اس قسم کے خیالات لوگوں میں پرچار کرتا تھا۔ اور اس کی ہر دلعزیزی دن بدن بڑھتی جاتی تھی۔ اس کی عام فہم تعلیم کا لوگوں کے دلوں پر اثر ہونا ضروری تھا اور اُس کی طاقت کا جس سے حکمران لوگ بعد ازاں خوف کھانے لگے۔ یہی ایک راز تھا۔ وہ امیروں کی دولت کے لئے نہیں بلکہ سچائی کے لئے لوگوں کو تیار کرتا تھا مسیح کے پہاڑی سرمن کا مندرجہ ذیل حصہ اور بھی قابل مطالعہ اور غور ہے۔ اُس نے اپنے اردگرد جمع ہونے والوں کو کہا:۔

"دوستو! خبردار رہو۔ اپنے راست بازی کے کام آدمیوں کے سامنے دکھانے کیلئے نہ کرو۔ نہیں تو تمہارے پتا کے پاس تمہارے ایسے کاموں کیلئے جو تم صرف دکھاوے کیلئے کرتے ہو۔ کچھ بھی بدلہ نہیں ہے۔ جب تم کچھ خیرات کرنے لگو۔ اس کی شہرت کیلئے نرسنگا نہ بجواؤ جسطرح کہ ریاکار لوگ عبادت خانوں اور کوچوں میں کرتے ہیں۔ تاکہ لوگ اُن کی بڑائی کریں۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ ان لوگوں کیلئے کوئی اجر نہیں۔ اور انہوں نے اپنا اجر پا لیا۔ مناسب تو یہ ہے کہ جب تم خیرات کرو۔ تو جو تمہارا داہنا ہاتھ دے۔ اس کی خبر بائیں ہاتھ کو بھی نہ ہو۔ اور جس وقت تم پتا کے آگے پرارتھنا کرو۔ تو ریاکاروں کی مانند نہ کرو۔ ریاکار لوگ اپنی پرارتھنائیں عبادت خانوں اور بازاروں کے موڑوں پر کھڑے ہو کر کرتے ہیں۔ تاکہ لوگ اُن کو دیکھیں اور اُنکی تعریف کریں۔ میں تم کو ہدایت کرتا ہوں کہ اگر تم پرارتھنا کرو۔ تو اپنے مکان کی کوٹھڑی میں بند کمرے میں کرو۔ اور تمہارا پتا جو تمہارے دلوں کے حالات کو جانتا ہے تمہیں بدلہ دیگا۔ جب تم روزہ رکھو۔ تو

ریاکار لوگوں کی طرح اپنی صورت اداس نہ بناؤ۔ تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ تم نے برت رکھا ہے۔ ریاکار لوگ اسی طرح ہی لوگوں کو یقین دلانے کیلئے کیا کرتے ہیں۔ اگر تم روزہ رکھو تو اپنے چہرہ کو بشاش بناؤ۔ تمہارے دل کے بھید تمہارا باپ اچھی طرح جانتا ہے۔ لوگو! تم دوسروں کی عیب جوئی نہ کرو۔ تاکہ تمہاری بھی عیب جوئی نہ کی جاوے۔ یاد رکھو جس پیمانہ سے تم دوسروں کو ناپتے ہو۔ اسی پیمانہ سے تم کو بھی ناپا جاویگا۔ تم اپنے بھائی کی آنکھ کے تنکے کو دیکھ کر شور مچانے کی بجائے پہلے اپنی آنکھ کے شہتیر کو دیکھو۔ بھلا جب تمہاری آنکھ میں شہتیر ہے۔ تو تم اپنے بھائی کو کس طرح کہہ سکتے ہو۔ کہ لاؤ۔ تمہاری آنکھ سے تنکا نکالوں۔ پہلے اپنی آنکھ کے شہتیر کو دور کرنے کی کوشش کرو۔"

لوگوں نے مسیح کے اس لیکچر کو بڑے غور اور توجہ سے سنا۔ اور جب اس نے بولنا بند کیا وہ حیران ہو گئے۔ کیونکہ انہوں نے کبھی ایسی تقریر نہ سنی تھی۔ اور پریشانی کے ساتھ ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ لیکچر ختم کرکے مسیح وہاں سے چل دیا۔ اور جدھر وہ جاتا تھا۔ لوگوں کے گروہ کے گروہ اس کی تعظیم کرنے کو آگے بڑھتے تھے۔ عیسائی مورخوں نے مسیح کے نام کے ساتھ بہت سے معجزوں وغیرہ کو منسوب کیا ہے۔ مگر یہ سب ان لوگوں کی باتیں ہیں۔ اور بہت عرصہ بعد کی اختراع ہیں جنکا مسیح کو کبھی خواب میں بھی خیال نہ آیا ہوگا۔ کیونکہ جو شخص مندرجہ بالا تقریر کر سکتا ہے۔ وہ فضول اور نادانی سے پر باتوں سے کس طرح اپنا تعلق رکھ سکتا ہے۔ مگر ایک بات ضرور ہے کہ مسیح دوسروں کی طرح زبانی جمع خرچ ہی نہ کرتا تھا۔ بلکہ جو کہتا تھا۔ اسے عملی طور پر بھی کرتا تھا۔ وہ گنہگاروں سے کبھی نفرت نہ کرتا تھا۔ اگر کوئی گنہگار اس کے پاس آتا۔ وہ شانتی کے ساتھ اس سے ملتا تھا اور پیار سے بات چیت کرتا تھا۔ ایک موقعہ پر محصول لینے والے لوگوں کا ایک گروہ اس کے گھر میں آگیا۔ اور اس کے ساتھ کھانے میں شریک ہوا۔ فریسی لوگوں نے یہ دیکھ کر شور مچانا شروع کیا۔ کیونکہ محصول

لینے والے عزّت کی نگاہ سے نہ دیکھے جاتے تھے مسیح نے اِن لوگوں کا شور سُنکر سنجیدگی سے کہا۔ "دوستو! تُم یہ بھی نہیں جانتے کہ تندرست لوگوں کو حکیم کی ذرا بھی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ حکیم یا ڈاکٹر کی ضرورت ہمیشہ بیماروں کو ہوتی ہے۔"

جگہ جگہ اُپدیش کرتے ہوئے مسیح نے بہت سے گنہگاروں کو شرارت اور پاپ کی زندگی سے نِکال کر دھرم اور پاکیزگی کے جیون میں پرورت کیا۔ اس کی عزّت ہر شخص کے دِل میں تھی۔ گونگے۔ بہرے۔ اندھے۔ لنگڑے۔ لُولے سب اُسے دِل سے چاہتے تھے۔ کیونکہ وہ اِن سب کے ساتھ ہمدردی اور مروّت سے پیش آتا تھا۔ لوگ جوق در جوق اس کے پاس نیک ہدائیت کے لِیئے آیا کرتے تھے۔ اور وہ اُن کے ساتھ بڑے پریم سے گفتگو کیا کرتا تھا۔ اِس اثنا میں اُس نے گلیل کے تمام علاقہ میں زبردست پرچار کیا۔ اور اپنے بارہ شاگردوں کو رسول مقرر کر کے حُکم دیا کہ وُہ بھی لوگوں کو نیکی اور پاکیزگی کی تعلیم دیں۔ مسیح خواہ بڑا عالم فاضل نہ ہو۔ خواہ اس کا نام فلاسفروں کے زُمرے میں نہ آوے۔ مگر وہ برائی کا بڑا دشمن تھا۔ اور نفاق کا سخت مخالف تھا۔ اُس نے لوگوں میں روحانیت کا پرچار کرنے کے لِیئے جو بارہ شاگرد چُنے۔ اُن کے نام حسب ذیل ہیں (۱) پطرس (۲) اندریاس (۳) لیعقوب (۴) یوحنّا (۵) فلپس (۶) برتلمائی (۷) توما (۸) متی (۹) لیعقوب بن حلفئی (۱۰) تدئی (۱۱) شمعون قنانی (۱۲) یہوداہ اِسکریوتی۔ اپنے اِن شاگردوں کو بنی اسرائیل کے مختلف علاقوں میں پرچار کے لِیئے روانہ کرتے ہوئے مسیح نے جو ہدایات انکو کی ہیں وہ آب زر کے ساتھ لکھنے کے قابل ہیں۔ اُس نے ان کے روانہ ہونے سے پہلے انہیں ایک جگہ جمع کیا۔ اور اُن کے فرائض بتلاتے ہوئے کہا:-

"دوستو! دھرم پرچار کا کام بڑا مشکل ہے۔ دیکھو! مَیں تُم کو جو بھیڑوں کی مانند ہو۔ اُن لوگوں میں دھرم پرچار کے لِیئے بھیجتا ہوں۔ جو بھیڑیوں سے کم نہیں ہیں۔ تمہیں چاہیئے کہ اِن لوگوں سے سانپوں کی طرح ہوشیار رہو لیکن ساتھ ہی

کی طرح تکلیف دہ نہ بننا۔ بلکہ کبوتروں کی مانند بھولے رہنا اور کسی کو آزار نہ دینا یاد رکھو کہ جن لوگوں میں تم پرچار کرنے جاتے ہو۔ وہ میرا نام سنتے ہی اپنے عبادت خانوں میں تمہارے کوڑے مارینگے۔ اور تم کو وہاں سے نکال دینگے۔ وہ تم کو گرفتار کر کے عدالت میں لیجائینگے۔ مگر تم نے گھبرانا نہیں۔ تم دیکھو گے کہ بھائی کو بھائی قتل کیلئے حوالہ کریگا۔ بیٹا باپ کو اور باپ بیٹے کو قتل کے لئے دیگا۔ اور اولاد ماں باپ کو مروا ڈالنے کی کوشش کریگی۔ میرے نام کی وجہ سے سب لوگ تمہاری مخالفت کرینگے۔ تمہیں خوب ستایا جائیگا۔ تمہیں چاہیئے کہ جب ایک شہر میں ستائے جاؤ تو دوسرے میں بھاگ جاؤ اور وہاں دھرم پرچار کرو۔ تم کو اپنے کمربند میں نہ تو سونا رکھنا چاہیئے اور نہ چاندی۔ راستہ کے لئے نہ تو جھولی لینا۔ نہ دو کرتے نہ جوتیاں اور نہ ہی لاٹھی۔ جس گاؤں میں جاؤ۔ پہلے دریافت کر لینا کہ اس میں نیک شخص کون ہے اور جب تک اس گاؤں سے کوچ نہ کرو۔ اس کے ہی گھر میں قیام کرنا۔ اگر کوئی تم کو قبول نہ کرے۔ اور تمہاری باتیں نہ سنے تو اس کے گھر یا شہر سے باہر نکلتے وقت اپنے پاؤں کی گرد کو جھاڑ دو۔

اپنے شاگردوں کو اس قسم کی تعلیم اور ہدایات دیکر اور انہیں رخصت کر کے مسیح پھر اپنے پروگرام میں لگ گیا۔ اور شہر بہ شہر لوگوں کو کفر کی غار سے نکالنے کا کام کرنے لگا۔ جہاں جاتا تھا۔ لوگوں کی ایک بھیڑ اس کے ساتھ ہو جاتی تھی۔ اور دن رات اس کا ساتھ نہ چھوڑتی تھی۔ مسیح کی ترقی دیکھ کر سب سے پہلے فریسی لوگوں نے حسد کی آگ میں جلنا شروع کیا۔ کیونکہ مسیح کے پرچار سے اُن کی عزت خاک میں ملتی جاتی تھی۔ چنانچہ ایک موقعہ پر جبکہ مسیح چند غریب لوگوں کی دلجوئی کر رہا تھا۔ فریسی لوگوں نے سوچا کہ اسے جان سے مار ڈالنا چاہیئے۔ مسیح کو جونہی اُن کے ارادے کا پتہ لگا وہ وہاں سے بھاگ گیا۔ مگر چند دنوں کے بعد پھر تقریر کرتے ہوئے فریسی لوگوں کے ساتھ مباحثہ شروع ہو گیا۔ فریسی اُسے

جادوگر کے نام سے پکارتے تھے مگر مسیح ان کی ذرا بھی پرواہ نہ کرتا تھا۔ بلکہ اپنے کام میں
دن رات مشغول رہتا تھا۔ مسیح کے بہت سے خیالات سے ہم اتفاق نہیں کر سکتے۔ چنانچہ
بعض موقعوں پر اس نے اپنی ذات کو جو بہت کچھ بڑھایا ہے۔ وہ مناسب حد سے بہت
بڑھا ہوا ہے۔ اور مسیح کی انسانی کمزوری پر دلالت کرتا ہے۔ مسیح کی بڑھتی ہوئی عزت اور
طاقت سے کئی گروہ تھے جو اندر ہی اندر جلتے تھے۔ مگر ان کی کچھ پیش نہ جاتی تھی۔

مسیح کے شاگردوں نے تھوڑے ہی عرصہ میں اپنے استاد کے لئے بڑا کام کیا۔ جگہ بہ
جگہ اس کے نام کا ڈنکا بجنے لگا۔ اور اس کے نام کی تقدیس ہونے لگی۔ اس اثنا میں غریب
یوحنا کا قتل واقعہ ہوا۔ جو کہ ابھی تک قید میں پڑا سڑ رہا تھا۔ اس کا مفصل حال یہ ہے
کہ جب ہیروڈیس نے چاہا کہ اپنے بھائی فلپس کی بیوی ہیروڈیاس کے ساتھ شادی کرے تو یوحنا
نے اسے منع کیا۔ اس پر یہ عورت ناراض ہو گئی اور یوحنا گرفتار کر کے قید میں ڈالا گیا۔
اس عورت نے بادشاہ کو کئی دفعہ کہا کہ یوحنا کو قتل کر دینا چاہیئے۔ مگر وہ عام لوگوں کی
ناراضگی سے ڈرتا تھا۔ اور یوحنا کو قتل نہ کرتا تھا۔ ایک روز بادشاہ کی سالگرہ کی تقریب
پر ہیروڈیاس کی لڑکی نے ناچ اور گا کر اسے بہت خوش کیا۔ اور اس نے کہا کہ جو تو
آج مانگیگی۔ وہی تجھے دونگا۔ لڑکی اپنی ماں کے پاس گئی۔ اور اسے بادشاہ کا فرمان سنایا۔
اس شریر عورت کو یوحنا کے قتل کا خیال آیا۔ اس نے فوراً اپنی لڑکی کو بادشاہ کے
پاس بھیجا۔ جس نے جاتے ہی کہا کہ میں چاہتی ہوں کہ یوحنا کا سر تن سے جدا کر دیا جائے
بادشاہ غمگین ہوا مگر اپنی قسم سے مجبور تھا۔ اس نے جلادوں کو حکم دیا کہ یوحنا کا
سر کاٹ لاؤ۔ جلاد گئے اور غریب یوحنا کا سر کاٹ کر لے آئے۔ یوحنا کے قتل کی خبر
مسیح کے کانوں میں بھی پہنچی۔ اسے یہ سنکر بڑا رنج ہوا۔ اور رنج کی حالت میں وہ آبادی
کو چھوڑ کر جنگل میں چلا گیا۔ جہاں بہت دیر تک اپنے مربی کی موت پر افسوس کرتا رہا۔
مگر یہاں بھی لوگ اس کے پیچھے گئے۔ اور آن کی آن میں اس نے اپنے گرد بدستور

ایک بڑی بھیڑ موجود تھی۔ یوحنا کی موت کا اِن لوگوں کو بھی سخت رنج تھا۔ تمام مُلک میں ہر دل یوحنا کی موت کا الم تھا۔ اور مسیح نے یوحنا کے بعد زیادہ جوش اور سرگرمی کے ساتھ اپنے مذہب کی دعوت لوگوں کو دینی شروع کی۔ ایک طرف تو اس کی طاقت بڑھتی جاتی تھی دوسری طرف اِس کے مخالف بھی زیادہ طاقتور ہوتے جاتے تھے۔ آخر مسیح نے یہ سوچ کر کہ اب اس کے اشارہ پر کام کرنے والے مریدوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی ہے دل میں ارادہ کیا کہ یروشلم میں جاکر کاہنوں کے سردار کو اپنے مذہب کی دعوت دے۔ اور اُس کے ظلم سے غریب لوگوں کو بچاوے۔ اُس کے شاگردوں نے کہا کہ یروشلم میں جانا مصیبت میں پھنسنا ہے اور جان سے ہاتھ دھونا ہے۔ مگر اُس نے حوصلہ نہ ہارا۔ اور اپنے شاگردوں سے کہا کہ جو شخص میرے ساتھ دھرم یُدھ میں شریک ہونا چاہتا ہے اپنی موت کا خیال کر کے میرے ساتھ چلے۔ جو موت سے ڈرتا ہے۔ اُسے میرے ساتھ چلنے کی ضرورت نہیں۔ کئی بزدل لوگ تو پیچھے رہ گئے۔ مگر کئی من چلے بہادر مسیح کے ساتھ ہی جان ہتھیلی پر رکھ کر یروشلم کی طرف روانہ ہوئے۔ راستہ میں کئی مقامات سے ہوتے ہوئے اور لوگوں میں اُپدیش کرتے ہوئے آخر مسیح کا قافلہ یروشلم میں آگیا۔ جس وقت مسیح یروشلم میں داخل ہُوا۔ وہ ایک گدھے پر سوار تھا اور لوگ اس کے ساتھ تھے۔ اس کے اِس جگہ آنے کی خبر پہلے ہی پہنچ چکی تھی۔ اور لوگ اس کے استقبال کے لئے کئی دنوں سے انتظار کر رہے تھے۔ چنانچہ جب اس کی سواری شہر میں سے گذری۔ لوگوں نے اس کے راستہ میں اپنے کپڑے بچھا کر اور درختوں کے پتے ڈال کر اس کا بڑی گرمجوشی سے استقبال کیا اور بڑی خوشی سے نعرے بلند کئے۔

بہت سے لوگ جو مسیح سے واقف نہ تھے۔ اس کی یہ شان دیکھ کر حیران ہوتے تھے۔ اور دُوسروں سے پُوچھتے تھے کہ یہ کون بادشاہ ہے۔ جس کا استقبال اِس گرمجوشی کے ساتھ کیا جا رہا ہے۔ اُنکو واقفکار لوگ بتاتے تھے کہ یہ رُوحانی بادشاہ مسیح ہے۔ جو

غریبوں کی حفاظت کا کام کرتا ہے۔ سب سے پہلے مسیح اپنے گروہ کے ساتھ ہیکل میں پہنچا۔ یہ مقام کبھی مذہبی امور کے فیصلہ کے لئے مقرر تھا۔ مگر ان دنوں یہاں پر ایک مارکیٹ تھا۔ مرغیاں والے مرغیاں فروخت کرتے تھے۔ اور کبوتر فروش کبوتروں کے ٹوکرے لئے بیٹھے تھے۔ ان جانوروں کی غلاظت سے تمام مکان میں غلاظت پھیلی ہوئی تھی۔ مسیح کو یہ نظارہ دیکھ کر بڑا رنج ہوا۔ اُس نے حکم دیا کہ تمام لوگ جو ہیکل میں مرغیاں اور کبوتر فروخت کرتے ہیں۔ چلے جاویں۔ اور اُنہیں نکال کر دھرم اُپدیش کرنا شروع کیا۔ بہت جلد اس امر کا شور تمام شہر میں مچ گیا کہ مسیح زبردستی لوگوں کو یروشلم کی ہیکل سے نکالتا ہے۔ چنانچہ کاہنوں اور فقیہوں کا ایک گروہ وہاں آیا۔ اور مسیح کی حرکات سے ناراض ہو کر اُس سے پوچھنے لگے کہ یہ تو کیا کر رہا ہے مسیح نے کہا کہ ہیکل کوئی خرید و فروخت کی جگہ نہیں۔ بلکہ پرماتما کی پرارتھنا کی جگہ ہے۔ میں اس جگہ کو اسی مطلب کے لئے مقرر کرتا ہوں۔ جس کے لئے کہ یہ ہے۔ مگر کاہنوں کا غصہ بڑھتا گیا۔ اور وہ مسیح کے ساتھ لڑائی کو آمادہ ہو گئے۔

اتنے میں شام کا وقت ہو گیا اور مسیح اپنی بھیڑ کو لیکر شہر سے باہر چلا گیا۔ اور رات کی رات بیت طبیناہ میں ٹھہرا۔ صبح ہی پھر شہر کو آیا۔ اور یروشلم کے ہیکل میں جا کر اُپدیش کرنے لگا۔ یروشلم کے لوگ بڑے حیران تھے کہ مسیح اپنی ہی مرضی کے مطابق جو کچھ اُس کے جی میں آتا ہے۔ کرتا ہے۔ کاہنوں کے سردار کو خوف ہوا کہ کہیں مسیح زور پکڑ کر اُن کی حکومت پر ہی قبضہ نہ کر لے۔ اس لئے وہ اُسے ہلاک کرنے کی تجاویز سوچنے لگا۔ ہیکل میں آکر مسیح نے اُپدیش شروع ہی کیا تھا اور لوگ آنے شروع ہوئے تھے کہ کاہن لوگوں کا ایک گروہ بڑے غصہ میں بھرا ہوا اُس جگہ آیا۔ اور مسیح سے دریافت کرنے لگا کہ تو یہ کام کس کی اجازت سے کرتا ہے۔ اور تجھے ایسا کرنے کا اختیار کس نے دیا ہے؟ مسیح نے جواب دیا کہ اگر تم مجھ سے سوال کرتے ہو تو میرے سوال کا بھی جواب دو۔ اور جب تم میرے سوال کا جواب دیدو گے تو میں تمہارے سوال کا بھی جواب دُونگا۔ اور پوچھا کہ تم یوحنا کو کیا سمجھتے ہو۔ وہ آسمان

کی طرف سے تھا یا نہیں؟ اس سوال نے کاہن لوگوں کو بڑا حیران کیا۔ وہ ڈرتے تھے کہ اگر اسے خدا
کا نبی کہیں تو یہ پوچھیگا کہ پھر تم اُس پر ایمان کیوں نہ لائے؟ اور اگر کہیں کہ وہ نبی نہ تھا
تو عام لوگوں کی ناراضگی کا خوف تھا۔ کیونکہ وہ یوحنا کی بڑی عزت کرتے تھے۔ کاہن
لوگ خاموش ہو گئے۔ اسکے بعد مسیح بولا "اے کاہنو! میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ تمہاری
نسبت محصول لینے والے اور کسبیاں اچھی ہیں۔ کیونکہ جب یوحنا تمہارے پاس نیکی
اور پاکیزگی کی تعلیم لیکر آیا۔ تم نے اُسے نہ پہچانا اور تنگ کیا۔ مگر محصول لینے والوں اور
کسبیوں کی آنکھوں نے اُسے دیکھ لیا۔ اور وہ اس کی ہدایات پر عمل کرنے لگے۔ مگر افسوس
یہ تم پر کہ تم پیچھے سے بھی نہ پچھتائے کہ یوحنا نبی کا یقین کر لیں۔" فریسی لوگ مسیح کی باتیں
سنکر دانت پیسنے لگے۔ مگر بحث میں وہ ایک حرف منہ سے نہ بول سکتے تھے۔ اس لئے
خفیہ طور پر مشورہ کرنے لگے کہ مسیح کو ایسی باتوں میں پھنسائیں۔ کہ اس پر بغاوت کا
الزام لگایا جاوے اور پھانسی کی سزا پاوے۔

چنانچہ انہوں نے اپنے بہت سے شاگردوں کو ہیرودیوں کے ساتھ مسیح کے پاس بھیجا
اُنہوں نے آکر مسیح سے کہا۔ "اے اُستاد! ہم جانتے ہیں کہ تو سچا ہے اور سچی تعلیم لوگوں کو
دیتا ہے۔ اُن کو ایشور کی طرف بلاتا ہے اور نیکی سکھاتا ہے۔ تو کسی کی پرواہ نہیں کرتا
کیونکہ کسی انسان کا تجھے خوف یا ڈر نہیں ہے۔ اے اُستاد! تو ہم کو بتا کہ بادشاہ کو جزیہ دینا
مناسب ہے یا نہیں؟" مسیح اِن لوگوں کی شرارت کو تاڑ گیا اور غصہ میں آکر کہا۔ "ریاکارو
تم یہ کیا شرارت کرتے ہو۔ اور مجھے بیوقوف بناتے ہو۔ مجھے اپنے جزیہ کا سکہ دکھاؤ" لوگوں
نے ایک دینار اُس کے ہاتھ پر رکھا۔ جسے دیکھ کر مسیح نے کہا "یہ صورت اور نام جو اس
دینار پر ثبت ہے۔ کس کی ہے؟" لوگوں نے کہا۔ بادشاہ کی۔ یہ سنکر مسیح نے کہا۔ "جو چیز
قیصر کی ہے۔ اُسے قیصر کو دیدو۔ اور جو چیز پرماتما کی ہے۔ اُسے پرماتما کے حوالے کر دو۔"
یہ جواب باصواب سنکر فریسی لوگ حیران ہو گئے۔ اور شرمندہ ہوکر واپس لوٹ گئے۔ اور مسیح

پھر اپنے اُپدیش میں مصروف ہوگیا۔

یروشلم میں ایک گروہ آباد تھا۔ جو صدوقی کہے جاتے تھے۔ یہ لوگ قیامت کے دن پر یقین نہ کرتے تھے۔ بلکہ ہندوستان کے جینی لوگوں کی طرح ان کا یقین تھا کہ یہ دُنیا ہمیشہ سے اسی طرح بنی آئی ہے اور اسی طرح بنی رہیگی۔ جب انہوں نے مسیح کے لیکچروں کا شور سُنا تو یہ بھی اس کے پاس بحث کے لئے آئے۔ اور ان میں سے ایک شخص نے آگے بڑھ کر پوچھا "اے اُستاد! موسےٰ کا حکم ہے کہ اگر ایک شخص لاولد مر جائے تو اُس کے دوسرے بھائی کو چاہیئے کہ اُس کی بیوی کے ساتھ شادی کر کے اولاد پیدا کرے۔ جو اُس کے بھائی کی ہوگی۔ ہمارے درمیان سات بھائی تھے جن میں سے ایک کا بیاہ ہوا۔ اور وہ مر گیا۔ اس کے بعد اُس کے دوسرے بھائیوں نے اس عورت سے شادی کی اور مر گئے۔ سب کے بعد وہ عورت بھی مر گئی۔ تو جو قیامت کی سند لیبہ لوگوں کو دیتا ہے۔ بتا کہ قیامت کے روز وہ عورت اُن ساتوں میں سے کس کی بیوی ہوگی؟ کیونکہ ساتوں نے اُس کے ساتھ شادی کی تھی۔" مسیح نے اس سوال کے جواب میں کہا۔ "بیوقوفو! تم گمراہ ہو۔ تم نے اصلیت کو نہیں جانا۔ قیامت میں بیاہ شادی نہیں ہوتے۔ بلکہ لوگ آسمان پر فرشتوں کی مانند رہینگے" مسیح کے اس جواب سے پایا جاتا ہے کہ اُسے خود قیامت کے بارہ میں دُرست علم نہ تھا۔ اس لئے جو اُس کی سمجھ میں آیا۔ اُس نے کہہ دیا۔ صدوقی لوگ بھی یہ سنکر خاموش ہو گئے اور واپس لوٹ آئے۔

جب فریسی لوگوں کو معلوم ہوا کہ مسیح نے صدوقیوں کی زبان اپنی جادو بیانی سے بند کر دی ہے وہ جمع ہو کر پاس آئے اور اُسے لوگوں میں شرمندہ کرنے کیلئے طرح طرح کی تجاویز سوچنے لگے۔ آخر انہوں نے پوچھا۔ اے اُستاد! تو ہم کو بتا کہ توریت میں سب سے بڑا حکم کونسا ہے؟ مسیح نے جواب دیا۔ توریت کا سب سے بڑا حکم یہ ہے کہ انسان کو لازم ہے کہ اپنے سارے دل سے ساری جان سے اور ساری عقل سے پرماتما سے محبت کرے۔ دوسرا بڑا حکم

یہ ہے کہ انسان کو چاہیئے کہ اپنے پڑوسی سے ویسی ہی محبّت رکھے جیسی کہ وہ اپنے لئے رکھتا ہے
یہی سب سے بڑے احکام ہیں۔ جن پر توریت کا دارومدار ہے۔ اور یہ بڑی اچھی ہدایات ہیں۔
فریسی لوگ اس سے آگے زبان نہ کھول سکے اور مسیح کے سامنے سے کھسک گئے۔ مگر نزدیک
ہی جمع ہو کر شرارت سے شور مچانے لگے۔ اس موقع پر اُس نے اپنے شاگردوں کو مخاطب کر کے کہا

"اے دوستو! فقیہہ اور فریسی موسےٰ کی گدّی پر بیٹھے ہیں۔ جو تعلیم توریت سے وہ
تم کو دیں۔ وہ سب کرو اور مانو۔ لیکن جس قسم کے کام وہ کرتے ہیں۔ وہ ہرگز نہ کرو۔ کیونکہ وہ
صرف کہتے ہیں کرتے نہیں۔ جو کرتے ہیں وہ اُن کے قول کے سراسر خلاف ہے۔ وہ بھاری بھاری
بوجھ باندھ کر لوگوں کے کندھوں پر رکھتے ہیں۔ مگر خود اپنی انگلی بھی اُسے نہیں لگاتے۔ وہ
اپنے تمام کام ریاکاروں کی طرح دُوسرے لوگوں کو دکھانے کیلئے کرتے ہیں۔ وہ ضیافتوں
دعوتوں اور عبادت خانوں میں اونچی اونچی کرسیوں پر بیٹھنا پسند کرتے ہیں۔ اور بازاروں
میں لوگوں سے سلام کرانا اور مربّی کہلانا پسند کرتے ہیں۔ مگر میرے عزیزو! تم مربّی نہ کہلاؤ
بلکہ اپنے آپکو ایک دُوسرے کا بھائی خیال کرو۔ تم کسی کو اپنا باپ نہ کہو۔ کیونکہ سب کا باپ
ایک ہی پاربرہم پرمیشور ہے۔ جو تم میں سب سے بڑا ہے سب سے چھوٹا ہے۔ اور جو اپنے
آپ کو سب سے چھوٹا سمجھیگا۔ وہ بڑا کیا جاویگا۔ پس غرور، تکبّر اور شرارتوں سے توبہ
کر کے نیکی کے کاموں کی طرف دل لگاؤ۔"

فقیہی اور فریسی لوگ شرارت اور دنگا کر رہے تھے۔ جسے دیکھ کر مسیح کو بڑا غصّہ آیا۔
وہ انہیں مخاطب کر کے بولا:-

"اے ریاکار فقیہو اور فریسیو! تم پر افسوس اور لعنت ہے کہ نہ تو خود نیک باتوں کو سنتے
ہو۔ اور نہ دُوسروں کو سننے دیتے ہو۔ تم نہ خود پرماتما کی بادشاہت میں داخل ہونے کی
تیاری کرتے ہو اور نہ دوسروں کو کرنے دیتے ہو۔ تم پر ہزار لعنت ہے۔ اے شریرو! تم پر افسوس
ہے کہ ایک مرید کرنے کے لئے تری اور خشکی کا دورہ کرتے ہو اور مارے مارے پھرتے ہو۔ اور جب

وہ مرید ہو چکتا ہے تو اُسے سوائے جہنم کی آگ میں جلنے کے اور کوئی تعلیم نہیں دیتے۔ اُسے گناہ
کی طرف آمادہ کرتے ہو۔ اے اندھا راہ بتلانے والو! تم پر افسوس ہے کہ تم کہتے ہو کہ جو مقدس
کی قسم کھائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ لیکن جو مقدس کے سونے کی قسم کھائے۔ اس پر اُس کی
پابندی ہوگی۔ اندھو! سوچو تو سہی، مقدس بڑا ہے یا وہ سونا۔ اور پھر کہتے ہو۔ اگر کوئی قربانگاہ
کی قسم کھاوے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ ہاں اگر قربان گاہ کے چڑھاوے کی قسم کھاوے، تو
اُس کی پابندی اُس کی گردن پر ہے۔ بیوقوفو! تم یہ بھی نہیں جانتے کہ قربانگاہ بڑی ہے
یا اُس کا چڑھاوا؟ اے گمراہ لوگو! تم پر سخت افسوس ہے۔ تم نے انصاف، رحم اور ایمان
کو چھوڑ دیا ہے۔ یہ چھوڑنا تم کو واجب نہ تھا۔ تم مچھر کو تو چھانتے ہو کہ تمہارے حلق میں
نہ چلا جاوے۔ مگر اونٹ کو سالم نگل جاتے ہو۔ یہی تمہاری عقل ہے۔ تم پیالے اور رکابی
کو اوپر سے تو خوب صاف کرتے ہو۔ مگر اس بات کی ذرا بھی پرواہ نہیں کرتے کہ اُس کے
اندر کیا ہے؟ یا وہ کیسی گندی اور غلیظ ہے۔ اے اندھو! پہلے رکابی یا پیالہ کو اندر سے
صاف کرنا سیکھو۔ اے شریرو! تم اُن قبروں کی مانند ہو جن پر سفیدی پھری ہوئی ہو
جو اوپر سے بڑی خوبصورت معلوم ہوتی ہیں۔ مگر اندر سے ہڈیوں اور نجاست سے پُر ہوں
اسی طرح تم بھی اوپر سے تو راست باز اور سچائی پسند بنے پھرتے ہو۔ مگر تمہارے دلوں
میں ریاکاری اور بے دینی بھری ہوئی ہے۔ تم پر افسوس ہے۔"

یہ تقریر کرتے ہوئے مسیح کا خون جوش میں آ گیا۔ جو باتیں اُس کے دل میں حرکت کر رہی
تھیں۔ اُس نے کہہ دیں۔ مگر اُسے بھی معلوم ہو گیا کہ اس کی یہ تقریر اُس کے سر پر مصیبت
کا پہاڑ گرائے بغیر نہ رہیگی چنانچہ پھر اُس نے یروشلم کو مخاطب کر کے کہا:۔

"اے یروشلم! اے یروشلم! تو نبیوں کی قاتل مشہور ہے۔ جو نبی تیرے پاس آتا ہے کہ تیرے
بچوں کو نیک تعلیم دے اور اُن کو گناہ کی زندگی سے بچا دے تو اُس کو ہی ہلاک کر ڈالتی ہے
جو تیرے پاس پہلے بھیجے گئے۔ تُو نے اُن کو سنگسار کرا دیا۔ کتنی ہی بار نبی تیرے پاس آئے۔

اور اُنھوں نے چاہا کہ اپنی نیک تعلیم سے تیرے بچّوں کو حفاظت کے مقام میں پہنچا دیں۔ جس طرح مُرغی خطرہ کے موقعہ پر اپنے تمام بے سمجھ بچّوں کو آرام دہ پروں تلے دبا لیتی ہے۔ مگر تُو نے نہ چاہا۔ اور کسی کی بات نہ سُنی۔ مَیں بھی چاہتا ہوں کہ تیرے لڑکوں کو جمع کر لوں۔ اور اُنہیں تباہی سے بچاؤں۔ مگر شاید تیرے کان نہیں کہ تو میری بات کو سُنتی نہیں ہے۔"

اتنے میں شرارت پسند لوگوں نے خُوب شرارت پھیلائی اور مسیح ہیکل سے نکل کر چلا گیا تاکہ زیادہ گڑبڑ نہ مچے۔ اِس قدر سخت تقریریں کر کے مسیح یروشلم میں آرام کے ساتھ نہیں رہ سکتا تھا۔ چنانچہ اُس کے مخالفوں نے جمع ہو کر اس کی تباہی کی ترکیبیں سوچنی شروع کیں ایک روز سردار کاہن اور قوم کے بڑے بزرگ کائفا نامی ایک سردار کے مکان پر جمع ہوئے اور مشورہ کیا کہ مسیح کو دھوکے یا فریب سے پکڑ کر قتل کر ڈالیں۔ مسیح کو اس مشورہ کا پتہ لگ گیا اور وہ اپنی جان بچا کر ایک مقام پر جا چھپا۔ اس کا پتہ صرف اس کے بارہ شاگردوں کو تھا۔ اور کوئی شخص اُس کی نسبت نہ جانتا تھا۔ مسیح کا دل جان کے خوف سے لرزتا تھا۔ مگر وہ اپنے مشن سے بھی دست بردار نہ ہوتا تھا۔ کاہن لوگوں نے اس کی بڑی تلاش کی لیکن کُچھ پتہ نہ چلا اور وُہ تھک کر بیٹھ گئے۔

مسیح کے شاگرد ہر وقت اُس کے اِرد گرد رہتے تھے اور اُس کی بڑی دلجوئی کرتے تھے۔ مسیح کو اِن پر بڑا بھروسہ تھا اور اپنے مشن کا پرچار وہ اِن کی ذات پر ہی نربھر جانتا تھا۔ وہ ان کو اچھی اچھی ہدایات دیتا رہتا تھا۔ تاکہ اس کے بعد ان کے کام آویں۔ فریسی لوگ اُسے گرفتار کرنے کے لئے جو کوششیں کرتے تھے۔ اُن سب کا علم اُسے ہو جاتا تھا۔ اور وہ اپنے آپ کو زیادہ محفوظ مقام میں پہنچا دیتا تھا۔ چنانچہ آخر کار وہ پوشیدہ ہی پوشیدہ ایک مقام گتسمنے میں آیا۔ سرکاری آدمی اس کی گرفتاری کی فکر میں تھے۔ اور اس کا دل بھی اپنے پکڑے جانے کے خوف سے بیٹھا جاتا تھا۔ اُس کے بارہ شاگردوں میں سے ایک شاگرد جس کا نام یہوداہ اسکریوتی تھا۔ کاہنوں سے جا ملا اور ۳۰ روپیہ بطور رشوت لیکر اس

کہینے کاہنوں سے وعدہ کیا کہ وہ مسیح کو گرفتار کرا دیگا۔ چونکہ مسیح اکثر بھیس بدلے ہوئے
رہتا تھا۔ اس لیئے اس کا پہچاننا بڑا مشکل تھا۔ یہوداہ نے کہا کہ اس کی سہل ترکیب یہ
ہے کہ میں اُسے بوسہ دُونگا۔ اور تم نے جان لینا کہ مسیح وُہی ہے۔ اور اُسے پکڑ لینا۔
ایک رات مسیح الشیود پرارتھنا میں مشغول تھا۔ اور رو رو کر دُعا مانگ رہا تھا کہ جو آزمائش
اس کے سامنے آنے والی ہے۔ وُہ ٹل جاوے۔ چنانچہ اُس کے الفاظ یہ ہیں: "اے میرے
باپ! آزمائش اور مصیبت کا یہ پیالہ اگر مجھ سے ٹل جاوے تو اچھا ہے۔" پرارتھنا کے
بعد وُہ اپنے شاگردوں کے پاس آیا۔ وہ مزے سے سو رہے تھے۔ مسیح کا دل دھڑک
رہا تھا۔ اور اُسے اپنی گرفتاری کا بڑا اندیشہ تھا۔ اُس نے شاگردوں کو جگایا اور دُوسری
جگہ چلنے کی تیاری کرنے لگا۔ وُہ یہ باتیں کر ہی رہا تھا کہ شریر اسکریوتی آپہنچا۔ جس کے
ساتھ کاہنوں کی ایک بڑی مسلح بھیڑ تھی۔ اُس نے آتے ہی مسیح کو سلام کیا اور بوسہ لیا۔
اتنے میں کاہنوں کی فوج نے اُسے گرفتار کر لیا۔ مسیح کے ساتھیوں میں سے ایک نے
تلوار نکال کر وار کیا۔ اور ایک کاہن کا کان اُڑا دیا۔ مسیح نے اسے کہا۔ "دوست! اپنی
تلوار میان میں کر۔ کیونکہ قتل کرنے سے قتل ہونا اچھا ہے۔" جونہی مسیح گرفتار کیا گیا۔
لوگوں نے اس پر سختی شروع کی۔ اسکے تمام شاگرد بھاگ گئے اور انہوں نے پیچھے مُڑ کر
بھی نہ دیکھا۔ یہوداہ نے اپنے اُستاد کو گرفتار تو کرا دیا۔ مگر جب اس کا جوش کم ہُوا اور
وہ سنجیدگی کے ساتھ اس معاملہ پر وچار کرنے لگا۔ اُسے بڑا رنج ہُوا۔ اور وہ اپنے تئیں
لعنت ملامت کرنے لگا۔ وہ روپیہ جو اُس نے رشوت میں لیا تھا۔ لیکر سردار کاہنوں کے
پاس گیا اور دے کر کہنے لگا کہ یہ لو۔ میں اس کا روادار نہیں۔ یہ پاپ کا روپیہ ہے۔ مگر کسی
نے اُس کی بات نہ سُنی۔ وہ روپیہ وہاں ہی پھینک کر آ گیا اور پھانسی لیکر مر گیا۔
جب کاہن لوگوں نے یسوع کو گرفتار کر لیا۔ وہ اُسے لیکر شہر میں آئے۔ اور صبح ہوتے
ہی کائفا نامی سردار کے پاس لائے۔ جب پطرس نے جو مسیح کی گرفتاری کے وقت بھاگ

گیا تھا۔ اپنے اُستاد کو اس حالت میں دیکھا۔ وہ اُس کی قسمت کا آخری فیصلہ سُننے کیلئے لوگوں
کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ اور لباس بدل کر بھیڑ میں شامل ہو گیا۔ جب لوگ مسیح کو کائفا کے دیوانخانہ
میں لے گئے۔ پطرس باہر نوکروں میں بیٹھ گیا۔ اور باتیں کرنے لگا۔ ایک لونڈی نے اُسے
دیکھ کر کہا کہ یہ بھی تو مسیح کے ساتھیوں میں سے ایک ہے۔ پطرس یہ سُنکر ڈر گیا۔ اور جب
لوگ اُس کے گرد جمع ہونے شروع ہوئے۔ اُس نے زور سے کہا کہ نہیں وہ مسیح کا
ساتھی نہیں ہے۔ پطرس وہاں سے اُٹھ کر چلنے لگا۔ اتنے میں اسے ایک اور شخص نے
پہچان لیا۔ وہ کہنے لگا کہ بیشک یہ یسوع ناصری کا ساتھی ہے۔ اب تو اُسکے ہوش اُڑ گئے
کہ کہیں پکڑا جا کر جان سے نہ مارا جائے۔ اُس نے قسم کھا کر کہا کہ میں مسیح کو نہیں
جانتا۔ لوگ اُسے پکڑ کر مسیح کے سامنے لے گئے۔ اور کہنے لگے کہ تیری آواز سے پایا جاتا
ہے کہ تو بھی اس مسیح کا ساتھی ہے۔ پطرس نے اپنی جان کے خوف سے وہیں مسیح پر
لعنت بھیجی اور قسم کھا کر کہنے لگا کہ میں نے اس آدمی کو کبھی نہیں دیکھا۔ اس پر لوگوں نے
اُسے چھوڑ دیا۔ اُس کی یہ حالت دیکھ کر مسیح کے دل پر بڑا صدمہ ہوا۔ اور اُس نے کہا۔
یہی لوگ ہیں جو میرے ساتھ وفاداری کا دم بھرتے تھے۔ اور جان تک دینے کو تیار تھے
آہ! ایک ہی پکڑ میں وہ اپنے ایمان سے گر گئے!! مسیح نے پھر بھی حوصلہ نہ ہارا۔
بلکہ اپنے ارادہ پر ثابت قدم رہا۔

کائفا اور دوسرے عمر رسیدہ کاہنوں نے فیصلہ کیا کہ مسیح کو جان سے مار ڈالنا چاہیئے
تاکہ وہ کفر کے کلمات نہ کہے اور ہماری طاقت کو نقصان نہ پہنچا دے۔ انہوں نے اُسے
باندھ لیا اور مارتے ہوئے حاکم پیلاطس کے سامنے لے گئے۔ پیلاطس بڑا نرم دل حاکم
تھا مگر وہ لوگوں کے گروہ سے ڈرتا تھا جب مسیح اسکے سامنے لایا گیا۔ اُس نے پوچھا:۔

پیلاطس:۔ اے مسیح! کیا تو اپنے آپ کو یہودیوں کا بادشاہ کہتا ہے کیا درحقیقت
تو اُن کا بادشاہ ہے؟

مسیح :- اے نیک حاکم! تُو اپنی زبان سے خود کہتا ہے۔

کاہن لوگ مسیح پر طرح طرح کے الزامات لگا رہے تھے۔ کوئی کچھ کہتا تھا کوئی کچھ۔ کوئی اِسے باغی بتاتا تھا۔ کوئی اِسے کافر کہتا تھا۔ مگر مسیح سب کی سُنتا تھا اور جواب نہ دیتا تھا۔ لوگوں کی طرف اشارہ کر کے حاکم نے کہا:-

پیلاطس :- "مسیح! کیا تُم سُنتا ہے کہ یہ لوگ تیری نسبت کیا کہتے ہیں؟"

مسیح :- "اِن کی زبان اِن کے اختیار میں ہے۔ یہ جو چاہیں۔ اِس گوشت کے ٹکڑے سے کہہ سکتے ہیں۔"

پیلاطس جانتا تھا کہ مسیح کا زیادہ قصور نہیں ہے۔ مگر وہ اِس کی خاموشی کی موجودگی میں اُسے ملزم گرداننے کے سوا اور کیا کر سکتا تھا۔ اُس نے مسیح کو مجرم ٹھہرایا۔ اُن دِنوں میں دستور تھا کہ عید کے تہوار کے موقعہ پر بہت سے قیدیوں میں سے ایک قیدی کو خواہ اُس کا کتنا ہی بھاری جُرم کیوں نہ ہو۔ رہا کیا جاتا تھا۔ مسیح کے ساتھ ہی ایک شخص برآبا نامی قید تھا۔ جو بڑا بدچلن تھا۔ پیلاطس نے لوگوں سے پوچھا کہ وہ کِس کو رہا کرانا چاہتے ہیں۔ کاہن لوگوں نے کہا کہ وہ برآبا کی رہائی منظور کر سکتے ہیں۔ مگر مسیح کو زندہ نہیں دیکھ سکتے۔ اس پر برآبا آزاد کر دیا گیا اور مسیح کے قتل کا حکم لکھ دیا گیا۔

مسیح! پاک مسیح! وہ مسیح جو لوگوں کو نیکی کی تعلیم دیتا تھا۔ جلادوں کے حوالے کیا گیا۔ جنہوں نے اِس کے کوڑے مارنے شروع کئے۔ اور مارتے مارتے اُسے قلعہ میں لے آئے۔ یہاں بہت سے لوگ اسے تنگ کرنے کے لیے آئے۔ اُنہوں نے زبردستی اس کے کپڑے اُتار دیئے۔ اور ایک قرمزی کوٹ پہنایا۔ کانٹوں کا تاج اس کے سر پر رکھا اور ایک سرکنڈا اُس کے ہاتھ میں دیکر تمخول کرنے لگے۔ کہ اے یہودیوں کے بادشاہ! سلام۔ اُنہوں نے بڑی شرارت سے اُس کے مُنہ پر تھوکا اور اُسی سرکنڈے کو چھین کر اُسے مارنے لگے۔ اور کئی گھنٹے تک اُسے ستاتے رہے۔ مسیح خاموش بیٹھا رہا۔ اس

کی کوئی پیش نہ جاتی تھی۔ وُہ اِس قدر لوگوں کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا۔ سب سے بڑا خیال جو اُس کے دل کو غمگین بنائے ہوئے تھا۔ وُہ اُس کے شاگردوں کے متعلق تھا۔ جو اس کے پاس تک نہ آئے۔ بلکہ اُسے مصیبت میں پھنسا چھوڑ کر بھاگ گئے۔ مسیح اپنی موت کی گھڑیاں گن رہا تھا۔ اور ظالم موت لمحہ بہ لمحہ اُس کے سر پر آ رہی تھی۔

قلعہ سے نکل کر یہ لوگ مقتل کو چلے اور گلگتا نامی مقام میں پہنچے۔ یہاں آکر مسیح کو پیاس لگی۔ اُس نے پینے کو پانی مانگا۔ مگر ظالموں نے اُسے ریت ملی ہوئی شراب دی جسے چکھ کر مسیح نے چھوڑ دیا۔ اور مرنے کو تیار ہوا۔ جلادوں نے اس کے کپڑے اُتار کر وہ لباس پہنایا۔ جو قتل کرتے وقت پہنایا جاتا ہے۔ کاہن لوگوں نے مسیح کے برخلاف جو بغاوت اور کفر کے الزامات لگائے تھے۔ وہ لکھ کر اُس کے سر پر لٹکا دئے۔ اور اُس کے سامنے بیٹھ کر تخول کرنے لگے کہ اے خُدا کے بیٹے! اگر تو اپنے آپ کو بچا سکتا ہے تو اب بچا۔ اے یہودیوں کے بادشاہ! اب تیری طاقت کہاں گئی اے ہیکل کو تین دن میں ڈھانے کا دعوے کرنے والے! اب اپنا زور دکھا۔ او اے معجزوں کا شور مچانے والے! اب تیرے معجزے کیا ہوئے؟ مسیح نے ان باتوں کا کوئی جواب نہ دیا اور تھوڑی دیر بعد جلّادوں نے اُسے صلیب پر لٹکا دیا۔ فقیہی لوگ کہنے لگے کہ مسیح اوروں کو بچانے کی شیخی مارتا تھا۔ اب وُہ اپنے آپ کو تو بچاوے۔ اگر اب وہ صلیب پر سے اُتر آوے تو ہم اُس پر ایمان لے آویں۔

تیسرے پہر کے قریب مسیح نے بڑی دردناک آواز میں پُکار کر کہا۔

"اے باپ! اے میرے پتا! تُو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟"

تکلیف اور درد سے مسیح کو بڑا دُکھ ہو رہا تھا۔ اُس کی جان ٹُوٹ رہی تھی۔ اور کسی کو اُس پر ترس نہ آتا تھا۔ اس کی دردناک آواز سُنکر ایک شخص آگے بڑھا اور اسفنج کا ایک ٹکڑا سرکہ میں بھگو کر سرکنڈے پر رکھ کر اُسے چُسانے لگا۔

چند منٹ اسی طرح گذر گئے۔ لیکن مخالف لوگ پھر بھی مخول ہی اُڑاتے رہے۔ اور چند لمحہ کے بعد مسیح کی رُوح جسم سے پرواز کر گئی۔ مسیح جو دُوسروں کو بھلائی کی تعلیم دیتا تھا۔ اور ظالموں کو غریبوں پر ظُلم کرنے سے روکتا تھا۔ قربان کر دیا گیا۔ یہ قربانی ایسی نہ تھی کہ جو اپنا رنگ نہ لاتی۔ مسیح کی رگوں میں پاک خُون حرکت کرتا تھا۔ اُس کا خُون جلد سرد ہونے والا نہ تھا۔ آج خواہ اُس کے مشن کا پرچار کرنے والے اُس کے مُدعا کو نہ سمجھیں۔ اور دُنیا کو غلط راستہ پر چلانے کے لئے کوشش کریں۔ مگر مسیح کی قربانی ایک زبردست قربانی ہے۔ اور جب تک یہ زمین قائم ہے۔ مسیح کا نام بھی زندہ ہے ؎

مسیح کے پیرؤں کی تعداد آج دُنیا میں کروڑوں تک پہنچی ہوئی ہے۔ اور دن بدن یہ تعداد بڑھ رہی ہے۔ مگر مسیح کے مخالفوں کی تعداد بھی کروڑوں سے کم نہیں۔ مسیح کے نام سے جس تعلیم کا پرچار آج کل عیسائی کرتے ہیں۔ اس کی خواہ کتنی ہی مخالفت کی جاوے۔ مگر مسیح کا کوئی بڑے سے بڑا مخالف بھی اُس کے کیرکٹر پر حرف نہیں رکھ سکتا۔ مسیح بال برہمچاری تھا۔ اور اس نے اپنا تمام وقت حصُول علم اور دُوسروں کی بھلائی اور بہبودی میں صرف کیا۔ مگر افسوس کہ اُس کے اپنے ہموطنوں نے اس کی قدر نہ کی۔ اور اُسے نہایت شرارت اور ظُلم سے ہلاک کر ڈالا ؎

محمد صاحب

حضرت محمدؐ دنیا کی وہ بڑی شخصیت ہے جس پر دنیا کی طاقت، رعب اور ہمت جس قدر فخر کرے
تھوڑا ہے۔ موسےٰ کو اپنی زندگی میں بہت کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ مسیح اپنی زندگی میں
مارا مارا پھرتا رہا۔ لیکن محمدؐ کو اپنی زندگی میں ہی جو کامیابی حاصل ہوئی۔ جس کی مثال
اس وقت دنیا میں ملنی مشکل ہے۔ موسےٰ کے شاگردوں نے کئی دفعہ موسےٰ سے
منہ پھیر لیا۔ اور اس کے حکم سے روگردانی کی۔ مسیح کے خاص شاگرد نے اسے
گرفتار کرا دیا۔ اور دوسرے نے اس کے ساتھ گرفتار کئے جانے کے خوف سے اس
پر لعنت بھیج دی۔ مگر محمدؐ کے پیروؤں نے اپنے اُستاد کے ساتھ ایسا سلوک نہیں
کیا۔ بلکہ جو بات ایک دفعہ حضرتؐ کے منہ سے نکل گئی۔ اُس کے لئے خواہ کچھ بھی کرنا پڑا
اُن کے مریدوں نے کیا۔ اور کبھی پیچھے نہ ہٹے۔ اُن کی تلواروں نے ہزاروں گردنیں تن سے
جدا کر دیں۔ مگر محمدؐ کے الفاظ کی بے حرمتی نہ ہونے دی۔

حضرت محمدؐ ایک ایسا انسان تھا۔ جسے استقلال کا پتلا کہا جاوے تو مناسب ہے۔ اس
میں شک نہیں کہ نبوت اور رسالت کا خیال یا دعوےٰ ایک ایسا خیال ہے۔ جسے
تمام دنیا نے کبھی تسلیم نہیں کیا۔ مگر یہ دعوےٰ خالی از خطرات نہیں ہے۔ اس دعوے
کے لئے موسےٰ پر مصیبتوں کا پہاڑ گرا۔ مسیح غریب دار پر کھینچا گیا۔ اور محمدؐ کو بھی کئی
دفعہ خطرات کا سامنا کرنا پڑا۔ ایک بزدل انسان یہ دعوےٰ نہیں کر سکتا۔ ایک ڈرپوک
انسان اس خیال کو اپنے دل میں جگہ نہیں دے سکتا۔ اس خیال کو وہی شخص دل میں
لا سکتا ہے جس نے اپنا سر ہتھیلی پر رکھا ہو۔

حضرت محمدؐ میں کئی کمزوریاں تھیں۔ مگر اُن میں خوبیاں بھی بیشمار تھیں۔ اگر اُس کے جیون

میں خُوبیاں نہ ہوتیں۔ تو کب ممکن ہے کہ اِس قدر خلقِ خدا اُس کے نام پر آج چودہ سو
سال گُذر جانے پر بھی کٹ مرنے کو تیار نظر آتی۔ جو شخص اس راز کو سمجھ جاتا ہے۔
وہ محمدؐ کے بارہ میں کبھی یہ خیال نہیں کر سکتا۔ کہ اُس میں کوئی خُوبی نہ تھی۔

ساڑھے تیرہ سو سال کا عرصہ گذرا کہ عرب کے مشہور شہر مکّہ میں حضرت محمدؐ کا جنم ہُوا۔ محمد
ابھی گربھ میں ہی تھا کہ اُس کا باپ عبد اللہ فوت ہو گیا۔ والدہ آمنہ نے اس کی پرورش
کی۔ اس کا دادا عبد المطلب اگرچہ مکّہ کے سرداروں میں سے تھا۔ مگر غریب تھا چنانچہ
جب محمد کو پرورش کیلئے دایہ کے سپُرد کرنے کا خیال آیا۔ تو وہ بہت پریشان ہُوا۔ آخر
بڑی جدو جہد سے ایک دایہ حلیمہ کے حوالہ کیا گیا۔ اس عورت نے محمد کو بڑی اچھی طرح
پرورش کیا۔ اور چند سال کے بعد جب محمد ہوشیار ہو گیا۔ اُسے اُس کی والدہ کے پاس
دے آئی۔ عبد المطلب سے جو کچھ بن آیا۔ اُس نے حلیمہ کو انعام و اکرام دیا۔ جب محمد کی
عمر چھ سال کی ہوئی۔ تو ایکدفعہ اسکی والدہ اُسے ہمراہ لیکر مکّہ سے مدینہ اپنے رشتہ داروں
کے گئی۔ چند روز وہاں رہ کر جب واپس لوٹی۔ تو راستہ میں ابوا نامی ایک گاؤں میں مر گئی۔
اور محمدؐ ایک لونڈی کے ہمراہ اپنے دادا کے گھر آیا۔ ایک سال کے بعد عبد المطلب کی بھی
موت آئی اور اُسے بھی اِس جہان سے کُوچ کرنا پڑا۔ مرنے کیوقت اس نے اپنے تمام لڑکوں
کو جمع کیا۔ اور محمدؐ کی پرورش ابی طالب کے حوالے کی۔ چند منٹ کے بعد اُس کا دم نکل گیا۔
ابی طالب کے اور بھی کئی بچّے تھے۔ گزارہ بہت تنگ تھا۔ چند سال کے بعد اُس نے ارادہ
کیا کہ مُلک شام کی طرف سفر کرے اور کچھ روپیہ کما کر لاوے۔ چنانچہ اُس نے سفر کا تمام
انتظام کر لیا۔ تو محمد کو ایک رشتہ دار کی حفاظت میں چھوڑنے لگا۔ محمد کی عمر اُس وقت بارہ
سال کی تھی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اور وہ کر چچا سے کہا۔ کہ "کیا مجھے یہاں ہی
چھوڑ جاؤ گے۔ اپنے ساتھ نہ لے چلو گے؟" اِن الفاظ نے ابی طالب کے دِل پر بڑا اثر
کیا۔ اور اُس نے حضرت محمد کو بھی ساتھ ہی لے لیا۔ ابی طالب بصرہ تک گیا۔ وہاں اِسے کافی

منافع ہوگیا۔ اور مال فروخت کر کے وہاں سے ہی لوٹ آیا۔ راستہ میں انہیں ایک شخص بحیرہ ملا۔ جو بڑا پرہیزگار اور عالم تھا۔ وہ اکثر مذہبی کتب کا مطالعہ کرتا تھا۔ اور لوگوں میں نیکی کا پرچار بھی کرتا تھا۔ محمدؐ نے اس شخص کی باتوں کو بڑے غور سے سُنا۔ عیسائی لوگوں کا بیان ہے کہ یہ رومن کیتھولک عیسائی تھا۔

اسی طرح چند سال اور گذر گئے۔ محمد صاحب اپنے چچا کے ساتھ رہتے اور کام کاج کرتے رہے۔ کچھ عرصہ بعد آپ اپنے دوسرے چچا زبیر کے ساتھ تجارت کے لئے شام کے ملک میں گئے۔ اور بہت سے نئے تجربات سیکھ کر گھر آئے۔ آپ بڑے سمجھدار اور عالی حوصلہ تھے۔ آپ کے خاندان کے لوگ آپ کی بڑی عزت کرتے تھے۔ اور اکثر امور میں آپ کے ساتھ مشورہ کیا کرتے تھے۔

جب حضرت کی عمر ۲۵ سال کی ہوئی۔ چچا نے کہا۔ کہ اے محمدؐ! اب میرا حال بہت تنگ ہے۔ میں زیادہ عرصہ تک تیری پرورش نہیں کر سکتا۔ بہتر ہے کہ تو اپنے گذارے کی آپ فکر کرے۔ محمدؐ نے چچا کے ساتھ صلاح کر کے سفر اور تجارت کا ارادہ کیا۔ مگر پاس روپیہ وغیرہ کچھ نہ تھا۔ کہ اپنا مال لے کر جاتے۔ چچا نے کہا کہ خویلد کی بیٹی خدیجہ اپنا مال دیگر لوگوں کو تجارت کے لئے بھیجا کرتی ہے۔ تو بھی اُس کے پاس جا اور اُس سے پوچھ اگر وہ تجھے کچھ مال دے تو تجارت کر۔ محمدؐ بڑا شرمیلا تھا۔ اُس کو ایک عورت کے سامنے جاتے اور سوال کرتے بڑی شرم آتی تھی۔ مگر چچا کے زور ڈالنے پر وہ خدیجہ کے پاس گیا اور اپنا مطلب ظاہر کیا۔ خدیجہ نے اس سے کئی شرائط کیں۔ جو آپ نے منظور کر لیں۔ اور آپ تجارت کرنے شام کو گئے۔ تجارت میں آپ نے بڑا روپیہ پیدا کیا۔ اور جب واپس مکہ آئے تو خدیجہ سے مل کر پائی پائی کا حساب کر دیا۔ خدیجہ آپ کے حسن انتظام سے نہایت خوش ہوئی۔

محمدؐ نوجوان اور خوبصورت تھا۔ خدیجہ دولتمند تو تھی۔ مگر اُس کا خاوند فوت ہو چکا

تھا۔ اور وہ دوسری شادی کی فکر میں تھی۔ جب اس کی نظر محمدؐ پر پڑی۔ دل و جان سے آپ کو چاہنے
لگی۔ خدیجہ نے یہ انتخاب کرنے میں ذرا بھی غلطی نہ کی تھی۔ کیونکہ تمام مکہ میں محمدؐ سے اچھا
شخص ملنا مشکل تھا۔ بہت سے لوگ یہ کہتے ہیں کہ محمد صاحب کو یہ شادی کرنی مناسب نہ تھی۔
اور یہ شکائت کسی حد تک بجا بھی ہے۔ مگر جس جگہ محمد رہتا تھا۔ وہاں اس قسم کی باتیں
عام تھیں۔ اور کوئی شخص ایسی باتوں کو نفرت کی نگاہ سے نہ دیکھتا تھا۔ جس وقت
محمدؐ کو معلوم ہوا کہ خدیجہ اس سے شادی کرنا چاہتی ہے۔ اس نے اپنے چچا ابی طالب
سے ذکر کیا۔ ابی طالب کو یہ خوش خبری سنکر بڑی مسرت ہوئی۔ اور اس نے بزور کہا
کہ "محمد! اس موقعہ کو ہاتھ سے نہ جانے دو۔ غریبی نے ہمارا قافیہ تنگ کر دیا ہے۔
خدیجہ کے ساتھ اس کی دولت بھی ضرور ہمارے گھر میں آ جائیگی"۔ چنانچہ محمدؐ نے خدیجہ
کے پیغام کو منظور کر کے رسم و رواج ملک کے مطابق شادی کر کے خدیجہ کے ساتھ
رہنا شروع کر دیا۔ اس وقت خدیجہ کی عمر چالیس سال کے قریب تھی۔

خدیجہ کے ساتھ شادی ہونے کے بعد کئی سالوں تک محمد صاحب کی زندگی کے حالات
کسی کو معلوم نہیں ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ وہ مکان کے اندر پڑے رہتے تھے۔ کوئی کہتا
ہے کہ وہ ہر وقت عبادت میں مشغول رہتے تھے۔ مگر ٹھیک کوئی نہیں کہہ سکتا کہ وہ
کیا کام کیا کرتے تھے۔ غالباً وہ تجارت کرتے تھے۔ مگر گھر چھوڑ کر باہر نہ جاتے
تھے۔ چونکہ اب آپ کے پاس روپیہ کافی تھا۔ اس لئے آپ نے اپنا رسوخ بھی خوب
بنایا۔ امیر لوگوں کے ساتھ آپ کی ملاقات ہو گئی۔ اور شہر کے ضروری معاملات میں
آپ کی بھی رائے لی جانے لگی۔ ایک موقعہ پر جبکہ قریش لوگ خانہ کعبہ کی مرمت کر کے
اُسے اونچا کرنا چاہتے تھے۔ یہ سوال اٹھا کہ سنگ اسود کون اپنے ہاتھ سے رکھے۔ ہر
شخص چاہتا تھا کہ یہ نیک کام اس کے ہاتھ سے ہی سر انجام پاوے۔ آخر جب جھگڑا
بڑھنے لگا تو لوگوں نے محمد صاحب کو اپنا منصف قرار دیا۔ آپ نے بڑی دانائی

سے یہ فیصلہ کیا کہ سنگ اسود ایک کپڑے پر رکھا جاوے۔ اور تمام لوگ کپڑے کو پکڑ کر اُسے اُس جگہ لے چلیں۔ جہاں کہ اُسے رکھنا ہے۔ یہ تجویز لوگوں کو بہت پسند آئی۔ اور اُنہوں نے اس طرح ہی کیا۔ چنانچہ جب پتھر کو جائے مقررہ تک لے آئے اور اُسے عمارت میں رکھنے لگے۔ تو محمدؐ نے کہا کہ اب میں آپ سب کی طرف سے اِس خدمت کو سرانجام دیتا ہوں۔ چنانچہ آپ نے اکیلے ہی یہ کام کیا۔ اور کوئی لڑائی جھگڑا نہ ہو سکا۔ اس سے پایا جاتا ہے کہ محمدؐ صاحب کیسے ہوشیار اور دانا تھے نیز اُن کے اہل شہر اُن کی کس طرح عزت کیا کرتے تھے۔

ان دنوں عرب میں مذہبی بحث کا میدان خوب گرم تھا۔ یہودی اور عیسائی لوگ اکثر بحث مباحثہ کرتے رہتے تھے۔ محمد صاحب نے بھی ان مباحثات میں دلچسپی سے حصہ لیا۔ یہاں تک کہ ۴۱ سال کی عمر میں آپ نے دعوئے نبوت کر دیا۔ سب سے پہلے آپ نے اپنی بیوی خدیجہ کو کہا کہ وہ نبی ہے۔ خدیجہ فوراً آپ پر ایمان لے آئی۔ اس کے بعد آپ نے اپنے دوستوں کو نبوت کی خوشخبری دی۔ چنانچہ کئی عزیز دوست جو ہر وقت حضرت کے ساتھ رہتے تھے۔ آپ کی نبوت کے قائل ہو گئے۔ مگر عام لوگ طرح طرح کی چہ میگوئیاں کرنے لگے۔

حضرت محمدؐ کو رسالت کا دعوے موسے اور مسیح کی طرح شروع شروع میں مہنگا پڑا۔ جب تک آپ نے بت پرستی کی مخالفت نہ کی۔ لوگوں نے آپ کو کچھ نہ کہا۔ مگر جونہی آپ نے بت پرستی کے خلاف تقریر شروع کی۔ بت پرستوں کی آتش غضب جوش میں آنے لگی۔ لوگ محمدؐ کو بُرا بھلا کہنے لگے۔ اور جسمانی تکلیف دینے سے بھی باز نہ آئے۔ لیکن آپ نے ان باتوں کی ذرا پروا نہ کی۔ اسی اثنا میں کئی بڑے بڑے بہادر قریش آپ کے ساتھی بن گئے۔ سب سے زیادہ قابل ذکر عمر اور امیر حمزہؓ کا اسلام لانا ہے۔ یہ دونوں مکہ کے معزز رئیس تھے۔ اور بڑے بہادر تھے۔ امیر حمزہؓ تو حضرت محمدؐ کے

چچا تھے۔ ایک روز ابوجہل حضرت محمدؐ کو سخت بُرا بھلا کہہ رہا تھا۔ اُس نے اس روز محمدؐ کو
اس قدر گالیاں دیں کہ دوست تو دوست دُشمن بھی برداشت نہ کر سکے۔ چنانچہ امیر حمزہ
جو اس سے پہلے حضرت محمد کا سخت مخالف تھا۔ ابوجہل کی گالیاں سُنکر اُسے بھی جوش
آگیا۔ اُس نے ابوجہل سے کہا کہ محمدؐ نے تیرا کیا بگاڑا ہے۔ کہ تو اُسے گالیاں ہی
دیے جاتا ہے۔ مگر ابوجہل پھر بھی باز نہ آیا۔ اس پر امیر حمزہ کو سخت غصہ آیا۔ اُس نے
اپنی کمان ابوجہل کے سر پر ماری۔ اور کہا کہ اچھا۔ میں بھی مسلمان ہوں۔ یہ
سُنکر ابوجہل خوفزدہ ہو گیا۔ اور گالیاں دینے سے باز رہا۔ امیر حمزہ اس کے بعد محمدؐ
کے پاس چلا گیا۔ اور اُس کے ساتھ شامل ہو گیا۔

عُمر کے مسلمان ہونے کے متعلق مشہور ہے کہ ایک روز اسکو حضرت محمدؐ پر سخت غصہ آیا
اُس نے اپنی تلوار میان سے نکالی۔ اور محمدؐ کے قتل کرنے کے ارادہ سے اُس کے مکان
کی طرف چلا۔ راستہ میں عُمر کی بہن کا گھر تھا۔ جو اپنے خاوند کے ساتھ مُسلمان ہو چکی
تھی۔ عُمر نے سوچا کہ بہن سے مِلکر چلنا چاہیئے۔ جس وقت یہ بہن کے گھر میں داخل ہوا۔
وہ اس کی حالت دیکھ کر گھبرائی۔ اور پھر نرمی سے کہنے لگی کہ "او بھائی! تم بُت پرستوں کی
مدد کرتے ہو اور خُدا پرستوں کو مارتے ہو۔ یہ اچھا نہیں"۔ عُمر کے دل میں ان الفاظ
نے بڑا اثر کیا۔ اور وُہ شرمندہ ہو کر اُسی وقت گھر سے نکل کر محمد صاحب کے گھر کی طرف چلا۔
لوگوں نے سمجھا کہ وُہ ضرور شرارت کریگا۔ اُنھوں نے محمد صاحب سے کہا کہ عُمر اس طرح غصہ
کی حالت میں آتا ہے۔ حضرت نے کہا۔ کچھ پرواہ نہیں۔ آنے دو۔ محمد کے دل میں بڑی خواہش
تھی کہ عُمر اُن کے مذہب میں اُن کے ساتھ شامل ہو جاوے۔ جب عُمر دروازہ کے قریب
پہنچا۔ تو محمد نے اُٹھ کر اُس کا استقبال کیا۔ اور بازو سے پکڑ کر بڑے پیار سے کہا "اے عُمر!
تو آج کس طرح یہاں آئے ہو"۔ عُمر نے فوراً کہا کہ "گھر سے تو میں آپ کے قتل کے
لئے چلا تھا۔ مگر اب مسلمان بننے کو آیا ہوں"۔ یہ سُنکر محمدؐ نے شکریہ کیا۔ اور عُمر

ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اُسے مُبارکباد دی۔

عُمرؓ کے مُسلمان ہونے سے پہلے مُسلمانوں کی جماعت بڑی کمزور تھی۔ قریش لوگوں کا بڑا زور تھا۔ اور مُسلمان اپنی مذہبی مراسم چار دیواری کے اندر ہی سرانجام دیا کرتے تھے۔ جب عُمرؓ ان کے ساتھ شامل ہو گیا۔ تو اُس نے کہا کہ اب ان بُت پرستوں سے کیا ڈرنا۔ کون ہے جو اپنی جان گنوانے کے لیئے اِس تلوار پر سر رکھیگا۔ مُسلمانوں کا حوصلہ بڑھ گیا۔ اور وہ اپنی رسمیات برسر میدان سرانجام دینے لگے۔ پہلے پہل جب مسلمانوں نے میدان میں نماز پڑھی تو ان کی تعداد صرف چالیس تھی۔ قریش لوگ انہیں دیکھ کر چہ میگوئیاں کرنے لگے۔ عُمرؓ نے ان کو مخاطب کر کے کہا۔ کہ "جو شخص اپنے پیچھے رانڈ بیوہ اور یتیم بچّے چھوڑنا چاہتا ہے۔ وُہ آگے بڑھے اور مُسلمانوں کو ستاوے"۔ یہ سُنکر قریش لوگوں کا حوصلہ پست ہو گیا۔ اور عُمرؓ کی ننگی تلوار دیکھ کر کوئی آگے نہ بڑھ سکا۔ مسلمانوں نے بڑی شانتی سے نماز پڑھی اور اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔

قریش لوگ در پردہ حضرت محمّدؐ کی مخالفت کرتے رہے۔ لیکن جب تک ابی طالب زندہ رہا۔ وُہ آپ کو زیادہ نہ ستا سکے۔ ایک بار اُنہوں نے ابی طالب سے کہا۔ کہ تُو محمّدؐ کی مدد کرتا ہے۔ ہم تجھ کو بھی ہلاک کر دینگے۔ یہ سُنکر ابی طالب ڈر ا۔ اور چاہا کہ محمّدؐ کا ساتھ چھوڑ دے۔ اُس نے محمّدؐ کو بُلا کر کہا کہ "محمّدؐ! تو بُت پرستی کی مذمّت کرنا چھوڑ دے"۔ حضرت نے کڑک کر جواب دیا "میں سب کچھ چھوڑ دُونگا۔ مگر بُت پرستی کی مذمّت کرنا نہ چھوڑونگا۔ آپ سب مُجھ کو چھوڑ دیں۔ مگر میرا وشواس ہے کہ میرا خُدا مجھے ہرگز نہ چھوڑیگا"۔ ابی طالب نے زمانہ کے گرم سرد حالات سمجھا کر بہُت کچھ کہا۔ مگر حضرت نے ایک نہ مانی۔ بلکہ بدستور اپنے ارادے پر قایم رہے۔ جب ابی طالب نے زیادہ زور دیا تو آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ یہ دیکھ کر ابی طالب کا دل پسیج آیا۔ اور اُس نے پھر کبھی محمّدؐ کو یہ نہیں کہا کہ وُہ بُت پرستی کی مخالفت چھوڑ دے۔ بلکہ وہ ہمیشہ آپ کی مدد کرتا رہا۔

نبوّت کے دسویں سال محمّد کا چچا ابی طالب مرگیا۔ اور اس کے چند روز بعد خدیجہ نے
بھی آخری سانس لیکر محمد کی رفاقت چھوڑ دی۔ اِن دونوں کی وفات کا محمد صاحب کو سخت صدمہ
پہنچا۔ ابی طالب کی وفات کے بعد قریش لوگ محمّد کو زیادہ تنگ کرنے لگے۔ بازاروں گلیوں
اور محلوں میں مسلمان لوگ ستائے جاتے تھے۔ مسلمان بھی اپنی باری میں قریش لوگوں اور
عورتوں کو تنگ کرنے میں کمی نہ کرتے تھے۔ مگر چونکہ قریش زیادہ تھے۔ اسلئے مسلمان تنگ
آگئے۔ اور اُن کا مکّہ میں رہنا مشکل ہوگیا۔ حضرت محمّد نے اُنکو مشورہ دیا کہ وہ مدینہ چلے جاویں
اور خود بھی چند روز بعد مدینہ آجانیکا وعدہ کیا۔ چنانچہ بہت سے عزیز اور دوست مکّہ سے نکلکر
مدینہ جا پہنچے۔ چونکہ اہل مکّہ اور مدینہ کی آپس میں بڑی دشمنی تھی۔ اسلئے محمد کے مریدونکو یہاں بڑا
آرام ملا اور وہ بڑی تسلّی سے رہنے لگے۔ مگر پھر بھی اِن کی زندگی جلاوطنی کی زندگی تھی۔
حضرت محمّد خود بھی مدینہ کو ہجرت کرجانے کی فکر میں تھے۔ قریش لوگوں نے جب سُنا کہ محمّد
مدینہ کو جانیوالا ہے۔ وہ گھبرائے کہ مدینہ جاکر یہ ضرور اُن پر آفت لائیگا۔ اور اہل مدینہ کیساتھ
ملکر انہیں ستاویگا۔ اسلئے اُنہوں نے مشورہ کیا کہ جسطرح بھی ہو۔ محمد کو مدینہ جانے سے
پہلے قتل کرڈالنا چاہیئے۔ اور اس کیلئے ایک رات مقرر کرلی گئی۔ حضرت کو اس تمام سازش کا
پتہ لگ گیا۔ اور یہ تجویز قرار پائی کہ خود تو بھاگ جاوے۔ مگر اپنے پلنگ پر کسی آدمی کو سوتا
چھوڑ جاوے۔ یہ کام بڑی جان جوکھوں کا تھا۔ مگر نوجوان علی اپنے آپ کو خطرے میں
ڈالنے کیلئے تیار ہوگیا۔ اور جو رات محمد کے بھاگنے کی مقرر تھی۔ علی اس کے پلنگ پر جا سویا۔
جس وقت قریش لوگ اپنی سازش کے مطابق آئے۔ تو اُنہوں نے محمد کی بجائے علی کو
پایا۔ اور مایوس ہوکر لوٹ گئے۔

گھر سے نکل کر محمّد نزدیک ہی ایک غار میں چھپ گیا۔ اور تین دن رات اِسی غار میں چھپا رہا
جب دیکھا کہ اب گرفتاری وغیرہ کا خدشہ جاتا رہا۔ محمد یہاں سے نکل کر مدینہ چلا گیا۔ اس
کے ساتھی اسی کا انتظار کررہے تھے۔ وہ اِسے دیکھ کر بڑے خوش ہوئے۔ اور یہاں سے

لوگ بھی بڑے تپاک سے پیش آئے۔ محمدؐ تو مدینہ پہنچ گیا۔ مگر اُسے علی کا بڑا فکر تھا۔ وہ ڈرتا تھا کہ کہیں شریر قریش اُسے جان سے نہ مار ڈالیں۔ مگر تین روز کے بعد علی بھی مدینہ آپہنچا۔ محمدؐ اس سے مل کر اور سب حال پوچھ کر بہت خوش ہوا۔ اور جب دوسرے مسلمانوں نے سنا کہ محمد مدینہ میں آگیا ہے۔ وہ بھی جوق درجوق اُس کے پاس آنے لگے۔ اور چند روز میں ہی وفادار مسلمانوں کا ایک جھنڈ اُس کے پاس جمع ہوگیا۔

اس جگہ آنے کے کچھ مدت بعد محمدؐ نے یہاں ایک مسجد بنانے کا حکم دیا۔ چنانچہ چند روز میں ایک اچھی مسجد بنادی گئی۔ خدیجہ کی وفات کے بعد چونکہ حضرت محمد کا دل نہ لگتا تھا۔ اس لئے اُس نے سودہ سے نکاح کرلیا۔ اور ابوبکر کی چھ سالہ بیٹی عائیشہ سے بھی نکاح کیا۔ مدینہ پہنچکر محمدؐ نے عائیشہ کے ساتھ باقاعدہ زندگی بسر کرنی شروع کی۔ اس وقت عائیشہ کی عمر صرف ۹ سال کی تھی۔

یہاں مدینہ میں محمد صاحب نے باقاعدہ درس تدریس کا کام جاری کیا۔ مسجد میں بیٹھ کر وہ لوگوں کو مذہبی احکام سناتا تھا۔ اور اُن کو بُت پرستی اور مردم پرستی وغیرہ سے بچنے کی ہدائت کرتا تھا۔ محمد بڑا فصیح و بلیغ لیکچرار تھا۔ اُس کی زبان میں بڑا رس تھا۔ شکل بھی بڑی خوبصورت تھی۔ چنانچہ عائیشہ نے آپ کی تعریف میں جو عربی اشعار کہے ہیں۔ اُن میں سے دو حسب ذیل ہیں:۔

فلو اسمعوا فی مصر اوصاف خدہ۔ لما بذلوا فی سوم یوسف من نقد
لوامی زلیخا لو رائن جبینہ۔ لآثرن بالقطع القلوب علی الیدی

(ترجمہ) اگر مصر کے لوگ محمدؐ کے خوبصورت گالوں کے اوصاف سنتے تو یوسف کے خریدنے میں روپیہ خرچ نہ کرتے۔ جو لوگ زلیخا کو ملامت کرتے ہیں کہ اُس نے یوسف سے دل لگایا۔ وہ اگر محمد کا ماتھا دیکھتے۔ تو ہاتھوں کے بدلے اپنے دلوں کو کاٹ ڈالتے۔

مدینہ میں آکر محمدؐ نے اپنے پیروؤں کے لئے کئی ایک قوانین بنائے۔ اور آرام سے زندگی بسر کرنے لگا۔ سب طرح سے انتظام وغیرہ کر کے محمدؐ نے چاہا کہ اب قریش لوگوں کی خبر لینی چاہیئے۔ چنانچہ اُس نے اپنے ساتھیوں کو لڑائی کے لئے اُبھارا۔ وہ تو پہلے ہی اُن کے خون کے پیاسے تھے۔ فوراً تیار ہو گئے۔ سب سے پہلے محمدؐ نے مقام الواپر چڑھائی کی۔ جو مدینہ کے نزدیک ہی ہے۔ اس میں زیادہ تلوار چلانے کی نوبت نہیں آئی۔ کیونکہ یہاں کے حاکم نے محمدؐ کی اطاعت قبول کر لی۔ اس کے بعد محمدؐ نے مقام ہجا پر فوجکشی کی۔ اس لڑائی میں محمدؐ خود نہ گیا تھا۔ بلکہ اس مہم کا سرگروہ عبیدہ تھا۔ چند گھنٹوں تک لڑائی ہوتی رہی۔ آخر قریش لوگ بھاگ گئے۔ اور مسلمان بہت سا مال لے کر گھر واپس آئے۔ چند روز کے بعد محمد کو معلوم ہوا کہ مکہ کے قریشی لوگوں کا ایک گروہ جو تجارت کرنے کے لئے شام کی طرف عرصہ سے گیا ہوا تھا۔ واپس مکہ جا رہا ہے۔ محمدؐ نے امیر حمزہ کو حکم دیا کہ جاؤ۔ اس گروہ کو لوٹ لو۔ امیر حمزہ بہت سے لوگوں کو ساتھ لے کر گیا اور مقام خراد تک پہنچا۔ مگر قافلہ آگے نکل گیا تھا۔ اس لئے مہم واپس آگئی۔

مکہ میں رہتے ہوئے اہل قریش نے محمدؐ اور اس کے ساتھیوں کو بڑا ستایا تھا۔ اب محمدؐ کی باری تھی۔ یہ ہر موقعہ پر ان سے بدلہ لینے کی فکر میں رہتا تھا۔ ایک بار محمد کو معلوم ہوا کہ اُن کا ایک گروہ تجارت کے لئے شام کو جاتا ہے۔ محمدؐ خود بہت سے جانباز ساتھ لے کر اُن پر جا پڑا۔ مگر قافلہ بچ گیا۔ اور محمد کو واپس آنا پڑا۔ اس کو تاریخوں میں غزدہ بواط لکھا ہے۔ پھر چند روز بعد محمدؐ کو معلوم ہوا کہ ابو سفیان رئیس مکہ بڑی ٹھاٹھ کے ساتھ شام کو تجارت کے لئے جاتا ہے۔ اس پر محمدؐ نے امیر حمزہ کو ساتھ لے کر چڑھائی کی۔ اور کئی دن تک مقام عشیرہ میں ٹھہر کر انتظار کرتے رہے۔ کہ کب قافلہ آوے اور کب یہ اُسے نہ و بالا کریں۔ چند روز بعد ان کو معلوم ہوا کہ جس قافلہ کی یہ لوگ تلاش میں ہیں۔ وہ بہت دن ہوئے۔ شام کو چلا گیا ہے۔ اس پر محمد بڑا مایوس ہوا۔ اور واپس

لوٹ آیا۔ مگر اس کے دل میں اس بات کا بڑا خیال تھا کہ ابوسفیان کا قافلہ بچ کر مکہ نہ چلا جاوے چنانچہ اُس نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ وہ راستہ میں جاسوسی کریں۔ اور جب ابوسفیان کا قافلہ شام سے واپس آوے تو اُسے اطلاع دیں۔ تا کہ فوج کشی کر کے قافلہ کو لوٹ لیا جاوے۔ چند ماہ کے بعد ابوسفیان بہت سا مال لیکر لوٹا۔ راستہ میں اُسے محمد کی تیاریوں کا پتہ لگ گیا۔ اُس نے اپنے چند وفادار آدمی مکہ روانہ کئے۔ اور اہل مکہ کو کہلا بھیجا کہ اس طرح محمد اُسے لوٹنا چاہتا ہے۔ اُن کو مدد کرنی چاہیئے۔ اِس پر بہت سے اہل مکہ مسلح ہو کر اُس کی مدد کو آئے۔ محمد کے جاسوسوں نے محمد کو اطلاع دی کہ فلاں تاریخ کو ابوسفیان کا قافلہ مقام بدر پر پہنچیگا۔ یہ اُس سے پہلے ہی وہاں جا پہنچا۔ اور مناسب مقام پر ڈیرہ ڈال کر قافلے کی آمد کا انتظار کرنے لگا۔ محمد نے اپنے آدمیوں کو تین گروہوں میں تقسیم کیا۔ ایک کے سپرد یہ کام کیا کہ وہ لڑیں دوسرے کو کہا کہ وہ مال لوٹیں۔ تیسرا گروہ اپنی حفاظت کیلئے مقرر کیا۔

ابوسفیان کا قافلہ تو محمد کے ہاتھ نہ آیا۔ مگر جو اہل قریش مکہ سے ابوسفیان کی مدد کے لئے آئے تھے۔ اُن کی محمد کے آدمیوں سے لڑائی ہو گئی۔ محمد کے آدمیوں نے اس لڑائی میں خوب ہاتھ دکھلائے۔ قریش لوگ بڑی تعداد میں مارے گئے۔ مسلمانوں نے بہت سے لوگوں کو قید کر لیا۔ اور چند گھنٹہ کی لڑائی کے بعد قریش بدحواس ہو کر بھاگ نکلے۔ جو لوگ گرفتار کئے گئے تھے۔ اُن کے بارہ میں محمد نے حکم دیا کہ یا تو وہ روپیہ بطور فدیہ دے کر چھوٹ جاویں۔ یا غلام بنائے جاویں۔ چنانچہ بہت سے قریش مسلمانوں کے غلام بنائے گئے۔ ان میں سے جو لکھے پڑھے تھے۔ ان کے سپرد یہ کام ہوا کہ وہ مسلمانوں کے بچوں کو پڑھاویں۔ جو اور کام دے سکتے تھے۔ اُن کے سپرد اور کام کئے گئے۔ اس لڑائی سے حضرت محمد کے حوصلے بہت بڑھ گئے۔ مگر قریش کے دل جل گئے۔

حضرت محمد کی لڑائیوں میں ایک اور لڑائی جنگ احد کے نام سے مشہور ہے۔ جب سے قریش بدر میں شکست کھا کر گئے تھے۔ اُن کے دِلوں میں ناسور پڑے ہوئے تھے۔ اگرچہ جنگ بدر کے چند روز بعد ابوسفیان نے چند مسلمانوں کو ہلاک کر کے اپنا دِل ٹھنڈا کیا۔ مگر قریشی لوگوں کی اس سے تسلّی نہ ہوئی۔ بلکہ اُنہوں نے ایک بڑے جنگ کی تیاری کی۔ تاکہ مسلمانوں کو جان سے مار ڈالیں۔ ابوسفیان نے بہت سا روپیہ اُن کو دیا کہ وہ سامانِ جنگ تیار کریں۔ ادھر قریشی لوگ جنگ کی تیاری میں تھے۔ اُدھر جب حضرت محمد کو خبر ملی تو اُنہوں نے بھی جنگ کی تیاری شروع کر دی۔ چند روز بعد طرفین کی فوجیں مقام احد پر اکٹھی ہوئیں۔ اور خوب لڑائی ہوئی دورانِ لڑائی میں بہت سے قریشی مارے گئے اور باقی جان بچا کر بھاگ نکلے۔ اپنے مردوں کو بھاگتے دیکھ کر قریشی عورتوں نے بڑے غضب میں آ کر زور سے گانا شروع کیا۔ یہ عورتیں بڑی دردناک آواز میں گاتی تھیں کہ "اے قریشیو! ہم نرم بچھونوں پر سونے والی عورتیں ہیں۔ اگر تم اس موقعہ پر پیٹھ دکھا کر بھاگ جاؤ گے۔ تو یاد رکھو کہ ہم کبھی تمہاری صورت نہ دیکھینگی۔ لیکن اگر تم مرد بن کر میدان میں لڑو گے۔ تو ہم تمہاری ہیں اور تمہارے ساتھ رہینگی"۔ اِس قسم کے گیتوں نے بھاگتے ہوئے قریشی لوگوں کا حوصلہ بڑھایا۔ اور وہ ایک بار پھر جان کا خوف دِل سے نکال کر لوٹے اور ایسے زور سے مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے کہ مسلمانوں کے ہاتھ سے جیتی ہوئی فتح چھین لی۔ مُسلمانوں کی سپاہ میں کسی نے شور مچا دیا۔ کہ حضرت محمد مارے گئے۔ یہ سُنکر مسلمان لوگ بدحواس ہو کر بھاگنے لگے۔ اور صرف چودہ پندرہ مسلمان میدان میں باقی رہ گئے۔ ایک قریشی نے حضرت محمد کے ایسا پتھر مارا کہ حضرت کا ایک دانت ٹوٹ گیا۔ اور ہونٹ بھی سخت زخمی ہؤا۔

اس لڑائی میں حضرت محمّد کے اِس قدر چوٹیں آئیں کہ وہ قریب المرگ ہو گئے۔

بعض راویوں کا بیان ہے کہ اِس لڑائی میں اُن کے جسم پر ستّر سے زیادہ زخم لگے تھے۔ دشمنوں نے سمجھا کہ حضرت محمد مر گئے۔ اور وُہ مال وغیرہ لُوٹ کر بھاگ گئے۔ ابوسفیان جو اِس مہم کا سرگروہ تھا۔ باآواز بلند کہنے لگا کہ "آج بدر کا بدلہ ہو گیا۔ بدر میں تم نے ہم کو ہلاک کیا تھا۔ آج ہم نے اپنا بدلہ لے لیا"۔

جب حضرت کے زخمی ہونے کی خبر مدینہ میں پہنچی۔ تو بہت سے مرد اور عورتیں جن میں محمّد کی پیاری بیٹی فاطمہ بھی تھی۔ بھاگ کر اس جگہ پہنچے۔ اور ان کا علاج کرنے لگے۔ یہ لوگ زخمی رسُول کو اُٹھا کر مدینہ لائے۔ اور کئی روز کے علاج کے بعد اُن کو صحّت حاصل ہوئی۔ حضرت محمد کو اِس شکست کا بڑا صدمہ ہُوا۔ اور قرآن کے مطالعہ سے معلُوم ہوتا ہے کہ رسُول نے اُن لوگوں کو جو اسے میدان میں چھوڑ کر بھاگ آئے تھے۔ بڑی ملامت کی۔

حضرت محمد اور اہلِ مکّہ کے درمیان درجنوں خوفناک لڑائیاں ہوئیں۔ یہاں تک کہ حضرت محمّد نے اہلِ مکّہ کی تمام تجارت اور کاروبار کو خاک میں ملا دیا۔ جب کبھی اُن کا کوئی قافلہ وغیرہ تجارت کے لیئے جاتا تھا تو مُسلمان اُس پر ٹوٹ پڑتے تھے۔ اور آن کی آن میں اُسے تباہ کر دیتے تھے۔ اہلِ مکّہ بڑے حیران تھے کہ کیا کریں۔ اور اُن کے ہاتھ سے کس طرح نجات حاصل کریں۔ مگر حضرت محمد کی صرف ایک شرط تھی۔ اور وُہ یہ کہ اہلِ قریش مسلمان ہو جاویں۔ جو اُن کو کسی حالت میں بھی منظور نہ تھا آخر اہلِ مکّہ نے پھر ایک بار مسلمانوں کے ساتھ خوفناک جنگ کرنے کی ٹھانی۔ اور دس ہزار فوج لے کر مدینہ کی طرف چلے۔ حضرت محمّد کو جب اس مہم کا حال معلُوم ہُوا۔ وُہ بھی اپنی حفاظت کے لیئے تیار ہوئے۔ مگر قریشیوں نے اُنہیں عین مدینہ کے نزدیک ہی آ لیا۔ اور وہ محصُور ہو گئے۔ محاصرہ کئی ماہ تک رہا۔ مسلمان ایسے تنگ ہوئے کہ مخالفوں کے ساتھ صُلح کر لینے کا ارادہ کیا۔ بلکہ صُلح کی شرائط

لِکھ بھی لیں۔ مگر پھر تھوڑی دیر بعد کاغذ پھاڑ دیا۔

قریشیوں کے لشکر میں کئی قسم کے لوگ تھے۔ حضرت محمد نے کوشش کر کے ان میں تفرقہ ڈلوا دیا۔ اور یہ سب آپس میں ہی جوت پیزار ہونے لگے۔ یہودی لوگوں نے قریشیوں اور قریشیوں نے یہودیوں کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ اور جب یہودیوں نے اہل قریش کو کہا کہ وہ یا تو لڑائی کرینگے نہیں۔ اگر کرینگے تو اُن سے کریں گے۔ اس پر اہل قریش بہت ہی خوفزدہ ہو گئے۔ اب ان کے سامنے صِرف ایک ہی راستہ تھا۔ اور وہ یہ کہ جس قدر جلد ممکن ہو سکے۔ مکّہ کو واپس بھاگ جاویں چنانچہ یہ میدان چھوڑ کر مکّہ کو بھاگ گئے۔ اور مسلمانوں کی فتح ہوئی۔

قریشی لوگ لڑائی سے سخت تنگ آ گئے تھے۔ اُدھر محمد صاحب کے دل میں وطن کی محبّت نے جوش مارا۔ اور وہ وطن جانے کے لئے تڑپنے لگے۔ چنانچہ آپ نے اپنا ارادہ ظاہر کیا کہ آپ مکّہ کے حج کو جاوینگے۔ جب اہل قریش نے یہ سُنا تو وہ بڑے گھبرائے۔ اُنہوں نے محمد صاحب کے پاس پیغام بھیجا۔ اور درخواست کی کہ اب لڑائی سے باز رہنا چاہیئے۔ محمد صاحب بھی دل سے یہی چاہتے تھے۔ چنانچہ اُنہوں نے کہلا بھیجا کہ وہ مکّہ کا حج کرنے کے لئے آتے ہیں۔ اگر اہل مکّہ اُنہیں حج کرنے کی اجازت دیدیں تو وہ کوئی لڑائی نہ کریں گے۔ چنانچہ بمقام حدیبیہ مسلمانوں اور قریشیوں کے درمیان ایک عہدنامہ دس سال کے لئے لکھا گیا کہ اس عرصہ میں وہ آپس میں جنگ نہ کریں گے۔ محمد صاحب اپنی حسب مرضی عہدنامہ میں الفاظ لکھوانے چاہتے تھے۔ مگر سہیل قریشی نے کہا کہ نہیں۔ عہدنامہ صِرف اُن کی مرضی سے ہی نہ لکھا جاویگا۔ پھر اُس نے کہا کہ حضرت محمد اس سال مکّہ کا حج نہ کر سکیں گے۔ بلکہ اُنہیں اگلے سال آنا ہوگا۔ حضرت محمد نے ان تمام باتوں کو منظور کر لیا۔ اور علی نے عہدنامہ لکھنا شروع کیا۔

جب عہد نامہ میں حضورؐ کا نام آیا۔ تو علی نے پاسِ ادب سے محمدؐ رسول اللہ لکھا۔ اِس
پر سہیل بگڑ بیٹھا۔ اُس نے کہا کہ ہم محمدؐ کی رسالت کے قائل نہیں ہیں۔ ہم تو صرف محمدؐ
کے ساتھ عہد نامہ کرتے ہیں۔ علی اِس بات پر زور دیتا تھا کہ نہیں۔ محمد کے نام کے
ساتھ رسُول خدا ضرور لکھا جاویگا۔ مگر جب معاملہ زیادہ بڑھنے لگا تو حضرت محمدؐ
نے علی سے کہا کہ جس طرح سہیل کہتا ہے۔ کردو۔ علی نے جواب دیا کہ وہ ایسا کبھی
نہیں کریگا۔ اِس پر حضرت محمد نے خود قلم پکڑ کر اپنے نام کے آگے سے لفظ
"رسول خدا" کاٹ دیا۔ اور صُلح قرار پاگئی۔

انہی ایام میں ایک شخص ابو بکر نامی مکہؐ سے بھاگ کر مدینہ آگیا۔ اہلِ مکہ نے
اپنے دو آدمی اِسے لانے کے لئے محمد صاحب کے پاس روانہ کئے۔ محمدؐ صاحب
کے ساتھیوں کی یہ رائے تھی کہ اُسے نہ دیا جاوے۔ مگر حضرت محمدؐ نے اُسے
اہلِ مکہؐ کو دیدیا۔ جب ابو بکر راستہ میں پہنچا۔ تو اُسے خوف ہوا کہ کہیں اہلِ مکہ
اُسے جان سے نہ مار ڈالیں۔ اِس لئے اُس نے اپنے گرفتار کرنے والوں کے ساتھ
لڑائی شروع کردی۔ ایک کو تو اُس نے جان سے مار ڈالا۔ دُوسرا خوف کھا کر بھاگ
گیا۔ اور ابو بکر پھر حضرت محمد کے پاس جا پہنچا۔ اس دفعہ اُنھوں نے اِسے کہا کہ
تو میرے پاس نہ ٹھہر۔ بلکہ اپنے ساتھیوں کو مِلا کر دُوسری جگہ رہ۔ چنانچہ اُس
نے مکہؐ اور مدینہ کے درمیان ڈیرہ ڈال کر راہ گیروں کو لُوٹنا شروع کردیا۔ رفتہ
رفتہ اُس کے ساتھیوں کی تعداد ۷۰ کے قریب ہوگئی۔ اِس پر اہلِ مکہ بڑے گھبرائے
اور مجبوراً اُنھوں نے عہد نامہ حدیبیہ کی یہ شرط منسوخ کردی کہ محمد صاحب کو
ہر شخص جو مکہؐ سے بھاگ کر اُن کے پاس آوے۔ واپس کرنا ہوگا۔ اِس شرط
کے منسوخ ہوتے ہی یہ تمام آدمی جو لُوٹ مار کرتے تھے۔ مدینہ آگئے۔ اور
محمد صاحب کے ساتھ رہنے لگے۔

حضرت محمد کو مدینہ میں آئے ہوئے سات سال ہو گئے تھے۔ اس سال مسلمانوں نے مقام خیبر پر چڑھائی۔ کیونکہ یہاں یہودیوں کا بڑا گروہ تھا۔ مسلمان ایسی بے خبری سے خیبر میں پہنچے کہ یہودیوں کو اُس وقت تک کچھ معلوم نہ ہُوا۔ جب تک کہ مُسلمانوں نے عین شہر کے قریب پہنچکر محاصرہ نہ کر لیا۔ اس سے یہودی بڑے گھبرائے۔ مگر اُنہوں نے مقابلہ کیا۔ اور تھوڑی سی دیر میں شکست کھا کر بھاگ گئے۔ مسلمانوں نے ان کا تمام مال و اسباب اور عورتیں لُوٹ لیں۔

یہودیوں نے بڑی منّت سے حضرت محمد کو کہا کہ ہمارا سب مال و اسباب لے لو۔ مگر توریت کے تمام نسخے ہم کو دیدو۔ محمّد صاحب نے یہ درخواست منظور کر لی۔ اور توریت کے تمام نسخے یہودیوں کو دیدئے۔

جنگ خیبر کے بعد محمد صاحب نے کئی بڑی لڑائیاں لڑیں۔ جن کی تعداد دس جنوں تک پہنچتی ہے۔ بعض لڑائیوں میں وُہ بذاتِ خود شامل تھے۔ مگر بعض میں ان کے ساتھی ہی تھے۔ حضرت محمّد کو مکّہ جانے کی بڑی خواہش تھی۔ اس لئے جب عہدنامہ حدیبیہ کے مطابق حج کے دن آئے۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں کو مکّہ چلنے کیلئے کہا یہ لوگ خوب مسلح ہو کر مکّہ پہنچے۔ عہدنامہ کی رُو سے مسلمان مکّہ میں صرف تین روز رہ سکتے تھے۔ تین روز گذرنے پر اہلِ مکّہ نے اُنہیں کہا کہ اب وہ مکّہ سے چلے جائیں مسلمانوں کو یہ بات ناگوار معلوم ہوئی۔ اور اُنہوں نے غصّہ میں آ کر کہا کہ مکّہ کی زمین کسی کے باپ کی نہیں ہے۔ ہم جب تک چاہینگے۔ یہاں رہینگے۔ مگر محمد صاحب نے نرمی سے قریشیوں کو اس بات پر رضامند کر لیا کہ وہ میمونہ عورت کے ساتھ شادی کرکے۔ شب عرُوسی کے بعد مکّہ سے چلے جاوینگے۔ چلتے وقت وہ مرد عورتیں بھی جو اب تک مکّہ میں تھیں۔ حضرت محمد کے ساتھ مدینہ آگئیں۔ مدینہ آکر پھر لڑائیاں شروع ہوگئیں۔ ایک لڑائی میں اس قدر مسلمان مارے گئے کہ مدینہ میں مسلمان عورتوں

نے زور دو کر اپنی آنکھیں سو جا لیں۔
کچھ عرصہ بعد مسلمانوں کی یہ صلاح ہوئی کہ مکہ پر فوجکشی کر کے اُسے فتح کر لینا چاہیئے۔ چنانچہ محمد صاحب نے تمام مسافران مکہ کی راہ بند کر دی۔ اور چند روز بعد ماہ رمضان میں دس ہزار پیدل و سوار سپاہ زیر رکاب لیکر مکہ پر چڑھائی کی۔ جس وقت محمد صاحب کا یہ جرار لشکر حدود مکہ میں پہنچا۔ اہل مکہ کے ہوش اُڑ گئے۔ سب نے کہا کہ اب کسیطرح بھی ہو۔ صلح کر لینی چاہیئے۔ چنانچہ انہوں نے ابوسفیان کو سفیر بنا کر بھیجا کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ صلح کر لے۔ جب یہ شخص محمد صاحب کی سپاہ میں آیا۔ چاروں طرف ننگی تلواریں لیکر بہادر مسلمان اس کے گرد جمع ہو گئے۔ جس سے ابوسفیان بہت ڈرا۔ حضرت محمد نے اس سے کہا کہ اب اہل مکہ صرف اس طرح بچ سکتے ہیں کہ وہ مسلمان ہو جاویں۔ ورنہ ان کی خیر نہیں ہے۔ ابوسفیان واپس چلا گیا۔ اس پر محمد صاحب نے اپنے لشکر کے کئی حصہ کر کے حکم دیا کہ وہ فلاں فلاں مقام سے مکہ میں داخل ہوں۔ اب مکہ میں انہیں روکنے والا کون تھا۔ جو سامنے آیا۔ مار گرایا گیا۔ محمد صاحب اسی طرح کعبہ میں جا داخل ہوئے۔ سب سے پہلے حضرت محمد نے کعبہ کے بتوں کو توڑا۔ بعض بت اس قدر بھاری تھے کہ محمد صاحب اکیلے انہیں توڑ نہ سکتے تھے۔ چنانچہ علی نے مدد دی۔ اور ان دونوں نے مل کر ایک ایک بت توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ جب تمام بت توڑے جا چکے۔ تو پھر حجر اسود کی باری آئی۔ محمد صاحب نے اُسے بوسہ دیا اور اس کے توڑنے سے باز رہے۔ اس کے بعد محمد صاحب اہل مکہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ یہ لوگ سخت ڈرے ہوئے تھے۔ حضرت نے سوال کیا کہ اے لوگو! مجھے کیا سمجھتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ اے محمد! ہم تجھے ایک نیک اور برگزیدہ انسان خیال کرتے ہیں۔
فتح مکہ کے بعد عرب میں کوئی ایسی طاقت نہ رہی۔ جو مسلمانوں کا مقابلہ کر

سکے - اب ہر شخص حضرت محمدؐ کی نبوّت کا قائل تھا - اور جن علاقوں میں ابھی تک اسلام نہ پھیلا تھا - اُن میں محمد صاحب نے اپنے ساتھیوں کو بڑی بڑی فوجیں دے کر روانہ کیا - ان مہموں میں سے ایک مہم یلملم کی بھی ہے - اس کا سرگروہ خالد تھا - یہاں کے لوگوں نے کہا کہ وہ پہلے سے مسلمان ہیں - مگر خالد نے ان کا یقین نہ کیا - اور کئی لوگوں کے قتل کا حکم دیدیا - جب ایک نوجوان کو قتل کرنے لگے - اُس نے کہا کہ قتل سے پہلے مجھے میری محبوبہ سے ملا لو - چنانچہ مسلمان سپاہی اُسے گرفتار شدہ عورتوں کے ایک جھنڈ کی طرف لے گئے - اس نے ایک خوبصورت عورت کے سامنے کھڑے ہو کر چند نہایت ہی رقّت آمیز شعر پڑھے - جنکو سُنکر تمام لوگ رو پڑے - پھر جب اس نوجوان کو قتل کیا گیا تو وہ عورت آکر اس کی لاش پر گر پڑی اور سرد ہو گئی - مہم کی واپسی پر کئی لوگوں نے یہ قصّہ محمد صاحب کو سنایا - اس دردناک واقعہ کو سُنکر حضرت کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے - اور انہوں نے افسوس کرتے ہوئے کہا "کیا آپ میں ایک بھی ایسا شخص نہ تھا - جو ان سچّے دوستوں پر رحم کرتا" اور بہت دیر تک روتے رہے -

فتح مکّہ کے بعد ایک بڑی لڑائی جنگ حنین کے نام سے مشہور ہے مسلمان مورخ بتاتے ہیں کہ اگرچہ بہت سے فرقوں نے حضرت محمد کی رسالت تسلیم کر لی تھی مگر قبیلہ ہوازن اور ثقیف دونوں ابھی تک ایسے تھے - جو برابر ان کی مخالفت پر تلے ہوئے تھے - ان کو قابو کرنے کے لئے محمد صاحب نے سولہ ہزار آدمیوں کے ساتھ ان پر چڑھائی کی - یہ لوگ بھی مقابلہ کیلئے آ گئے - اور پہلے پہل ایسی بہادری سے لڑے کہ مسلمانوں کا جی چھوٹ گیا اور میدان سے بھاگنے لگے - جب محمد صاحب نے دیکھا کہ میدان ہاتھ سے جاتا ہے - انہوں نے پھر لوگوں کو جمع کر کے سخت حملے کا حکم دیا - اس سے مخالف ڈر گئے اور مقابلے کی تاب نہ لا کر بھاگ نکلے - اسلامی لشکر نے ان کا مال و اسباب خوب لوٹا

چونکہ اِس لڑائی میں بہت سے اہلِ مکّہ نومسلم بھی تھے - اسلئے جب تقسیم مال کا وقت آیا - محمد صاحب نے اُن لوگوں کو لوٹ کا مال آزادی سے دیا - اس پر اہلِ مدینہ ناراض ہوگئے - اور کہنے لگے کہ "اے محمد! ہم اتنے سالوں سے آپ کے ساتھ ہیں - مگر آپ ہم کو بھول کر زیادہ مال اُن لوگوں کو دیتے ہیں - جو ابھی آپ کے ساتھ ملے ہیں - اور جنکی قربانی ہمارے مقابلہ میں بہت تھوڑی ہے" - حضرت محمد نے جواب دیا کہ "اے انصار! گھبراؤ نہیں میں خود تمہارے ساتھ ہوں -" اس پر یہ لوگ خوش ہوگئے -

چند روز بعد محمد صاحب نے کسی وجہ سے اپنی بیوی حضرت سودہ کو طلاق دینی چاہی یہ وہ عورت تھی جسکے ساتھ حضرت نے خدیجہ کے بعد شادی کی تھی - یہ عورت معمر تھی اور طلاق کے صدمہ کو برداشت نہ کرسکتی تھی - ایک روز مجبور ہوکر یہ محمد صاحب کے راستہ میں کھڑی ہوگئی - اور جب حضرت کا گذر ہوا - تو یہ ہاتھ پھیلا کر کہنے لگی :-

"اے رسولِ خدا! تو میرے بڑھاپے پر رحم کر میری تمام عمر تیرے ساتھ گذری - اب میں تجھے چھوڑ کر کہیں نہیں جاسکتی - میں عمر بھر تیری خدمت کرونگی - میں تجھ سے کچھ زیادہ خواہش نہیں رکھتی - میں صرف تجھ سے یہ چاہتی ہوں کہ تو مجھے اپنی بیویوں میں رکھ - اور طلاق نہ دے"

چنانچہ حضرت نے یہ درخواست منظور کرکے اُسے بخوشی اپنی بیویوں میں شامل رکھا نویں ہجری میں بھی محمد صاحب مختلف علاقوں کی طرف فوجیں بھیجکر اشاعت اسلام کرتے رہے - اِس سال کا سب سے ضروری واقعہ یہ ہے کہ محمد صاحب اپنی تمام عورتوں سے ناراض ہوگئے - اور ایک ماہ تک اُن سے ہمکلام نہ ہوئے - لوگوں نے اس ناراضگی کی کئی وجوہات بتائی ہیں - قرآن شریف میں بھی بعض آیات اِس ناراضگی کے بارہ میں ہیں - اسوقت عرب میں سوائے محمد صاحب کی نبوّت کے سوال کے اور کوئی سوال نہ تھا - حضرت محمد کی طاقت اسقدر بڑھ گئی تھی کہ کوئی انسانی دماغ اسکے مقابلہ کا خیال نہ کرسکتا تھا -

اندر بغل ہر چہار طرف سے لوگوں کے گروہ کے گروہ محمدؐ صاحب کے مذہب میں شامل ہونے کیلئے آتے تھے۔ اور اُنکی نبوّت کا کلمہ پڑھتے تھے۔ بُت پرستی، شراب نوشی، سُود خواری اور بدچلنی وغیرہ جرائم میں بڑی کمی ہو رہی تھی۔ جو لوگ عورت کی ذرا قدر بھی نہ کرتے تھے۔ وہ عورتوں کے حقوق سمجھنے لگے۔ اور عرب کی زمین میں ریفارم کا نعرہ بلند ہو گیا۔

حضرت محمد کو اپنی زندگی میں کئی ایسے واقعات سے واسطہ پڑا جنکی وجہ سے اُنکے مخالف اُن پر بڑا طعن کرتے ہیں چنانچہ اِن واقعات میں سے ایک واقعہ محمدؐ صاحب کا زینب سے شادی کرنا ہے۔ اسکا مختصر حال یہ ہے کہ جب حضرت کی شادی خدیجہ سے ہوئی تو اُس نے اپنا ایک غلام زید بن حارث دیدیا۔ جسے محمد صاحب نے پرورش کیا اور اپنا متبنّےٰ بنا لیا۔ اور اسکی شادی زینب بنت جحش سے کردی۔ یہ عورت بڑی خوبصورت تھی۔ بعض مورخوں کا بیان ہے کہ زید اور زینب کے درمیان لڑائی رہتی تھی۔ اور زید اسکو طلاق دینا چاہتا تھا۔ بہت دنوں تک محمد صاحب نے زید کو اِس ارادہ سے باز رکھا۔ جب وہ نہ مانا اور طلاق دیدیا تو محمد صاحب نے خود اس سے شادی کرلی۔ اس پر مسلمانوں میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ تب محمدؐ صاحب نے لوگوں کو خدا کا یہ کلام سُنایا۔ "نہ محمد کسی کا باپ ہے۔ نہ کوئی اُسکا بیٹا۔ بلکہ وہ تو خدا کا رسُول ہے۔" یہ آیت سُنکر سب خاموش ہو گئے۔

دسویں ہجری میں محمد صاحب نے علی کو فتح یمن کیلئے روانہ کیا۔ اور اسکے ساتھ ایک بڑی سپاہ بھی بھیجی۔ حضرت علی نے بہت سا مال اور عورتیں لوٹ کر روانہ کیں۔ مال میں بہت سا کچا سونا بھی تھا محمد صاحب نے اس سونے کے حصّے خود کئے۔ حصّے کچھ کم و بیش تھے۔ یہ دیکھکر ایک صحابی سے نہ رہا گیا اور بولا "اے محمد! خدا سے ڈر۔ حصہ لگانے میں رعایت نہ کر۔" اس پر مسلمانوں کو بڑا جوش آیا۔ ایک شخص ابوسعید نے غصّہ سے کہا کہ "اے محمد! اگر آپ حکم دیں۔ تو ابھی اِس کافر کا سر تن سے جُدا کردوں۔ میری ایک ہی تلوار کافی ہے۔" محمد صاحب نے کہا "نہیں۔ یہ میرا بھائی ہے۔ اِسے قتل کرنیکا ارادہ مت کر۔ میرے مخالف تو جان کا خوف رکھتے ہی ہیں۔ کیا میرے دوستوں کی بھی جو میرے ساتھ رہتے ہیں جان محفوظ نہیں ہے۔" اِس سے پایا جاتا ہے کہ حضرت محمد کیسے فراخدل تھے۔ اور اپنے

ساتھیوں کے لیئے اُن کے دِل میں کِس قدر ہمدردی اور رفاقت تھی۔

اسوقت محمد صاحب کی عمر ساٹھ سال سے زیادہ تھی اور اُنکا آخری وقت نزدیک تھا۔ وہ اپنے تمام دوستوں رشتہ داروں اور ساتھیوں کو لیکر حج کو گئے، کہتے ہیں کہ اُنکے ہمراہ ایک لاکھ بیس ہزار مرد و عورتیں تھیں۔ حج کے بعد محمد صاحب نے مسلمانوں کو وعظ کر کے کہا کہ قرآن کی ہدایات پر ہمیشہ عمل کرتے رہیں۔ اس سے کبھی منحرف نہ ہوں۔ مدینہ واپس آکر حضرت محمد بیمار پڑ گئے، مگر اشاعت اسلام کی دُھن اس آخری وقت میں بھی لگی ہوئی تھی۔ چنانچہ آپ نے اسامہ بن زید کو ایک بڑی فوج دیکر مُلک روم پر چڑھائی کیلئے بھیجا۔ اُسامہ کو چند منزلیں طے کرنے پر خبر ملی کہ محمد صاحب حالت نزع میں ہیں۔ یہ سُنکر وہ آگے نہ گیا۔ اور واپس لوٹ آیا حضرت محمد بیماری کے دنوں میں حضرت عائشہ کے مکان میں تھے۔ اگرچہ بیماری نے سخت تنگ کر رکھا تھا مگر مسلمانوں کے درس تدریس کا کام آخری وقت تک جاری رہا۔ ایکروز جب حالت بہت خراب ہو گئی تو محمد صاحب نے قرآن مسلمانوں کے سپرد کر کے آخری سانس لیا۔ اور دنیا کی یہ نہایت ہی بڑی شخصیت اِس دُنیا سے کُوچ کر گئی۔

محمد صاحب اپنے زمانہ میں اکیلا ہی نبی اور رسُول خُدا نہ تھا۔ بلکہ اسکی مانند اور بھی کئی شخص اور عورتیں اس دعوے کے دعویدار تھے۔ چند ایک کے نام حسب ذیل ہیں۔ (۱) مسیلمہ بن ثمامہ۔ اس شخص کا کلام بہت زبردست ہے۔ اس نے ایک دفعہ حضرت محمد کو خط لکھا جسمیں اپنے آپکو رسُول خدا بیان کیا۔ حضرت نے خط پڑھکر قاصدوں سے پوچھا کہ وہ مسیلمہ کے بارہ میں کیا کہتے ہیں۔ اُنہوں نے کہا کہ اُسے حضرت کا شریک سمجھتے ہیں۔ یہ سُنکر حضرت بڑے خفا ہوئے۔ اور کہا کہ قاصدوں کو مارنے کا حُکم نہیں ورنہ میں تمکو اس کفر کیلئے ضرور سزا دیتا۔ ایکبار مسیلمہ مدینہ گیا۔ اور محمد صاحب کو کہلا بھیجا کہ اگر آپ مجھے اپنے بعد خلافت دیں تو میں آپکی نبوت پر ایمان لاؤں۔ حضرت نے جوابدیا کہ خلافت تو ایک طرف میں کھجور کی ایک شاخ بھی نہ دُونگا۔ یہ سُنکر مسیلمہ اپنے وطن یمامہ میں آگیا۔ یہ محمد صاحب کے بعد کئی سال تک زندہ رہا۔ اگرچہ حضرت محمد کی حیات میں اسے کچھ زیادہ کامیابی نہ ہوئی۔ مگر محمد صاحب کے مرتے ہی اس نے کمال کر دیا۔ اسکے مریدوں کی تعداد ایک لاکھ سے بھی بڑھ گئی۔ یہ دیکھکر ابو بکر خلیفہ اول نے ۲۰ ہزار فوج اسکے کچلنے کیلئے روانہ کی۔ مسیلمہ بڑی بہادری سے لڑا مگر مارا گیا۔

(۲) طلیحہ بن خویلد۔ یہ شخص قبیلہ اسد میں سے تھا۔ محمد کیطرح اس نے بھی دعوے نبوت کیا۔ لیکن حضرت محمد کی زندگی میں اِسکا حال خستہ ہی رہا۔ اور اُسکے مریدوں کی تعداد انگلیوں پر گِنی جاتی تھی۔ مگر محمد صاحب کے مرتے ہی طلیحہ کی طاقت

بڑھنی شروع ہوئی۔ اور چند ہی روز میں اسکے مریدوں کی تعداد ہزاروں تک بڑھ گئی۔ اور حضرت محمد کے بعض پکے پیرو بھی اسلام کو چھوڑکر اس کے مرید بن گئے۔ جب خلیفہ اسلام نے اسکا زور بڑھتا دیکھا۔ تو اس پر چڑھائی کی۔ طلیحہ تو بھاگ کر شام کی طرف چلا گیا۔ مگر اس کا جرنیل پکڑا گیا۔ جو دوبارہ مسلمان ہو گیا۔ طلیحہ کے بعد اسکے کچھ مرید تو جان سے مارے گئے۔ کچھ جان کے خوف سے مسلمان ہو گئے (۳) محمد صاحب کا تیسرا ہمعصر مرد نہ تھا۔ بلکہ عورت تھی۔ اس کا نام سجاع ہے۔ یہ بہادر عورت بنی تغلب میں پیدا ہوئی۔ اور سن بلوغ کو پہنچکر اس نے دعوے نبوت کیا۔ بڑی حسین اور فصیح تھی۔ اس کے کلام میں اس قدر کشش تھی کہ ہزارہا لوگوں کے مجمع میں بولکر ان سب کو اپنا گرویدہ کر لیتی تھی۔ اس کا مکان مسیلمہ کے مکان سے کچھ بہت دور نہ تھا۔ مسیلمہ کو خوف تھا کہ کہیں وہ طاقت میں اس پر غالب نہ آجاوے۔ اس لئے اس نے ایک چال سے اس کے ساتھ شادی کر لی۔ اس شادی سے سجاع کے مرید بڑے ناراض ہوئے۔ مگر یہ مسیلمہ کے پھندے سے نہ نکل سکی۔ اور جب تک مسیلمہ زندہ رہا۔ اسے اس کے ماتحت رہنا پڑا۔ جب مسیلمہ مارا گیا تو اس نے پھر زور پکڑنا چاہا۔ مگر مسلمانوں نے اسے ہوش نہ لینے دیا۔ اور یہ آخری ایام میں مسلمان ہو گئی۔

حضرت محمد کی طرح دعوے نبوت تو کئی آدمیوں نے کیا۔ مگر اس میں کامیابی صرف محمد صاحب کو ہی ہوئی۔ آج اُن کے ہمعصر دعویداران رسالت کا کوئی نام لیوا بھی نہیں ہے۔ مگر محمد صاحب کے نام پر کٹ مرنے والے لوگوں کی [illegible] کروڑہا ہے۔ اور جب تک دنیا قایم ہے۔ اُن کا نام بھی قائم رہیگا ؞

حضرت محمد کی گیارہ بیویاں تھیں۔ جن کے نام حسب ذیل ہیں۔ (۱) خدیجہ (۲) سودہ (۳) عائشہ (۴) حفصہ (۵) زینب بنت خزیمہ (۶) ام سلمہ (۷) زینب بنت جحش (۸) جویریہ (۹) ام حبیبہ (۱۰) صفیہ (۱۱) میمونہ۔ ان کے علاوہ کئی ایسی عورتیں تھیں جن کے ساتھ حضرت نے صحبت نہیں کی۔ باندیوں یا کنیزوں سے بھی آپ کا تعلق تھا ؞

دیانند

"مصلحت بین آدمی خواہ مذمت کریں۔ خواہ تعریف۔ دھن آوے یا چلا جاوے۔ خواہ موت آج ہی آجاوے یا کئی جُگ تک زندہ رہیں۔ صاحبان استقلال کسی صُورت میں بھی انصاف کے راستہ سے ایک قدم اِدھر اُدھر نہیں ہوتے انسانوں کا فرض ہے کہ دھرم کو کبھی ترک نہ کریں۔ نہ تو کسی آرزو کے لیے نہ کسی خوف سے نہ لالچ سے اور نہ زندگی کے لیئے۔ دھرم ہمیشہ ہے۔ دُکھ سُکھ چند روزہ ہے۔ رُوح غیر فانی ہے مگر زندگی فانی ہے۔ دھرم ہی یکتا و فرزانہ دوست ہے۔ جو کہ مرنے پر بھی ساتھ نہیں چھوڑتا۔ بلکہ شرط رفاقت بجا لاتا ہے۔ دیگر تمام چیزیں یقینی طور پر جسم کے ساتھ ہی ناش ہو جاتی ہیں۔ لیکن دھرم کا کبھی ناش نہیں ہوتا ہمیشہ سچائی کی فتح ہوتی ہے نہ کہ جھوٹ کی۔ عالم لوگوں کے سفر کا سیدھا راستہ سچائی ہی ہے۔ راستی اور سچائی پسند اسی راستہ سے سچائی کے مخزن تک پہنچتے ہیں۔ دُنیا میں راستی سے بڑھ کر کوئی دھرم اور جھوٹ سے بڑھ کر کوئی پاپ نہیں ہے۔ اِس لیئے انسان کو ہمیشہ سچائی کا راستہ ہی اختیار کرنا چاہیئے"۔ (دیانند)

رشی دیانند بھارت ورش کی سرزمین پر اُس وقت پیدا ہُوا۔ جبکہ یہاں کی بیوستھا بالکل خراب ہو چُکی تھی۔ شنکر سوامی نے جو قواعد بنائے تھے۔ وہ ماند پڑ گئے تھے۔ لوگ ان قواعد کو بھُول گئے تھے۔ بلکہ ان سے برعکس راہ پر چل رہے تھے۔ بھارت بھومی پر مسلمان اور عیسائی لوگوں کا بڑا زور تھا۔ پورانوں کی تعلیم کا آریہ جاتی میں بڑا پرچار تھا۔ تمام دھرم کرم نشٹ ہو چُکا تھا۔ آریہ لوگ جو پورانوں کی تعلیم کو درست مانتے تھے۔ مخول اور ہنسی کا

نشانہ بنائے جاتے تھے۔ جو ان کی تعلیم کو چھوڑتے تھے وہ یا تو مسلمان بن جاتے تھے
یا عیسائی مت قبول کر لیتے تھے۔ آریہ جاتی کے کئی بڑے بڑے پنڈت اِس طرح آریہ جاتی
کی گود سے جُدا ہو گئے۔ اور یہ خیال آریہ جاتی میں گونج رہا تھا کہ ویدوں کی رکھشک آریہ
جاتی اب بوڑھی ہو گئی ہے۔ اور اُس کا خاتمہ اب نزدیک ہے۔ لوگوں کو ویدوں کا پتہ
تک نہ رہا تھا۔ صرف کہیں کہیں کتابوں میں ویدوں کا نام آ جاتا تھا اور بس۔ وید
کہیں نہ ملتے تھے۔ اور جہاں کہیں تھے۔ وہاں ایسی حفاظت سے رکھے ہوئے تھے کہ
دُنیا کی ہوا اُن تک نہ پہنچ سکتی تھی۔ ورن بیوستھا کی حالت ایسی خراب ہو گئی تھی کہ شودر
تو ایک طرف کھشتری اور ویش تک بھی براہمن لوگوں کے سامنے دم نہ مار سکتے تھے۔ غرض
شودروں کی تو بہت بُری حالت تھی۔ کوئی اُن سے بات تک کرنا گوارا نہ کرتا تھا۔ ایسا
ہی عورتوں کا حال تھا۔ انہیں عام طور پر پاؤں کی جُوتی کہا جاتا تھا۔ انہیں پڑھانا
گناہ کبیرہ سمجھا جاتا تھا۔ وید وغیرہ ست شاستر سننے کا ان کو ادھکار نہ تھا۔ مُلک بھر
میں ایسی کُتب کی کتھا کا رواج تھا۔ جن کی تعلیم اخلاق اور دھرم کے سراسر خلاف اور
لوگوں کو پتت کرنے والی ہے۔ سوسائٹی کا شیرازہ بالکل بکھر گیا تھا۔ جو تھا اپنی ہی
ہانکتا تھا۔ نہ کوئی طریقہ تھا جس کی پابندی آریہ جاتی پر لازمی ہو۔ نہ کوئی قاعدہ تھا
جس کے آگے آریہ جاتی کے لوگ سر جھکا دیں۔ اِن تمام خرابیوں کا نتیجہ یہ ہو رہا تھا
کہ آریہ ہندو لوگ اپنا دھرم چھوڑ کر دھڑا دھڑ مسلمان اور عیسائی بن رہے تھے۔ اور
اگر دیانند کی پیدائش میں چند سال کا اور وقفہ ہوتا تو آریہ جاتی کا آریہ رہنا محال تھا۔
رشی دیانند کا جنم مُلک کاٹھیاواڑ گجرات کی ایک ریاست موروی میں سمت ۱۸۸۱ یا ۱۸۲۴ء
میں ہوا۔ دیانند کا باپ ریاست میں بڑا معزز سمجھا جاتا تھا۔ ذات کا وہ براہمن تھا۔
جو ہندوستان کے ہندوؤں میں سب سے اُونچی خیال کی جاتی ہے۔ اس کا نام ادما شنکر
تھا۔ بڑا متموّل تھا۔ اور ریاست میں بعہدہ جمعداری ملازم تھا۔ یوں بھی بہت سی جاگیر

وغیرہ تھی۔ دیانند کی پیدائش کے وقت والدین نے اس کا نام مُول شنکر رکھا۔ اور پیدائش کے وقت بڑی خوشی منائی تھی۔ کون جانتا تھا کہ یہ بچّہ بڑا ہوکر تمام بھارت ورش کو ہلا دیگا۔ اور ہزار ہا سال سے قائم شدہ برائیوں اور خرابیوں کا خاتمہ کردیگا۔ دیانند نے اپنے خاندان اور نسب کا فخر کرنا تو ایک طرف اُس وقت جبکہ اس کا شہرہ تمام مُلک میں پھیلا ہوا تھا۔ ذکر تک لوگوں سے نہیں کیا۔ اور اپنی علمیت کو ہی اپنی کامیابی کا ذریعہ بنایا۔ جب مُول شنکر بولنے لگا تو ماتا نے اِسے وید منتر وغیرہ حفظ کرانے شروع کئے۔ باپ نے بھی بڑی توجہ سے اس کی پرورش کا خیال رکھا۔ آٹھویں سال اِسے یگیوپویت پہنایا گیا۔ اور ایک پنڈت کے حوالے کیا گیا۔ تاکہ وہ اِسے سنسکرت زبان کی ضروری تعلیم دے۔ مُول شنکر کا باپ شیو کا بڑا پوجاری تھا۔ اور اُس کی بڑی خواہش تھی کہ اُس کا بیٹا بھی بڑا ہوکر اُس کے نقش قدم پر چلتا ہُوا شیو کا پوجاری بنے اور شیو کی بھگتی میں لگا رہے۔ چنانچہ وہ بچپن میں ہی اس امر پر بڑا زور دیتا تھا۔ کہ مُول شنکر وہ تمام برت رکھے جو کہ شیو کے پوجاریوں کے لئے ضروری ہیں۔ کئی بار اوما شنکر مُول شنکر سے کہا کرتا تھا کہ وہ مٹّی کا شیولنگ بنا کر اس کی پُوجا کرے۔ اس کو کیا معلُوم تھا کہ جس بچّہ کو وہ مٹّی کے شیولنگ کی پُوجا کرنے کے لئے کہتا ہے۔ وُہ اس قسم کی بُت پرستی کا زبردست مخالف ہوگا۔

مُول شنکر دس سال کی عُمر تک برابر شیوجی کی پُوجا کرتا رہا۔ باپ تو یہاں تک چاہتا تھا کہ وہ ابھی سے شیوراتری کا برت رکھا کرے۔ اور کتھا وغیرہ سُنکر تمام رات جاگتا رہے۔ لیکن اس کی ماتا نے اِس بات کی مخالفت کی۔ اور بچّہ کی جسمانی صحّت کا خیال کرکے زیادہ سخت برت نہ رکھوائے۔ اور ماتا کی کوششوں سے اِسے صرف وہی برت رکھنے پڑتے جن میں کہ پھل وغیرہ کھانے کا خُوب موقعہ ملے۔ لیکن اِس کے لئے اکثر اوما شنکر اپنی استری کے ساتھ جھگڑا کر بیٹھتا تھا۔ اور کئی سال تک برابر یہ جد و جہد ہوتی رہی۔

جہاں کہیں شیوجی کا کیرتن ہو۔ اوما شنکر اپنے پُتر کو ضرور اپنے ساتھ لے جاتا تھا۔
اور ہر وقت اُس کے کان میں یہ آواز ڈالتا رہتا تھا کہ شیو کے برابر کوئی نہیں ہے۔
اور شیو کی پُوجا کرنے میں ہی کلیان ہے۔ چودہ سال کی عُمر میں مُول شنکر نے یجر وید
سنگھتا حفظ یاد کر لی تھی۔ اور دُوسرے ویدوں کا بھی کچھ حصہ پڑھ لیا تھا۔ اِس سال
ماہ ماگھ کے مہینہ میں شیوراتری کا میلہ تھا۔ اوما شنکر نے زور دیا کہ مول شنکر کو ضرور
اِس دفعہ برت رکھنا چاہیئے۔ اس نے اس دفعہ باپ کے کہنے سے برت رکھنے کی خواہش
کی اور تمام دن کچھ نہ کھایا۔ باپ نے تو یہ برت اس لئے رکھوایا تھا کہ بیٹا برت رکھنے کا عادی
ہو جاوے۔ لیکن اس برت کا نتیجہ یہ ہُوا کہ اُس نے آئیندہ برت نہ رکھنے کا ہی پرن کر لیا۔ سچ ہے۔
"انسان کچھ سوچتا ہے۔ مگر ہوتا وہی ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے"

دن بھر ہنسی خوشی گذر گیا۔ رات کو شیو کے بھگت ایک بڑے مندر میں جمع ہوئے۔ اوما شنکر بھی
اپنے بیٹے کو ساتھ لے گیا تا کہ تمام رات جاگ کر اپنے لئے نجات کا راستہ بنا دے۔ مُول شنکر کا یہ
پہلا ہی برت تھا۔ اُس میں شردھا کُوٹ کُوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ اُس نے تمام رات جاگ کر
شیو کی بھگتی کرنے کا مصمّم ارادہ کر لیا۔ اور بھی بہُت سے نوجوان لڑکے آئے ہوئے تھے۔
رات کے پہلے حصّہ میں سب لوگ جاگتے رہے۔ مگر رات کے دُوسرے حصہ میں اِن جاگنے
والوں کی تعداد بہُت تھوڑی رہ گئی۔ اُن میں سے بہُت سے مندر سے باہر جا کر سو رہے۔
مُول شنکر پر بھی نیند کا غلبہ ہُوا۔ مگر اُس نے مقابلہ کیا اور کئی بار آنکھوں پر پانی کے
چھینٹے دے دیکر نیند کو روکا۔ کچھ دیر بعد اُس نے دیکھا کہ اُسکا باپ بھی جو شیو کا اس قدر
بھگت بنا ہُوا تھا۔ نیند کی تاب نہ لا کر سو گیا ہے۔ اب مُول شنکر ہی ایک تھا جو شیو
کی مُورتی کے سامنے بیٹھا جاگ رہا تھا۔ جب لوگ سو گئے اور شور بند ہو گیا۔ شیو کی
مُورتی کے ساتھ ایک خاص نظارہ پیش آیا۔ جیسے خود دیانند نے اپنے ایک لیکچر
میں بمقام پونا یُوں بیان کیا ہے:۔

"اتنے میں ایسا چمتکار ہُوا کہ مندر کے بِل میں سے ایک چوہا باہر نکل کر پنڈی کے چاروں طرف پھرنے لگا۔ اور پنڈی کے اکھشت وغیرہ کھانے لگا۔ یہ چوہا پنڈی کے اُوپر بھی چڑھ جاتا تھا۔ مَیں تو جاگتا ہی تھا۔ اِس لئے مَیں نے یہ سب تماشہ دیکھا۔ اس سمے میرے چت میں طرح طرح کے خیالات پیدا ہو کر سوال در سوال اُٹھنے لگے۔ مَیں نے اپنے من میں یہ شنکا اُٹھائی کہ جس شیوجی کی میں نے کتھا سُنی تھی۔ کیا وُہ مہادیو یہی ہے یا وہ کوئی اَور ہے۔ کتھا میں تو سُنا تھا کہ مہادیو مُنش کی مانند ایک دیوتا ہے۔ جس کے بیشمار گُن ہیں جو ہاتھ میں ترشول لئے ہے اور ڈمرو بجاتا ہے اور کیلاش کا مالک ہے کیا ممکن ہو سکتا ہے کہ یہ پتھر جس پر چوہا اس طرح آزادی سے چڑھتا ہے۔ پار برہم ہو؟ یہ نظارہ دیکھ کر میرے من میں کئی ترنگیں آئیں۔ اور میری بال بُدھی کو ایسا معلُوم ہُوا کہ جو شیو اپنے پاشوپت استر سے بڑے بڑے پرچنڈ دیتوں کو مارتا ہے۔ کیا اُس میں ایک ناچیز چوہے کو جھٹکا دینے کی بھی شکتی نہیں ہے۔ مَیں اِن خیالات کو بہت دیر تک نہ روک سکا۔ اِس لئے مَیں نے اپنے پتا کو جگایا۔ اور اپنی شنکا اُن کے سامنے رکھی"۔

مُول شنکر کا سوال سُن کر اما شنکر حیران ہو گیا۔ اس کی آنکھوں میں نیند کی خماری بھری تھی۔ اُس نے غصّہ سے لال پیلا ہو کر پُتر کو ڈرایا کہ وہ اس قسم کے سوالات کو جانے دے مگر مُول شنکر کی اِس سے تسلّی نہ ہوئی۔ اُس نے سوال کیا کہ کیا یہ پتھر کی مُورتی جس کی پُوجا کر کے اور جس کے سامنے سر جُھکا کر ہم کہتے ہیں کہ ہم نے ترکال درشی اور سرو شکتیمان اِیشور کی پُوجا کی۔ اُس مہادیو کا مرتبہ رکھ سکتی ہے۔ جس کی بیشمار طاقتیں ہیں۔ دیکھو اِس مُورتی پر چوہے دوڑے دوڑے پھرتے ہیں۔ اور مل مُوتر سے اِسے خراب کرتے ہیں۔ کتھا میں تو مہادیو کی طاقت کا بڑا ذکر ہے۔ وُہ اِن چوہوں کو اپنے سر پر کِس طرح کُودنے

دے سکتا ہے۔ اوماشنکر نے بیٹے کو اُن دلائل سے جو کہ عام طور پر بُت پرستوں کے دماغ سے نکلا کرتی ہیں۔ شانت کرنا چاہا۔ لیکن اُسے اس مقصد میں کامیابی نہ ہوئی۔ اور مُول شنکر برابر سوال کر کے اُس کی دلائل کا کھنڈن کرتا رہا۔ جس سے باپ خاموش ہو گیا اور پھر سونے کی تیاری کرنے لگا

مناسب جواب نہ ملنے کی وجہ سے مُول شنکر کی طبیعت اور بھی پریشان ہو گئی۔ اُس نے اُسی وقت گھر کا راستہ لیا۔ اور آتے ہی کھانے کو مانگا۔ ماتا نے کہا۔ "کیا میں نے پہلے ہی نہ کہہ دیا تھا کہ تُو ابھی بچہ ہے۔ بھُوکا نہ رہ سکیگا"۔ اس کے جواب میں مُول شنکر بولا "بات یہ نہیں ہے۔ مجھ پر بھُوک نے غلبہ نہیں کیا۔ بلکہ میں اِس لیئے کھانے کو مانگتا ہُوں کہ میں اِس برت کو رکھنا نہیں چاہتا"۔ اِس کے بعد اُس نے وہ تمام حال اپنی ماتا کو کہہ سنایا۔ بھلا ماتا اس کی کیا تسلّی کر سکتی تھی۔ اُس نے خوف دلایا کہ پتا ناراض ہوگا لیکن مُول شنکر نے جس کے دل سے شیوجی کی مُورتی کی عزّت بالکل دُور ہو گئی تھی۔ اس کی ذرا پرواہ نہ کی اور کھانا کھالیا۔ اس کے بعد وہ گھر میں پڑ کر سو گیا۔ اور صُبح بہت دیر تک سوتا رہا۔ وہ برت جو مُول شنکر کو شیو کا زیادہ بھگت بنانے کے لیئے رکھایا گیا تھا۔ اس نتیجے کے ساتھ ختم ہُوا کہ شیو کی عزّت کا خیال ہی اُس کے دل سے دُور ہو گیا۔

صُبح ہوتے ہی اوماشنکر گھر آیا۔ جب اُسے معلوم ہُوا کہ مُول شنکر نے رات ہی برت توڑ دیا اور کھانا کھالیا۔ اُسے سخت غصّہ آیا اور اُس نے مُول شنکر کو سامنے بُلا کر شرمندہ کرنے کی غرض سے کہا کہ یہ تُو نے کیا کیا؟ پھر بحث شروع ہو گئی۔ اور اس نے ثابت کر دیا کہ مہادیو کی مُورتی ہرگز وہ مہادیو نہیں ہے۔ جس کا کہ کتھا میں ذکر آیا ہے۔ باپ کا غصّہ بجائے کم ہونے کے اور بھی بڑھ گیا۔ ماتا نے بہت چاہا کہ غصّہ دُور ہو جاوے۔ لیکن اُسے بھی کامیابی نہ ہوئی۔ اتنے میں اوماشنکر کا چھوٹا بھائی وہاں آ گیا۔ جب اُسے سب حال معلوم ہُوا۔ اُس نے اوماشنکر کو سمجھایا کہ ابھی بچہ ہے۔ بڑا ہو کر خود ہی سمجھ جاویگا۔

اس واقعہ کے بعد مول شنکر نے کبھی کوئی برت نہ رکھا۔ اگرچہ اس کا باپ کئی دفعہ ناراض ہوا۔ لیکن اس نے اس کی بہت کم پرواہ کی۔ بلکہ پڑھنے میں ہی لگا رہا۔ اور دو سال کے عرصہ میں نگھنٹو، نرکت۔ پورفیان وغیرہ گرنتھ بڑی کامیابی کے ساتھ پڑھے۔ اس وقت اس کی عمر سولہ سال کی ہو گئی تھی۔

مول شنکر سے چھوٹی ایک بہن تھی جس کی اس کے ساتھ بڑی محبت تھی۔ اتفاقاً ایک رات یہ اپنے باپ کے ساتھ ایک دوست کے گھر ناچ کے جلسہ میں گیا ہوا تھا۔ پیچھے سے اس لڑکی کو ہیضہ ہو گیا۔ نوکر دوڑا دوڑا آیا اور انہیں شنکر کو بلا لایا۔ بہت سا علاج کیا گیا۔ کہ لڑکی کو مرض سے افاقہ ہو۔ مگر کچھ آرام نہ ہوا۔ بلکہ چار گھنٹے بیمار رہ کر یہ لڑکی موت کا شکار ہو گئی۔ کسی شخص کو مرتے دیکھنے کا یہ پہلا موقعہ تھا۔ جو مول شنکر کو پیش آیا۔ وہ بہت ڈرا اور اس کے دل میں خیال آیا کہ "اوہ! موت کیسی بھیانک ہے جو چند منٹوں میں زندہ انسان کا خاتمہ کر دیتی ہے"۔ اس کے بعد اسے اپنی موت کا خیال آیا۔ اور یہ سوچ کر کہ ایک دن اسے بھی اسی طرح جان دینی پڑیگی۔ اس کے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اور یہ اس خیال میں غرق ہو گیا کہ اس موت سے کس طرح نجات ملے۔ اور لوگ رونے پیٹنے میں مصروف تھے۔ لیکن مول شنکر اپنے خیالات میں غرق تھا۔ چنانچہ اس کی آنکھ سے ایک آنسو بھی نہ گرا۔ یہ دیکھ کر اس کے باپ اور ماتا کو بڑا رنج ہوا۔ وہ دونو کہنے لگے کہ یہ بڑا پتھر دل ہے۔ کہ جسے اپنی پیاری بہن کی موت کا ذرا بھی رنج نہیں ہے۔ ابھی بہت سی رات باقی تھی۔ گھر کے کچھ ممبر تو سو گئے۔ کچھ جاگ کر روتے رہے۔ مگر مول شنکر اپنے ہی خیالات میں مست رہا۔

اس واقعہ کے تین سال بعد ایک اور نظارہ پیش آیا۔ مول شنکر کا چچا جو اسے بہت ہی پیار کرتا تھا۔ اور اس کی تعلیم میں بڑی دلچسپی لیتا تھا۔ وہ بھی ہیضہ سے بیمار ہو گیا۔ اس نے کہا کہ مول شنکر کو اس کے پاس لاؤ۔ جب یہ اس کے نزدیک آیا تو اس نے

بڑے پریم سے اپنے پاس بٹھالیا۔ اور اس کی طرف دیکھ کر محبّت سے رونے لگا۔ چچی
کو روتے دیکھ کر مُول شنکر بھی رونے سے باز نہ رہ سکا۔ اِس دفعہ یہ اس قدر رویا کہ
بہن کی موت پر نہ رونے کی شکایت دُور ہوگئی۔ روتے روتے اِس کی آنکھیں سُوج
گئیں۔ اور لوگوں نے اِسے بڑی مشکل سے خاموش کیا۔ چچا کی وفات نے اس کے سامنے
موت کی ایسی خوفناک اور بھیانک شکل پیش کی کہ وہ دِل ہی دِل میں کانپ اُٹھا۔ اور
دُنیا کی تمام چیزوں سے اُس کے دِل میں نفرت پیدا ہوگئی۔ چچا کی موت کے ایک سال
بعد تک مُول شنکر برابر تعلیم حاصل کرتا رہا۔ مگر اِس عرصہ میں بارہا اس کا دِل اُچاٹ ہو
جاتا تھا۔ اور وہ گھر سے بھاگ جانا چاہتا تھا۔ اتنے میں ہی اس کے والدین نے اُس کی
شادی کا انتظام کرنا چاہا۔ چنانچہ منگنی تو پہلے ہی ہوچکی تھی۔ اب شادی کی تیاریاں ہونے
لگیں۔ جب مُول شنکر کو اپنی شادی کا حال معلوم ہُوا۔ دِل پر بڑا صدمہ پہنچا۔ اور اس
نے ماتا پتا سے صاف کہہ دیا کہ وہ شادی کے بندھنوں میں نہ پھنسیگا۔

بھارت ورش کا ستیاناش کیوں نہ ہو۔ جہاں نوجوانوں کو اِس قدر بھی آزادی نہیں
کہ وہ اپنی حسب مرضی اپنے جیون کا پروگرام بنا سکیں۔ مُول شنکر کے کہنے پر لازم تو یہ
تھا کہ اما شنکر خاموش رہتا اور شادی کے خیال سے درگذر کرتا۔ تاکہ اس ہونہار
بچّہ کو اپنی زندگی کو زیادہ کامیاب بنانے کے لئے تجاویز سوچنے میں سہولیت ہوتی۔
اُس نے اُلٹا اِس امر کی خفیہ کوششیں شروع کردیں کہ جس قدر جلد ممکن ہو۔ شادی کر
دی جاوے۔ چنانچہ تاریخ بھی مقرّر ہوگئی۔ اِس کے بعد اُس نے مُول شنکر کو کہا۔ کہ
زمینداری کا کام کرے۔ مگر یہ کام اس کی حسب منشا نہ تھا۔ اور اس کے لئے اُسے
لکھنا پڑھنا سب کچھ چھوڑنا پڑتا تھا۔ لہٰذا اُس نے اس کام سے انکار کر دیا۔ اور ماتا
پر زور ڈالا کہ وہ اِسے پڑھنے کے لئے بنارس بھجوادے۔ ماتا بھلا یہ کب گوارا کر سکتی
تھی کہ اپنے بیٹے کو کاشی جیسے دور دراز شہر میں بھیج دیتی۔ البتّہ اس نے اما شنکر کو اِس

بات پر راضی کر لیا کہ وہ بیٹے کو اپنے شہر کے نزدیک ہی تعلیم حاصل کرنے کے لئے ایک پنڈت کے پاس بھیج دے۔ یہ گاؤں موردی سے تین کوس کے فاصلہ پر تھا۔ مول شنکر ہر روز وہاں جاتا اور شام کو پڑھ کر گھر واپس آجاتا تھا۔ پنڈت جس کے پاس یہ پڑھنے جاتا تھا۔ بڑا نیک اور دھرماتما تھا۔ اس کے ساتھ اس کی بڑی پریتی ہو گئی۔ اور جب ایک روز اس نے پریم سے اس کی زندگی کا آئندہ پروگرام پوچھا۔ تو اس نے بتا دیا کہ وہ شادی وغیرہ کچھ نہ کریگا۔ بلکہ سادھو بن کر زندگی کے دن گذاریگا۔

اس پنڈت نے یہ خبر اُما شنکر کے کان میں ڈال دی۔ جس سے اس نے اپنے بیٹے کو گاؤں پڑھنے جانے سے روکا۔ اور شادی کی تیاریاں زیادہ سرگرمی سے کرنے لگا۔ گھر میں شادی کا سامان آگیا۔ اور کپڑے وغیرہ سیئے جانے لگے۔ مول شنکر نے دیکھا کہ اب وہ اپنے ارادے سے کسی طرح بھی باز نہ آوینگے۔ اس سے اُسے بڑا رنج ہوا اور اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ گھر بار چھوڑ کر فقیر ہو جاویگا۔ چنانچہ اس خیال کو پختہ کر کے وہ سمت ۱۹۰۳ بکری میں چپ چاپ گھر سے نکل بھاگا۔ تاکہ وہ شادی کے بندھن میں نہ پھنسے۔ گھر سے نکل کر وہ چند کوس کے فاصلہ پر جا کر ایک برہمچاری سے ملا۔ جس نے اس کا سنسکار کر کے برہمچاری بنا لیا۔ اور نام شدھ چیتن رکھ کر کپڑے بھی بدل دئے۔ یہاں سے یہ گھومتا گھومتا کوٹ کانگڑہ پہنچا۔ جہاں اسے معلوم ہوا کہ سدھ پور میں بڑا میلہ ہوتا ہے۔ جس میں بڑے بڑے یوگی آتے ہیں۔ یہ کسی کامل یوگی سے ملنے کے خیال پر سدھ پور کو روانہ ہو گیا۔ راستہ میں اسے ایک یوگی ملا جو اس کے ماتا پتا سے بخوبی واقف تھا۔ مول شنکر نے اپنا تمام حال اس سے کہہ دیا اور یہ بھی بتا دیا کہ وہ سدھ پور جا رہا ہے۔ اس پر یوگی نے یہاں سے ہی اُما شنکر کو خط لکھ دیا کہ مول شنکر اس طرح سدھ پور کو جا رہا ہے۔ یہاں مول شنکر کی بڑی تلاش ہو رہی تھی اور گھر میں رونا مچا ہوا تھا۔ جونہی اُما شنکر نے خط پڑھا۔ ریاست

کے چار سپاہی اپنے ساتھ لیکر فوراً سدھ پور کو روانہ ہو گیا۔ اور میلہ میں اپنے پُتر کی تلاشش کرنے لگا۔

مُول شنکر یہاں آپہنچا تھا اور ایک شوالے میں کسی کامل یوگی کی تلاش میں اُترا ہُوا تھا۔ اُما شنکر کو اس کا پتہ لگ گیا۔ اور وہ ایک دن صبح ہی اپنے ساتھیوں کو ساتھ لئے یہاں آپہنچا۔ پُتر کو گیروے کپڑے پہنے اور ہاتھ میں تونبا لئے دیکھ کر اُس کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ سخت غصّہ آیا۔ مُول شنکر بھی پتا کو پاس کھڑے دیکھ کر حیران ہو گیا۔ عزّت کے خیال سے اُٹھا اور پتا کے پاؤں میں گر کر معافی مانگنے لگا۔ اُما شنکر کا غصّہ فرو نہ ہُوا۔ اُس نے بیٹے کا فقیرانہ کُرتہ پھاڑ ڈالا اور تونبہ زمین پر مار کر پھوڑ دیا۔ اسکے بعد اس نے مُول شنکر کو اچھے کپڑے پہنائے اور ساتھ لیکر گھر کو واپس لوٹا۔ سپاہیوں کو کہا کہ وہ بڑی ہوشیاری سے اس پر نگاہ رکھیں۔ راستہ میں مُول شنکر سوچ رہا تھا کہ گھر پہنچ کر پھر شادی کا جھمیلا ہوگا جس سے اِسے سخت نفرت تھی۔ گھر اُسے کاٹ کھانے کو آتا تھا۔ اور وہ اِس کوشش میں تھا کہ اگر موقعہ ملے تو بھاگ جاوے۔ چنانچہ گھر پُہنچنے سے پہلے ایک رات پہرے والوں کو سوتا چھوڑ کر بھاگ نکلا۔ اور ایک گھنے درخت پر چڑھ کر بیٹھ گیا۔ تاکہ جب اُس کا باپ تلاش وغیرہ کرکے واپس چلا جاوے تو یہ بھی اپنا راستہ لے۔ جب اُما شنکر کو معلوم ہُوا کہ شکار پھر ہاتھ سے چھُوٹ گیا۔ اُسے سخت غصہ آیا۔ اُس نے جنگل میں اُسے تلاش کیا۔ لیکن کچھ پتہ نہ لگا۔ آخر رنج کرتا ہُوا گھر کو واپس لوٹ گیا۔ مُول شنکر درخت سے اُتر کر احمد آباد کی طرف بھاگ گیا اس کے بعد اُس نے کسی شخص کو اپنا حسب نسب نہیں بتایا۔ کیونکہ اِسے خوف تھا کہ کہیں پھر آفت میں مبتلا نہ ہو جاوے۔

احمد آباد اور بڑودہ وغیرہ کی طرف گھُومتے ہوئے مُول شنکر نربدا کے کنارے چل پڑا اور چانڑ دو کنیالی نامی مقام میں پہنچا۔ جہاں بہُت سے سنیاسی رہتے تھے اور یہاں

پرمانند نامی ایک سنیاسی کی شاگردی میں رہ کر وِدّیا پڑھنے لگا۔ یہاں اس کے دل میں یہ خیال تھا کہ اگر کہیں گھر والوں کو معلوم ہو گیا تو وہ آکر پھر پکڑ لے جاوینگے۔ اس خدشہ سے نجات حاصل کرنے کے لئے اُس نے یہ اُپاؤ سوچا کہ برہمچریہ آشرم کو چھوڑ کر سنیاس آشرم اختیار کرنا چاہیئے۔ تاکہ پھر گھر والوں کا کوئی جھگڑا ہی نہ رہے یہ نسخہ پختہ کر کے اُس نے چِد آشرم سوامی سے جو اس ڈیرہ میں بڑا پرسدھ تھا سنیاس لینے کیلئے کہا۔ اُس نے انکار کر دیا۔ لیکن مُول شنکر کا بڑھا ہوا اشتیاق دیکھ کر ایک دن یہ اُسے ایک اور سنیاسی کے پاس لے گیا۔ جس کا نام پورنانند سرسوتی تھا۔ اس نے کئی ایک سوالات کے بعد مُول شنکر کو سنیاس آشرم میں داخل کر کے دیانند سرسوتی بنا دیا۔ اور اب سے بھارت ورش کے اس عظیم الشان مذہبی ریفارمر کا نام دیانند مشہور ہوا۔ سنیاس لینے کے وقت مُول شنکر کی عُمر ۲۴ سال کی تھی۔

اس کے بعد دیانند نے وِدّیا حاصل کرنے کے لئے بڑے بڑے سفر کئے اور کشٹ اُٹھائے۔ وہ اونچی سے اونچی پہاڑیوں اور سرد سے سرد مقامات پر وِدّیا پڑھنے کے لئے پہنچے۔ جہاں کہیں اسے معلوم ہُوا کہ فلاں مقام پر پنڈت رہتا ہے۔ وہاں ہی یہ پہنچا۔ اور جو کچھ وِدّیا حاصل کر سکا۔ اُس نے حاصل کی۔ بعض مقامات پر اسے سخت مصیبت کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن اس نے ہمّت نہ ہاری۔ ایک جگہ کا ذکر کرتے ہوئے اِس نے بیان کیا ہے۔ "ایک دن سُورج چڑھتے ہی میں نے اپنا سفر اختیار کیا۔ اور دامنِ کوہ سے ہوتا ہُوا دریائے الکھنندا کے کنارے پر جا پہنچا۔ مجھے اِس دریا کے عبور کرنے کی ذرا بھی اِچھیا نہ تھی۔ بلکہ میں نے اس کوہ کے دامن میں ہی اپنی رفتار جاری رکھی۔ اور میں دریا کے بہاؤ کے ساتھ ساتھ جنگل کی طرف ہو لیا۔ پہاڑ۔ سڑک اور ٹیلے وغیرہ سب برف سے ڈھنپے ہوئے تھے۔ دریائے الکھنندا کے منبع تک پہنچنے میں مجھے بڑی تکلیف اُٹھانی پڑی۔ کیونکہ بعض مقامات پر برف بہت ہی گھنی تھی۔

جب مَیں دریا کے منبع پر پہنچا۔ تو حیران ہُوا کیونکہ وہاں سوائے اُونچی اونچی پہاڑیوں کے اور کچھ بھی نہ تھا۔ اور نہ ہی مجھے آگے جانے کا راستہ دکھائی دیا۔ مَیں اسوقت سوچنے لگا کہ اب کیا کرنا چاہیئے۔ آخر مَیں نے راستہ دریافت کرنے کے لئے دریا کے اُس پار جانے کا فیصلہ کیا۔ جو کپڑے میرے بدن پر تھے وُہ باریک تھے۔ اور بہُت کم تھے۔ سردی بہُت زیادہ تھی۔ تھوڑی دیر میں یہ سردی اِس قدر سخت ہوگئی کہ اس کا برداشت کرنا مشکل ہوگیا۔ ایک طرف سردی تھی دُوسری طرف بھُوک نے تنگ کرنا شروع کیا۔ بھُوک سے زیادہ بیاکل ہوکر مَیں نے برف کا ایک ٹکڑہ کھالیا لیکن اِس سے بھُوک نے کم کیا ہونا تھا۔ آخر مَیں دریا میں اُترا اور پار جانے لگا۔ دریا کا پانی غضب کا ٹھنڈا تھا۔ بعض جگہوں میں بہُت گہرا تھا۔ دریا برف کے چھوٹے مگر ترچھے ٹکڑوں سے بھرا ہُوا تھا۔ جس سے میرے پاؤں سخت زخمی ہو گئے۔ اور دونوں پاؤں سے خُون بہنے لگا۔ میرے پاؤں سردی سے بالکل سُن ہو گئے۔ میری طاقت بالکل جواب دینے لگی۔ اور سخت سردی کے سبب مجھ پر بیہوشی کی سی حالت طاری ہونے لگی۔ اور مَیں برف پر گرنے کو ہی تھا۔ مَیں نے سوچا کہ ایک دفعہ یہاں گر کر پھر قیامت تک اُٹھنا نصیب نہ ہوگا۔ اور یہاں ہی برف میں سڑ کر مر جاؤنگا۔ اس خیال کے آتے ہی میرے بدن میں ہمّت آئی اور مَیں آگے بڑھا چلا گیا۔ یہاں تک کہ دریا کے اُس پار جا پہنچا۔ دریا سے باہر نکل کر میری حالت اَور بھی خراب ہوگئی۔ تاہم مَیں نے حوصلہ کو ہاتھ سے نہ دیا۔ میرے پاؤں بڑے زخمی تھے اور ٹانگیں سرد پانی کی وجہ سے درد کرنے لگی تھیں۔ مَیں نے بدن کے کپڑے اُتار کر ٹانگوں اور پاؤں پر لپیٹ لئے۔ اور آگے چلنے کی تیاری کی۔ لیکن باوجود سخت کوششوں کے مَیں ایک قدم بھی آگے نہ بڑھ سکا۔ آخر جب مجھے نشچہ ہوگیا کہ مَیں آگے چلنے کے بالکل ناقابل ہوں۔ تو اسی حالت میں جبکہ میرا بدن ننگا تھا۔ کھڑا ہو گیا۔ اور مدد کا انتظار کرنے لگا۔ لیکن میرے دِل میں رہ رہ کر خیال آتا تھا کہ اس نرجن جنگل میں مدد

کھیلئے کون آویگا۔ اتنے میں مجھے دُور سے دو پہاڑی جاتے ہوئے نظر آئے۔ میں نے ان کو بُلایا اور اپنا حال سُنایا۔ اُنہوں نے مجھے اپنے ساتھ چلنے کو کہا۔ مگر میں چلنے کے قابل تھا۔ اس لئے وہاں ہی کھڑا رہا۔ یہ دونوں پہاڑی کچھ دیر بعد چلے گئے۔ اور میں حیرانی کے ساتھ ان کی طرف دیکھتا رہا۔ آخر یہ میری نظر سے اوجھل ہو گئے۔ اس وقت میں نے سب خیالات کو ترک کر دیا۔ اور ایشور کا دھیان کرنے لگا جب مجھے ہوش آیا میں نے سوچا کہ اگر واپس جاکر تعلیم حاصل کروں تو اس طرح تکلیف اُٹھانے سے اچھا ہے۔ یہ سوچ کر میں چلنے لگا۔ اور باسودھا ہوتا ہوا سنگرم کے نزدیک سے گذر کر شام ہوتے ہوتے بدری نارائن جا پہنچا۔ یہاں کے راول مجھے دیکھ کر بڑے خوش ہوئے۔ اور دریافت کرنے لگے۔ صبح سے کہاں رہے؟ میں نے ان سے سب حال بیان کیا۔ اور تھوڑا سا کھانا کھا کر سو گیا۔ جس سے مجھے آرام ملا۔"

وِدّیا حاصل کرنے کیلئے اِس سے بڑھ کر شوق کی مثال ملنی مشکل ہے۔ دیانند نے وِدّیا حاصل کرنے کیلئے جو کشٹ اُٹھایا وہ اُس کا ہی حصہ تھا۔ مگر اُس نے یہاں پر ہی بس نہ کی سمت ۱۹۱۴ بکرمی میں اُس نے ایک اور سفر کیا۔ جو پہلے سے بھی خطرناک تھا۔ اس سفر کا حال وُہ اپنی زبان سے یُوں بیان کرتا ہے:۔

"میرے دِل میں اِس بات کی خواہش تھی کہ میں نربدا کے منبع کو دیکھوں۔ چنانچہ میں برابر سفر کرتا ہوا چلا گیا۔ یہاں تک کہ میں انسانی آبادی سے بہت دُور جا پہنچا۔ کئی گھنٹوں تک مجھے انسانی آبادی کا ذرا سا بھی نشان نہ ملا۔ دُور دُور تک کوئی گاؤں مجھے نظر نہ آیا۔ اور نہ کوئی جھونپڑی ہی دکھائی دی۔ نہ کوئی آدمی میری نظر سے گذرا۔ وہ چیزیں جو میں نے اپنے راستہ میں دیکھیں، صرف درخت تھے۔ جن میں سے بعض کو مست ہاتھیوں نے جڑوں سے اُکھاڑ کر پھینک دیا تھا۔ اِس سے تھوڑی ہی دُور پر مجھے ایک بہت بڑا جنگل دکھائی دیا۔ جس میں گھُسنا بھی مُشکل تھا۔ وہاں اِس قدر کانٹے دار درخت پاس پاس اُگے ہوئے

تھے کہ اُن کے درمیان سے گذر کر جنگل کے پار جانا سخت مشکل تھا۔ پہلے پہل تو مجھ کو اُن کے اندر سے نکلنا ناممکن نظر آتا تھا۔ لیکن بعد ازاں پیٹ کے بل گھٹنوں کے سہارے میں آہستہ آہستہ سانپ کی طرح اُن درختوں میں سے نکلا۔ اس طرح اُس رکاوٹ اور مشکل کو حل کیا اور فتح پائی۔ لیکن اس فتح کو حاصل کرنے کیلئے مجھے نہ صرف اپنے بدن کے کپڑے ہی بطور خراج کانٹے دار درختوں کو دینے پڑے بلکہ اپنے جسم کا گوشت بھی قربان کرنا پڑا کیونکہ جس وقت میں اس جنگل سے باہر نکلا سخت زخمی ہو رہا تھا۔"

اس طرح دیانند نے ہندوستان کے پہاڑی علاقوں کا خوب سفر کیا۔ چونکہ اُسے معلوم تھا کہ اِن پہاڑوں میں یوگی لوگ رہتے ہیں۔ ان یوگیوں کی کشش اُسے سخت سے سخت مشکلات کے باوجود بھی ایک مقام سے دوسرے مقام پر لیجاتی تھی۔ اور پھرتے پھرتے سمت ۱۹۱۷ بکرمی میں یہ اولوالعزم شخص متھرا میں پہنچا۔ جہاں اُسے سوامی ورجانند سرسوتی کا پتہ لگا۔ دیانند اس فاضل اجل سے تعلیم حاصل کرنے کیلئے گیا۔ اور کئی کڑی شرائط طے کرکے اُس کے شاگردوں میں شامل ہوگیا۔ ورجانند آنکھوں سے اندھا تھا۔ مگر علمیت میں اپنا ثانی نہ رکھتا تھا۔ دیانند اس کے پاس کئی سال تک تعلیم حاصل کرتا رہا۔ یہاں اس کی تعلیمی بھوک پوری ہوگئی۔ اور اُسے مناسب خوراک ایک کافی مقدار میں مل گئی۔ دیانند سمت ۱۹۲۰ بکرمی تک یہاں تعلیم حاصل کرتا رہا۔ اسے اپنے گورو میں بڑی شردھا تھی۔ اور گورو بھی اس پر دل سے فدا تھا۔ اگرچہ دیانند جوان تھا۔ مگر اُس نے وِدیا حاصل کرنے میں نہایت ہی گرمجوشی کا اظہار کیا۔ ایک روز سوامی ورجانند نے کسی بات سے ناراض ہوکر دیانند کے زور سے ڈنڈے مارے۔ جس سے اُن کا ہاتھ درد کرنے لگا۔ اُس وقت تو دیانند خاموش رہا۔ مگر پھر موقعہ پاکر کہنے لگا "سوامی جی! آپ مجھے نہ مارا کریں۔ کیونکہ آپ کے ہاتھ نازک ہیں اور میرا بدن بجّر کی طرح سخت ہے۔ مجھے مارنے سے آپ کے نازک ہاتھ میں چوٹ لگتی ہے۔ مجھے اپنا تو فکر نہیں۔ مگر آپ کا کشٹ سہن نہیں کر سکتا۔"

سوامی ورجانند نے اپنے قابل شاگرد کو بڑے پریم سے پڑھایا۔ جس وقت دیانند نے ودّیا سماپت کرلی۔ وہ اپنے گورو سے علیحدہ ہونے لگا۔ چونکہ سوامی ورجانند کو لونگ کھانے کا بڑا شوق تھا۔ اسلیئے دیانند ایک تھال میں بہت سے لونگ لیکر گورو کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور ودّیا سماپتی پر آشیرباد حاصل کرنے کیلیئے پرارتھنا کی۔ سوامی ورجانند نے دیانند سے کہا "تمہاری یہ بھینٹ میں سویکار نہیں کرسکتا۔ میں تم سے گورودکشنا میں کوئی بڑی چیز مانگنی چاہتا ہوں"۔ دیانند نے اُدارتا سے گورو کو کہا کہ "جو کچھ اُس کے پاس ہے، وہ نچھاور کرنے کو تیار ہے"۔ اس کی یہ شردھا دیکھ کر سوامی ورجانند نے کہا کہ "دیکھو بھارت ورش میں انیک جھوٹے مت متانتر پھیل رہے ہیں اور ویدک دھرم کی روشنی مدھم پڑ رہی ہے۔ تم کوشش کرو اور جھوٹے مت متانتروں کا مقابلہ کرکے ان کا خاتمہ کردو۔ اور اُن کی جگہ ویدک دھرم کا پرچار کرو"۔ گورو کی یہ آگیا سُنکر دیانند نے اپنا سر جھکا دیا اور کہا کہ "ایسا ہی ہوگا"۔ دیانند یہ الفاظ کہکر گورو سے علیحدہ ہوگیا اور آگرہ میں آ ٹھہرا۔ یہاں دو سال کے قریب رہا۔ اور یہاں سے ہی ویدک دھرم کا پرچار شروع کیا۔ آگرہ پہلی جگہ ہے۔ جہاں سے دیانند نے بُت پرستی کے برخلاف اپنی آواز بلند کی۔ رشی دیانند نے اپنی عمر میں جو کارہائے نمایاں کیئے۔ اُن کا مفصّل حال بیان کرنا ان سطور میں ناممکن ہے۔ اُس نے سمت ۱۹۲۰ بکرمی سے ویدک دھرم پرچار کا بیڑا اُٹھایا۔ اور سمت ۱۹۴۰ تک برابر اس کام میں لگا رہا۔ اِس عرصہ میں اُس نے تمام بھارت ورش کا دورہ کیا۔ اور بڑے بڑے شاستر ارتھ لوگوں کے ساتھ کیئے۔ ان سب میں دیانند کا لوہا سب مانتے رہے۔ بنارس جو ہمیشہ سے عالموں اور پنڈتوں کا مرکز رہا ہے۔ دیانند یہاں بھی پہنچا۔ سمت ۱۹۲۶ بکرمی میں اس نے بنارس کے تمام پنڈتوں کو چیلنج دیا کہ اگر وہ بُت پرستی کو ویدوں کی رُو سے ثابت کرسکتے ہیں تو میدان میں آویں۔ مہاراجہ کاشی کے کہنے پر بنارس میں ۱۶ نومبر سنہ ۱۸۶۹ء کو بنارس کے تمام پنڈتوں کے ساتھ مباحثہ کیا اور سب کو پراست کرکے اس بات پر

مُہر لگائی کہ ویدوں میں مُورتی پُوجا کا کہیں بھی حکم نہیں ہے۔ بنارس میں اپنی علمیت کا سکّہ بٹھانے کے بعد دیانند نے دُوسرے شہروں میں دھوم مچائی۔ اس کا مقابلہ مسلمانوں عیسائیوں۔ پورانکوں جینیوں۔ بودھوں وام مارگیوں۔ ولبھ آچاریوں وغیرہ انیک مت متانتر والوں سے تھا۔ مگر اس نے سب کو اپنی بے نظیر علمیت سے قائل کیا۔ اور کوئی شخص اس کے سامنے دم نہ مار سکا۔

آگرہ میں وہ سَشی وہ دو سال تک رہا۔ اس کے بعد اُس نے گنگا کے کنارے چھ سات سال تک خوب چکّر لگایا۔ اور گنگا کے کنارے تمام شہروں میں ویدک دھرم کا خوب ڈنکا بجایا بُت پرستی کا بڑا کھنڈن کیا۔ پورانوں کی زبردست مخالفت کی۔ گنگا کے کنارے پر گھومتے اور ویدک دھرم کا پرچار کرتے ہوئے اُس کے کان میں خبر پہنچی کہ سوامی ورجانند کا دیہانت ہوگیا ہے۔ اس خبر سے دیانند کے دل پر بڑا رنج ہوا۔ اور اس کی زبان سے بے اختیار نکل گیا کہ وہ آج دُنیا سے وِدّیا کا سُورج لوپ ہوگیا ہے۔" سوامی ورجانند کی موت کی خبر سُنکر دیانند کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ ویدک دھرم کے پرچار کے لئے جگہ بہ جگہ مدرسے ہونے چاہئیں۔ جہاں نوجوان لڑکوں کو شکشا دی جاوے۔ چنانچہ ایک دفعہ اس کا گذر فرخ آباد میں ہوا۔ اس شہر کے ایک بڑے امیر سیٹھ پنی لال نے بہت سا روپیہ صرف کرکے ایک مندر بنوایا تھا اور اُس میں شیولنگ ستھاپت کرنا چاہتا تھا۔ جب دیانند کو یہ حال معلوم ہوا۔ اُس نے سیٹھ پنی لال کو بُت پرستی کے نقصان سمجھائے۔ جس سے یہ شخص بُت پرستی سے نفرت کرنے لگا۔ اور اس نے اس عمارت میں شیو کی مُورتی رکھنے کی بجائے اسے پاٹھ شالہ بنا دیا۔ جہاں بہت سے لڑکے پڑھتے تھے۔ دیانند نے پانچ مندرجہ ذیل مقامات پر پاٹھ شالائیں جاری کیں (۱) فرخ آباد کی پاٹھ شالہ جو سات سال تک جاری رہی (۲) کاسگنج کی پاٹھ شالہ جو چار سال تک کام کرتی رہی (۳) مرزاپور کی پاٹھ شالہ جو تین سال جاری رہ کر بند ہوگئی (۴) چلیسر کی پاٹھ شالہ جو چھ سال تک بند

کام کرتی رہی (۵) بنارس کی پاٹھ شالہ جو تقریباً ۳ سال تک بڑی خوبی سے جاری رہی مگر بعد
میں ۱۸۷۴ء میں بند کردی گئی۔ ان پاٹھ شالاؤں میں سنسکرت اور ویدک دھرم کی شکشا
پانے والے جوق در جوق آتے تھے۔ اور ان میں داخل ہوتے تھے۔ دیانند اپنی پاٹھ شالاؤں
میں ودیارتھیوں کی بڑھتی ہوئی تعداد دیکھ کر بڑا خوش تھا اور اُسے تسلّی تھی کہ ان سے
ویدک دھرم کے سچّے پرچارک برآمد ہونگے۔

ان پاٹھ شالاؤں میں جو ودیارتھی تعلیم حاصل کرنے کے لئے آتے تھے۔ انکو مندرجہ
ذیل قواعد کی پابندی کرنی پڑتی تھی (۱) پاٹھ شالہ میں داخل ہونے سے پہلے سندھیا
سیکھنی چاہیئے (۲) ہر ایک ودیارتھی کو لازمی طور پر اشٹادھیائی۔ مہابھاشیہ منوسمرتی
اور ویدک گرنتھوں کی تعلیم حاصل کرنی ہوگی (۳) ہر ایک ودیارتھی دو وقت سندھیا
کرے۔ جو صبح کے وقت سندھیا نہ کرے۔ اُسے تمام دن کھانا نہ دیا جاوے اور نہ ہی
وہ شہر میں سے مانگ کر کھا سکے (۴) کوئی ودیارتھی سوائے اس کے کہ اُسے کسی مکان پر
کھانا کھانے جانا ہو۔ کسی حالت میں بھی شہر میں نہ جائے (۵) ہر ایک ودیارتھی کو دو
وقت اگنی ہوتر میں ہر روز شامل ہونا پڑتا تھا۔ رشی کی ہدایت تھی کہ جو ودیارتھی
پاٹھ شالہ کے قواعد کی پابندی نہ کرے۔ اُسے سخت سزا دی جاوے۔ یہ پاٹھ شالائیں
اچھا کام کرتی رہیں۔ جب رشی کلکتہ میں تھا۔ اُس نے وہاں کے بڑے بڑے کالج دیکھے
اُس وقت اُس کے خیالات میں پلٹا آیا۔ اور اُس نے اپنے ایک ساتھی سے کہا "بھو۔
انگریزی اور فارسی نے تمام اچھے اچھے گھرانوں کے لڑکوں کو لے لیا ہے۔ میرے لئے
تو غریب خاندانوں کے لڑکے رہ گئے ہیں۔ انہیں میں کیا بناؤنگا۔ اُن سے میرے مشن
کی [illegible] نہ ہوگی"۔ چنانچہ اس کے بعد دیانند نے وید بھاش کا ارادہ کرکے پاٹھ شالاؤں
کو [illegible] دیا۔ اور جو روپیہ تھا۔ وہ وید بھاش کی اشاعت میں لگا دیا۔

[illegible] گنگا کے کنارے ویدک دھرم کا پرچار کرتے ہوئے ایک دفعہ رشی کرنواس

میں آیا۔ اور بت پرستی وغیرہ کا زور سے کھنڈن کرنے لگا۔ انہی ایام میں بروبی کا ایک رئیس راؤ کرن سنگھ بھی گنگا اشنان کرنے کے لئے یہاں پہنچا۔ جب اُس نے سُنا کہ ایک سادھو مُورتی پُوجا اور گنگا اشنان وغیرہ کا بڑا کھنڈن کرتا ہے۔ اُسے غصّہ آیا اور وہ اُسکے پاس ملنے گیا۔ اس کے ساتھ کئی ایک اور بھی آدمی تھے۔ جاتے ہی یہ رشی کے قریب بیٹھ گیا۔ اور کہنے لگا کہ "باواجی! تم جو گنگا وغیرہ نہانے اور مُورتی پُوجا کی نندا کرتے ہو۔ یہ ٹھیک نہیں ہے۔ اگر میرے سامنے تیرتھوں وغیرہ کا کھنڈن کروگے۔ تو اچھا نہ ہوگا۔ اور میں بُری طرح پیش آؤنگا" یہ الفاظ سُنکر رشی ہنسا اور اُس نے جواب دیا "راؤ صاحب! اگر شستر ارتھ کرنا ہے یعنی بہادری سے ہاتھ دکھانے ہیں۔ تو جے پور۔ جودھپور یا کسی اور ریاست کے راجہ کے پاس جاؤ۔ لیکن اگر شاستر ارتھ (مباحثہ) کا شوق ہے۔ تو اپنے گورو رنگا چاریہ کو یہاں لے آؤ۔ میں اُس سے شاستر ارتھ کرکے اُسے پراجے کرونگا۔" دیانند کے یہ الفاظ سُنکر راؤ کرن سنگھ کی آنکھیں غصّہ سے لال ہوگئیں۔ اُس نے اپنی تلوار پر ہاتھ رکھا۔ اور چاہا کہ ایک ہی وار میں دیانند کا خاتمہ کردے۔ مگر یہ شیر مرد ذرا نہ گھبرایا۔ بلکہ زیادہ جوشیلا ہوکر کہنے لگا۔ "بیشک راجپوتوں کا یہی کام ہے۔ راجپوتوں کی تلوار میان سے نکل کر کبھی خُون پیئے بغیر میان میں نہیں جاتی۔" کرن سنگھ کا بدن تھر تھر کانپنے لگا۔ اور وہ تلوار نہ چلا سکا۔ اتنے میں بہت سے لوگ آگئے۔ اور کرن سنگھ شرمندہ ہوکر چلا گیا۔

لیکن اس کے دل کا غصّہ دُور نہ ہُوا۔ اور وہ رشی کو نقصان پہنچانے کی تجاویز سوچنے لگا۔ لوگوں نے رشی سے کہا کہ "پولیس میں اطلاع کرکے اس کا مناسب علاج کرادے" لیکن دیانند نے کہا کہ جو کچھ اُس کے ساتھ گذرا ہے۔ اُسے شرمندہ کرنے کیلئے وہی کافی ہے۔ راؤ کرن سنگھ اگر ایک نیک انسان ہوتا تو سمجھ جاتا۔ مگر نا معلوم کہ اس کا خمیر کس چیز کا بنا تھا۔ وہ برابر رشی کو نقصان پہنچانے کے خیالات سوچتا رہا۔ ایک روز اُس نے

اپنے تین نوکروں کو تلواریں دیکر روانہ کیا کہ وہ رات کو سوتے میں رشی دیانند کا سر کاٹ لادیں۔ یہ شخص جاکر دیانند کی کٹیا کے گرد گھومتے رہے۔ مگر ان کو یہ حوصلہ نہ ہوا کہ وہ اس کے اندر جا سکیں۔ ان کے پاؤں کی چاپ سُنکر وہ مہاتما جس کی گردن کاٹنے کے لئے آئے تھے۔ جاگ اُٹھا اور کُٹیا کے دروازے پر جاکر انہیں پکارنے لگا۔ سنگھ کی آواز سُنکر بزدل گیدڑ بھاگ نکلے اور پھر پیچھے مڑ کر نہ دیکھا۔ اتنے میں اور لوگ بھی جاگ اُٹھے اور شہر میں شور مچ گیا کہ کرن سنگھ اپنی شرارتوں سے باز نہیں آتا۔ اس پر کئی راجپوت لاٹھیاں لے کر آگئے۔ اور کرن سنگھ کو گالیاں دینے لگے۔ کرن سنگھ پاس ہی ڈیرہ ڈالے پڑا تھا۔ مگر اُس کا حوصلہ نہ پڑا کہ وہ مقابلہ پر آتا۔ بلکہ اگلے روز ہی وہاں سے وہ اپنے شہر کو بھاگ گیا۔

رشی بدستور ویدک دھرم کا پرچار اور جھوٹے مت متانتروں کا کھنڈن کرتا رہا۔ ان دنوں یہ بدن پر صرف ایک لنگوٹی رکھتا تھا۔ باقی سب کپڑے وغیرہ اس نے میلہ کُمبھ ہردوار کے موقعہ پر تیاگ دئے تھے۔ تاکہ بیخوفی سے دھرم پرچار کا کام کرسکے۔ اور کوئی خیال اسے اس راستہ سے روک نہ سکے۔ سمت ۱۹۲۹ بکرمی میں سچائی اور نیکی کا اُپدیش کرتے ہوئے اسکا گذر بھاگل پور میں ہوا۔ یہاں اس نے کئی روز تک بُت پرستی وغیرہ توہمات کا کھنڈن کیا۔ کوئی شخص مقابلہ پر نہ آیا۔ یہاں سے روانہ ہو کر یہ بہادر بھارت ورش کی راجدھانی کلکتہ میں جا دھمکا۔ جہاں ان دنوں علوم و فنون کی خوب رونق تھی۔ کلکتہ میں اس کے کئی ایک لیکچر ہوئے۔ بہت سے لوگوں نے بُت پرستی وغیرہ مضامین پر مباحثے کئے۔ مگر شکست کھائی۔ یہاں اس کی ملاقات برھم سماج کے لیڈر مسٹر کیشب چندر سین کے ساتھ ہوئی۔ اور دونوں بڑے پیار اور محبت سے تبادلہ خیالات کرتے رہے۔ ایک روز بابو کیشب چندر سین نے افسوس ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ اگر رشی انگریزی زبان جانتا ہوتا تو اچھا تھا۔ اس کے جواب میں دیانند نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا۔ "مجھے بھی

افسوس ہے کہ آپ بھارت ورش کے ادّھار کا دعوےٰ کرتے ہیں۔ لیکن بھارت ورش کی پراچین زبان سنسکرت سے واقف نہیں جس میں تمام دھارمک گرنتھ تحریر ہیں"
یہ معقول جواب سنکر بابو صاحب خاموش ہو گئے۔ کلکتہ میں کام کرتے ہوئے دیانند نے محسوس کیا کہ ننگے بدن پھرنے کی نسبت کپڑے پہن کر وہ زیادہ کام کر سکیگا۔ اس لئے اس نے کپڑے پہننے شروع کر دئے۔ اس وقت تک یہ زبان سنسکرت میں بات چیت اور مباحثات کرتا تھا۔ یہاں اس نے سوچا کہ اگر آریہ بھاشا کو اپنے خیالات کے پرچار کا ذریعہ بنایا جاوے تو ویدک دھرم پرچار میں بڑا فائدہ ہوگا۔ چنانچہ آئندہ اس نے آریہ بھاشا کو ہی، اپنے خیالات کے پرچار کا ذریعہ بنایا۔

کلکتہ سے چل کر دیانند پھر صوبجات متحدہ میں دھرم پرچار کرنے لگا۔ اس دفعہ اسکا ارادہ بمبئی جانے کا تھا۔ چنانچہ مختلف مقامات پر ویدک دھرم کا ناد بجاتا ہوا یہ پہلی بار ۲۶۔ اکتوبر ۱۸۷۴ء مطابق سمت ۱۹۳۱ بکرمی کو بمبئی جا پہنچا۔ یہاں اس نے بڑے زور سے دلبھ آچاریہ مت کا کھنڈن کیا۔ اور لوگوں کو بتایا کہ جو لوگ اس مت کے پاکھنڈ میں پھنس کر شادی کے بعد اپنی عورتوں کو اس مت کے گرو کے پاس بھیجتے ہیں وہ بڑا شرمناک کام کرتے ہیں۔ اس سے لوگوں کی رُچی اس مت کی طرف سے ہٹنے لگی۔ اپنی آمدنی کم ہوتے دیکھ کر اور لوگوں کے آزاد ہونے کا خیال کرکے اس مت کے آچاریہ گوسوامی جیون جی نے کئی طریقوں سے دیانند کا مقابلہ کرنا چاہا۔ ایک دفعہ تو زہر دیکر بھی خاتمہ کرنے کی کوشش کی۔ مگر اسے کامیابی نہ ہوئی۔ آخر شرمندہ ہو کر بمبئی چھوڑ کر بمبئی اسی کی طرف بھاگ گیا۔ اور جب تک دیانند یہاں رہا۔ اس نے اس طرف لوٹنے کا خیال بھی نہ کیا۔

بمبئی میں کام کرتے ہوئے دیانند کے دل میں خیال آیا کہ ضرور کوئی ایسی سنستھا بنانی چاہیئے۔ جو اس کے بعد بھی ویدک دھرم پرچار کا کام جاری رکھ سکے۔ وہ دوسرے

متوں کی مانند مٹھ یا گدیاں بنانے کے سراسر خلاف تھا۔ کیونکہ ان کا نتیجہ بالکل خراب اور نقصان دہ تھا۔ گدی سسٹم کی بجائے وہ ایک لبرل کانسٹی ٹیوشن بنانا چاہتا تھا۔ جو عوام میں بداخلاقی پھیلانے کا موجب نہ ہو سکے۔ بہت سوچ وچار کے بعد اُس نے آریہ سماج کے نام سے ایک سنستھا بنانے کا ارادہ کیا۔ اور ۱۸۷۵ء میں سب سے پہلا آریہ سماج بمبئی میں قائم جس میں عام انتخاب سے پردھان اور منتری وغیرہ مقرر کئے گئے۔ یہاں سماج قائم کر کے دیانند پونا چلا گیا۔ جہاں اُس نے کئی لیکچر مختلف مضامین پر دئے۔ اور اپنی زندگی کے بڑے بڑے واقعات پر بھی روشنی ڈالی۔ یہاں سے یہ بہادر برابر سچائی کا پرچار کرتا ہؤا فرخ آباد آ گیا۔ اور یہاں سے بنارس جا پہنچا۔ جہاں یہ کئی ماہ تک اِس بُت پرستی کے گڑھ میں رہ کر بُت پرستی کا کھنڈن کرتا رہا۔

بنارس میں چند ماہ رہ کر یہ پھر ویدک دھرم کے پرچار کے لئے کمر ہمّت کس کر چل کھڑا ہؤا اور جون پور۔ اجودھیا۔ لکھنؤ۔ شاہجہانپور۔ بانس بریلی اور کرنواس وغیرہ میں سچائی کا ڈنکا بجاتا ہؤا ۱۸۷۷ء کے آغاز میں دہلی دربار کے موقعہ پر جا پہنچا۔ جہاں اس نے راجاؤں اور مہاراجاؤں تک کو اُپدیش دیا اور پاکھنڈی لوگوں کا پاکھنڈ توڑا۔ یہاں اس نے دُوسرے مذہبی کام کرنے والوں کو اپنے مکان پر بُلا کر خواہش ظاہر کی کہ اگر وہ سب مل کر دھرم پرچار کا کام کریں تو بڑا فائدہ ہو سکتا ہے۔ اگرچہ یہ لوگ اس کی دلائل کے سامنے سر جھکاتے تھے۔ لیکن اس سکیم میں شامل نہ ہو سکے۔ جو سکیم یہ پیش کرتے تھے۔ اُس کو دیانند منظور نہ کرتا تھا۔ یہاں سے دیانند پھر اپنے دَورہ پر روانہ ہؤا۔ اور اِس دفعہ پنجاب کی طرف چلا۔ میرٹھ۔ سہارنپور سے ہوتا ہؤا وہ ماہ مارچ میں چاندا پور پہنچا جہاں ایک بڑا بھاری مذہبی میلہ تھا۔ جس میں عیسائی مسلمان، نانک پنتھ اور وغیرہ تمام مذاہب کے لوگ اپنے اپنے مت کو سچّا ظاہر کرنے کے لئے آئے تھے۔ دیانند نے اِس موقعہ کا خُوب فائدہ اُٹھایا۔ اور ویدک دھرم کے بارہ میں وہ مدلّل

تقریریں کیں کہ سب کے جوش ماند پڑ گئے۔ اور یہ خیال کر کے کہ کہیں دیانند اُن کا بالکل ہی پول نہ کھول دے۔ وہ صرف دو روز ہی رہ کر بھاگ نکلے۔ اور میدان اِس مہاں پُرش کے ہاتھ رہا۔

چاندا پور سے روانہ ہو کر دیانند لدھیانہ پہنچا۔ اور کئی روز تک ویدوں کی سچائی ظاہر کرتا رہا۔ یہاں سے لاہور آیا اور بڑے جوش سے کام کیا۔ لاہور کے برہمو لوگ خیال کرتے تھے کہ وہ اُن کے ساتھ مل کر برہمو سماج کا کام کریگا۔ لیکن جب اُس نے ویدک دھرم کا ناد بجایا تو وہ اس کے مخالف ہو گئے۔ مگر اُن کی مخالفت اس اولوالعزم کے راستہ میں کیا رُکاوٹ پیدا کر سکتی تھی۔ یہاں سماج قایم کر کے دیانند امرتسر میں آیا۔ یہاں یہ سردار دیال سنگھ مرحوم کا مہمان تھا۔ سردار صاحب کی عادات دیکھ کر اِس نے اُسے اُپدیش کیا۔ مگر اپنا مخالف بنالیا۔ امرتسر سکھ لوگوں کا بڑا تیرتھ ہے۔ اور یہاں بُت پرستی کا بڑا زور ہے۔ دیانند نے جونہی اپنی آواز اِن خرابیوں کے برخلاف بلند کی۔ لوگوں نے اینٹوں۔ پتھروں اور گالیوں سے اس کی سیوا کی۔ لیکن وہ اپنا کام کرتا رہا۔ اور آخر سماج قایم کر کے گورداسپور۔ جالندھر۔ فیروزپور۔ راولپنڈی۔ جہلم۔ گجرات۔ وزیرآباد گوجرانوالہ۔ ملتان وغیرہ مقامات میں دھرم پرچار کرتا ہؤا ماہ جولائی ۱۸۷۸ء کو رڑکی میں جا دھمکا۔ اور یہاں خوب زور سے بُت پرستی وغیرہ توہمات کا کھنڈن کیا۔

رڑکی میں کچھ عرصہ قیام کرنے کے بعد پھر لوگوں کو تاریکی سے نکالنے کے لئے روانہ ہؤا اور علی گڑھ۔ میرٹھ۔ دہلی۔ اجمیر۔ پُشکر۔ نصیرآباد۔ ریواڑی۔ ڈیرہ دون۔ مرادآباد۔ بدایوں۔ بریلی۔ شاہجہانپور۔ لکھنؤ۔ فرخ آباد۔ فتح گڑھ۔ کانپور۔ الہ آباد۔ مرزاپور۔ داناپور۔ مین پوری۔ مظفرنگر۔ آگرہ اور راجپوتانہ کی ریاستوں وغیرہ میں دو سال تک لگاتار لیکچر اور اُپدیش دیتا ہؤا مارچ ۱۸۸۲ء کو بمبئی میں چلا گیا۔ یہاں آریہ سماج کا جلسہ تھا۔ دیانند نے اس جلسہ کو بارونق اور شاندار بنانے

کے لئے کئی روز اِس جگہ قیام رکھا۔ اور اِس جگہ کئی لیکچر وغیرہ بھی دئے۔ یہاں سے روانہ ہوکر کھنڈوا۔ اندور، رتلام اور جاورہ ہوتا ہُوا ۲۵۔ جولائی ۱۸۸۲ء کو ریاست اودے پور میواڑ چلا گیا۔ رشی سب سے پہلے چتوڑ پہنچا۔ اور وہاں چند روز رہ کر میواڑ میں آ گیا۔ مہارانا سجن سنگھ جی والئے ریاست اودے پور بڑی عزّت سے پیش آئے۔ اور ہر روز اُپدیش وغیرہ سُنتے رہے۔ یہاں مہاراجہ جودھپور کا سندیسہ (رشی کو) ملا کہ ان کی ریاست میں بھی آ کر دھرم اُپدیش کرنا چاہیئے۔ چنانچہ اس نے یہاں سے کوچ کا ارادہ کیا۔ لیکن جانے سے پہلے ایک سبھا کی بنیاد ڈالی۔ جس کا نام پر اُپکارنی سبھا رکھا۔ اور اپنے بعد اپنے مشن کی پورتی کا تمام اختیار دے کر اپنی کُل جائداد۔ کُتب اور چھاپہ خانہ وغیرہ اس کے سپرد کر دیا۔ اور یہاں سے روانہ ہوکر ریاست شاہ پور پہنچا۔

جودھپور کے لوگوں کو بڑے بیرحم اور کمینہ جذبات سے بہت جلد متاثر ہو جانیوالے بتایا جاتا ہے۔ جس وقت لوگوں نے سُنا کہ ویدک دھرم کا پرچارک وہاں جانا چاہتا ہے، وُہ ڈرے اور خوفزدہ ہوکر کہنے لگے کہ جودھپور میں جانا خالی از خطرہ نہیں ہے۔ لیکن اس شیر مرد نے ذرا پرواہ نہ کی۔ بلکہ کہا تو یہ کہا کہ "وُہ بُرائی کے درخت کو کاٹنے کے لئے ناخن کاٹنے کے اوزار کی بجائے تیز کلہاڑے کی ضرورت ہوتی ہے۔ میں ضرور جودھپور جاکر خرابیوں اور جھوٹے مت متانتروں کے خلاف آواز اُٹھاؤنگا"۔ جس وقت دیانند جودھپور میں پہنچا۔ مہاراجہ نے بڑی عزّت سے استقبال کیا۔ یہاں بھی اس نے بیخوفی سے پرچار کا سلسلہ جاری رکھا۔ بدقسمتی سے راجہ جودھپور کی ایک رنڈی سے آشنائی تھی۔ اور وہ اس کے محل میں آیا جایا کرتی تھی۔ ایک دن رشی نے اِس رنڈی کو محل میں سے نکلتے دیکھ لیا۔ یہ نظارہ دیکھ کر اسے سخت رنج ہُوا۔ اور اُس نے اپنے ایک عام لیکچر میں کہا کہ "جب تک راجپوت راجے کُتیوں (رنڈیوں) سے بھوگ کرنے سے باز نہ آوینگے۔ اُن کے ہاں کُتّے کے پلّے ہی پیدا ہونگے"۔ یہ الفاظ

بڑے سخت تھے۔ مگر رشی نے ان کو راجہ کے کانوں تک پہنچا دیا۔ راجہ نے آئندہ اس رنڈی کا خیال چھوڑ دیا۔ جس کا اس بدذات کو بڑا دکھ ہوا۔ اور وہ رشی کی جان لینے کے درپے ہو گئی۔ اسی طرح ریاست میں ایک مسلمان صاحب تھا۔ وہ دیانند کی سچائی بھری باتوں کی اور مذہب اسلام کی مذمت کو برداشت نہ کر سکا۔ ایک بار اس نے اس سے کہا کہ "اگر تم کسی مسلمان بادشاہ کے وقت میں ہوتے۔ اور اس طرح بولتے تو تمہاری زبان کٹوا دی جاتی"۔ دیانند نے گرج کر جواب دیا کہ "اگر مسلمان بادشاہ میرے ساتھ ایسا ظلم کرتے۔ تو میں بھی ان کی مذمت کا منا سب بندوبست کروا دیتا"۔ جس سے اس کی زبان ہمیشہ کے لئے بند ہو گئی۔ مگر دل میں مخالفت کرنے لگا۔ یہ دونوں تو خون کے پیاسے تھے ہی۔ کہ ایک اور نیا مخالف بن گیا۔ یہ شخص چکرانگد تھا۔ اور اس کا نام نجے سنگھ تھا۔ رشی دیانند چکرانگدوں کے مت کی بھی مخالفت کرتا تھا۔ اور اسے سنکر اسے بڑا دکھ ہوتا تھا۔

ان تینوں نے مل کر دیانند کو دودھ کے ساتھ کوئی ایسی زہریلی چیز پلا دی۔ جس سے اس کا طاقتور شریر روگ میں مبتلا ہو گیا۔ پہلے پہل اس زہرخوردگی کا پتہ نہ لگا۔ اور ریاست کے ڈاکٹر ہی علاج کرتے رہے۔ مگر مرض دن بدن بڑھتا گیا۔ آخر آریہ لوگوں کو پتہ لگا۔ وہ دیانند کی خبر گیری کے لئے پہنچے۔ اور جب ان کو زہر دئے جانے کا پتہ لگا۔ وہ بڑے گھبرائے۔ اسی وقت رشی کو کوہ آبو پر لیجانے کا ارادہ کیا۔ مہاراجہ جودھپور کو بھی بڑا رنج تھا۔ جب دیانند بالکل تندرست ریاست میں آیا تھا۔ بیماری سے کمزور ہو کر ایک پالکی میں لیٹا ہوا ریاست سے باہر نکلا۔ تو راجہ صاحب کو بڑا رنج ہوا۔ وہ ننگے پاؤں رشی کی پالکی کے ساتھ بہت دور تک گئے۔ اور معافی مانگی۔ کوہ آبو پر پہنچکر صحت کو کچھ آرام ہوا۔ لیکن پھر ڈاکٹروں کے مشورہ سے رشی اجمیر آ گیا۔ یہاں آتے ہی بھارت ورش کے مختلف حصوں سے لوگ مزاج پرسی کے لئے آنے

لگے۔ تاروں اور خطوط کا تو یہ حال تھا کہ گورنمنٹ کے ملازم بھی حیران ہو گئے۔ بہت کچھ علاج کیا گیا۔ لیکن زہر تمام جسم میں اپنا اثر کر چکا تھا۔ اور تمام بدن پر بڑے بڑے زخم ہو رہے تھے۔ بلکہ حلق کے اندر تک زہریلے زخم ہو گئے تھے۔ لیکن رشی نے کبھی آہ وغیرہ نہیں کی۔ ہمیشہ ایشور میں وشواس رکھا۔ اور لوگوں کو ویدک دھرم کا اپدیش کرتے رہے۔ آخر جب مرض بہت بڑھ گیا۔ اور اٹھنا بیٹھنا بھی مشکل ہو گیا۔ تو ۳۰ اکتوبر ۱۸۸۳ء کو اس بہادر نے جو تمام عمر تاریکی کے برخلاف جدوجہد کرتا رہا تھا۔ یہ کہتے ہوئے دم توڑ دیا:۔

"ہے دیا مے! ہے سروشکتیمان ایشور! تیری یہی اچھیا ہے۔ تیری یہ اچھیا پورن ہو۔ آہ! تو نے اچھی لیلا کی"

رشی دیانند کی موت نے تمام ملک میں ایک شور محشر برپا کر دیا۔ چاروں طرف سے رنج اور ماتم کی خبریں آنے لگیں۔ اس وقت اس کے مشن کی پورتی کے لئے تمام بھارت ورش میں ایک ہزار کے لگ بھگ آریہ سماجیں قائم ہیں۔

دیانند کی عزت صرف بھارت ورش تک ہی محدود نہ تھی۔ بلکہ یورپ۔ امریکہ تک میں اس کی علمیت کی دھوم تھی۔ کرنیل الکاٹ کو امریکہ سے اس کی ہی کشش کھینچ کر لائی تھی۔ امریکہ کے مہاتما ڈیوس نے اس کے کام سے ہی خوش ہو کر اپنی تصانیف میں لکھا ہے کہ "آریہ سماج روپی بھٹی میں جو دھارمک آگ دیانند نے جلائی ہے وہ تمام دنیا کے پاپوں اور گناہوں کو جلا کر خاک کر دیگی"۔ دیانند کا کیرکٹر بڑا پختہ تھا۔ دنیا کا کوئی لوبھ۔ کوئی لالچ۔ کوئی خوف اور ڈر اس کے پاؤں میں لغزش نہ دے سکتا تھا۔ اس نے سچائی کو اپنے کسی بڑے سے بڑے محسن اور دوست کیلئے بھی قربان نہ کیا۔ کرنیل الکاٹ کو اس نے اسی وقت اپنے سے الگ کر دیا۔ جب اسے معلوم ہوا کہ یہ شخص بھوت پریت کی تعلیم دیکر دنیا کے لوگوں کو گمراہ کرنا چاہتا ہے۔

ایک بار جبکہ دیانند فرخ آباد میں تھا۔ وہاں ایک شخص شراب پی کر جھگڑا کرنے لگا جو آدمی دیانند کے پاس بیٹھے تھے۔ اُنہوں نے اِسے مارا۔ اور اس کا تمام شراب کا نشہ اُتار دیا۔ چند روز کے بعد یہ افواہ اُڑی کہ جگالا پرشاد مقدمہ دائر کریگا۔ جن لوگوں نے اُسے مارا تھا۔ وہ رشی کے پاس گئے۔ اور سب حال بتا کر پوچھا کہ وہ کیا گواہی دیگا؟ سچائی کے اِس دلدادہ نے کہا۔ کہ جس طرح معاملہ گذرا ہے وہ اُسے لفظ بہ لفظ بیان کر دیگا۔ لوگوں نے کہا کہ اس طرح کہنے سے ہم سب کو جرمانہ ہو جائیگا۔ رشی نے جواب دیا۔ "خواہ کچھ ہو۔ دیانند جھوٹ نہیں بول سکتا۔" مگر مقدمہ وغیرہ کچھ نہ ہوا۔

بھارت! اندھے بھارت! ایک سنیاسی تیرے اُپکار کے لیے آیا تھا۔ اور تجھے چاہ ضلالت سے نکالنا چاہتا تھا۔ افسوس کہ تُو نے اُس کی قدر نہ کی۔ اور طرح طرح کی تکالیف دیکر اُس کی جان لی۔ تُو بد قسمت ہے۔ تُو نے ایک مہاتما کو جو تیرے اُدّھار کی کوشش کرتا تھا ستایا اور اُس کا خُون پیا۔ اس کی پاداش میں تجھے جو بھی سزا دی جاوے۔ تھوڑی ہے۔ تیرے لیے شرم ہے۔ کیا تجھے اس اتھر پر رنج نہیں آتا اور تیری پھوٹی آنکھ سے چند آنسو بھی نہیں بہتے؟

رشی دیانند کی یُوں تو کئی تصانیف ہیں۔ مگر ان میں ستیارتھ پرکاش، سنسکار ودھی اور رگ وید آدی بھاشیہ بھومکا بہت مشہور ہیں۔ ستیارتھ پرکاش بھارت ورش کی کئی زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ اور اس کی ہزارہا جلدیں ہر سال فروخت ہوتی ہیں۔ سنسکار ودھی بھی ہزاروں کی تعداد میں ہر سال فروخت ہوتی ہے۔ دیگر تصانیف بھی بکثرت بکتی ہیں۔ اور ان سے بھارت ورش کا بڑا کلیان ہو رہا ہے۔

لاہور میں سٹیشنری کی عظیم الشان دوکان

لاہور میں پبلک فوائد کیلئے انارکلی تھانہ پولیس کے نزدیک میونسپل دوکانات میں کرمچند
کنھیالال بھبر برادرس کے نام سے سٹیشنری کی ایک عظیم الشان دوکان قایم ہے جس
میں انٹرنس کلاس تک تمام تعلیمی کتابیں نوٹس ترجمے خلاصے کاپیاں نہایت ارزاں نرخ پر
مل سکتی ہیں ہر ایک قسم کی سٹیشنری رجسٹر اکونٹس بکس مختار نامے۔ کاغذ پنسل دوات۔ سیاہی
نوٹ پیپر۔ کارڈ لفافے غرضیکہ ہر ایک قسم کا سامان سٹیشنری اس دوکان میں ہر وقت موجود رہتا ہے
اور اس پر طرہ یہ کہ نہایت ارزاں نرخ پر فروخت ہوتا ہے۔ ایک دفعہ آزمائش شرط ہے
اگر آپ نے لاہور سے کوئی چیز منگوانی ہو تو اس پتہ پر طلب فرمائیں:-

کنھیالال کرمچند بھبر برادرس انارکلی لاہور

آہلو والیہ راجپوت لاہور

آہلو والیہ جاتی کا واحد آرگن آہلو والیہ راجپوت لاہور لالہ امرناتھ صاحب شاد ہوشیارپوری کی زیر ایڈیٹری
ہر انگریزی ماہ کی ۲۰ تاریخ کو نہایت آب وتاب سے شائع ہوتا ہے۔ یہ اخبار آہلو والیہ جاتی کے حقوق کا
سچا محافظ اور آہلو والیہ جاتی کی اصلاح و ترقی کا بہترین ذریعہ ہے ہر ایک آہلو والیہ بھائی
کو اس اخبار کی سرپرستی فرمانی چاہیئے۔ نمونہ مفت۔ قیمت چار روپیہ۔ طلباء و کم استطاعت
اصحاب سے صرف دو روپیہ (عہ) سالانہ۔ درخواستیں اس پتہ پر آنی چاہیئں۔

منیجر آہلو والیہ راجپوت لاہور

پراچین شاستروں اُپنشدوں کے اُردو ترجمے

نیائے درشن (شاستر) از مہا منی گوتم جی بمعہ اُردو ترجمہ و تشریح بطور سوال و جواب از سوامی درشنانند جی قیمت عہ

ویشیشک درشن (شاستر) از سوامی درشنانند جی از مہامنی کناد جی قیمت عہ

سانکھیہ " " " " کپل جی ۲/ ۱۲/

اُپنشد پرکاش یعنی ایش۔ کین۔ کٹھ۔ پرشن۔ مُنڈک اور مانڈوکیہ چھ اُپنشدیں بمعہ لفظی اُردو ترجمہ اور ویاکھیا (تشریح) بطور سوال و جواب از سوامی درشنانند جی۔ ایسے عام فہم اُردو ترجمے آج تک نہیں ہوئے ہیں۔ پبلک نے انہیں بہت ہی پسند کیا ہے قیمت صرف عہ ۱۲/

ویدانت درشن جلد اوّل ضخامت تقریباً چار سو صفحے کلاں از سوامی درشنانند جی " عہ

سوامی شنکر آچاریہ کے پرم گورو گوڑپاد آچاریہ کی مانڈوکیہ اُپنشد لکھی ہوئی آگم پاد۔ ادویت پاد وغیرہ کارکائیں بمعہ لفظی اُردو ترجمہ اور ریویو بطور سوال و جواب از سوامی درشنانند جی۔ اس میں پراچین ویدانت کی عظمت بطور سوال و جواب نہایت اعلےٰ پیرایہ میں دکھائی گئی ہے۔ ویدانت میں دلچسپی رکھنے والے صاحبان کو خاص طور پر اسے پڑھنا چاہیئے۔ قیمت صرف ایک روپیہ (عہ)

علاوہ ازیں سوامی درشنانند جی کرت دیگر پُستکیں و ٹریکٹ اور ویدک دھرم کے متعلق ہر پرکار کی پُستکیں۔ مندروں اور گھروں کی سجاوٹ کے لئے سُندر وید منتر اور اُپدیش وغیرہ کئی پرکار کے خوبصورت رنگوں میں چھپے ہوئے منگوا سکتے ہیں؛

نوٹ:-

وزیر چند شرما پروپرائیٹر ویدک پُستکالیہ متصل ہر گیا مندر لاہور

ہندی بھاشا کے انمول گرنتھ

استریوں۔ بالکوں اور پرشوں کے پڑھنے یوگ

دروپتی ست بھاما سمواد۔ ارتھات استری اپنے پتی کو کس طرح اپنے بس میں کر سکتی ہے
استریوں کے پڑھنے یوگ ایک اپیوگی پستک ہے۔ قیمت صرف ۲ر

کنول۔ چھوٹے بالکوں کیلئے نہایت دلچسپ اور شکشا دایک کہانیوں کا دلچسپ مجموعہ قیمت صرف ۲ر

من دلاپ۔ بالک من کیسا تھا اسکی سوتیلی ماں کا پُر درد سلوک کہ جس کے پڑھنے سے بے اختیار
آنسو نکل پڑیں۔ اولاد کی موجودگی میں دوسری شادی کی قباحتیں اور ایک استری کی زندگی میں دوسری
شادی کے نقصانات دلچسپ پیرایہ میں۔ یہ پستک استریوں اور پرشوں کیلئے بڑی شکشا دایک ہے۔ قیمت ۶ر

سپھلتا کی کنجی۔ جیون سنگرام میں سکھ اور وجے کی پراپتی۔ چھوٹی چھوٹی شکشا دایک کہانیوں کے
ذریعے انگریزی کی مشہور کتاب (Pushing to the Front) کے آدھار پر یہ کتاب اس قدر
مقبول ہوئی ہے کہ صرف تھوڑے دنوں میں ایک ہزار جلدوں سے زیادہ فروخت ہو چکی ہے قیمت صرف ۱ر

پریم پربھاکر۔ مشہور و معروف روسی فلاسفر کونٹ ٹالسٹائی کی کہانیوں کا ہندی انوواد۔ یہ
کہانیاں اس قدر مقبول ہوئی ہیں کہ دنیا کی تمام زبانوں میں شائع ہو چکی ہیں۔ اس کا
مطالعہ منش ماتر کے لئے بہت مفید ثابت ہوا ہے۔ قیمت صرف ایک روپیہ (عہ)

بال رام کتھا۔ بالکوں اور استریوں کے لئے ایک اپیوگی رامائن۔ دوہے اور چوپائیوں سے
سشوبھت۔ شری رامچندر جی و مہارانی سیتا جی کے حالات زندگی کو سچے معنوں میں پیش
کرنے والی شدھ اور پوتر پستک۔ یہ پستک جناب ڈائرکٹر سر رشتہ تعلیم پنجاب نے تمام لڑکیوں کے سکولوں
کی لائبریریوں کیلئے منظور فرمائی ہے۔ پہلی ایڈیشن قریب الاختتام ہے۔ قیمت صرف ۸ر

المشتہر:- مینیجر آریہ بک ڈپو لاہور

مُفت نذر

دو روپیہ (عہ) کی ادویہ

دو روپیہ قیمت کی ایک یا زیادہ ادویات

جیساکہ خریدار پسند فرماویں۔ طبی اخبار

دلیش اُپکارک کی سالانہ قیمت ؎ روپیہ ادا کرنے پر مُفت نذر کی جاتی ہیں :۔

ہندوستان بھر میں صرف دلیش اُپکارک ہی ایک ہفتہ وار طبی اخبار ہے

اور باوجود ہفتہ وار ہونیکے کثیر الاشاعت ہے۔ جن اصحاب کو علم طب سے ذرا بھی محبت ہے۔ جو اپنی اور اپنے کُنبہ کی ذرا بھی پرواہ کرتے ہیں۔ جو بیمار ہو کر علاج کرنیسے بیمار نہ ہونا بہتر سمجھتے ہیں۔ جنکو اسرار سینہ معلوم کرنیکی خواہش ہے۔ اور جنکو علم کُشتہ جات کا شوق ہے۔ جو گھر بیٹھے دلیش اُپکارک میں سوال بھیجکر اعلےٰ سے اعلےٰ حکماء کی رائے حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اور بلافیس علاج کرانا چاہتے ہیں۔ جو ہر مرض کے مجرّب اور تیر بہدف نسخہ جات حاصل کر کے نیم حکیموں اور اشتہاری جالوں سے بچنا چاہتے ہیں جنکو ویدک یونانی ڈاکٹری کے راز جاننے کا شوق ہے غرضیکہ علم طب کی کسی بھی شاخ سے جنکو پیار ہے۔ وہ دیکھتے ہی اسکے خریدار بن جاتے ہیں۔ نمونہ مُفت ملتا ہے جبکہ سالانہ ہے ششماہی عہ اور سہ ماہی ۱۲ ارہے ششماہی اور سہ ماہی کیواسطے کوئی نذر نہیں ہے سالانہ قیمت تین روپیہ ادا کرنے پر دو روپیہ کی کوئی دوائی یا دوائیاں مُفت نذر کیجاتی ہیں۔ مثلاً آپ اخبار کی سال کی قیمت کا وی۔ پی کرنے کیواسطے لکھیں۔ اور دو روپیہ قیمت کی ادویات ساتھ لکھ دیں تو وی۔ پی صرف ؎ اور محصُول کا ہوگا۔ اگر قیمت ادویات دو روپیہ سے زائد ہو تو بقایا وی۔ پی میں شامل ہوگی۔ اِس حساب سے آپ ہماری مشہور و معروف دوائی

امرت دھارا قیمتی عہ؍ صرف ۱۰ میں حاصل کرکے علاوہ اُٹھا سکتے ہیں۔

یعنی دلیش اُپکارک کی سال کی قیمت اور امرت دھارا کا وی۔ پی کرنے کے واسطے لکھیں تو ؎ اخبار کے اور عہ؍ روپیہ امرت دھارا میں سے عہ دو روپیہ نذر کے منہا کرکے باقی ؎ روپیہ اور محصُول کا وی پی ہوگا۔ یہ نذر ہم نے اخبار کے ساتھ ساتھ ادویات کو بھی شہرت دینے کیواسطے مقرر کی ہے۔ ورنہ طبی اخبار پر اتنی محنت کرنی پڑتی ہے کہ ؎ اسکی قیمت کچھ بھی نہیں دلیش اُپکارک ایک نہایت ہی اعلےٰ اخبار ہے۔ آپ اسکو دیکھ کر اور دل کی طرح [illegible]

مفید ترین علمی و اخلاقی کتابیں

جو فی الحقیقت ہر ایک ناظر کے مطالعہ کے قابل ہیں۔ اور علمی دنیا میں نہایت مفید تسلیم کی گئی ہیں۔

تاریخ کا روشن پہلو:۔ اس کتاب میں تاریخی حوالوں کی بنا پر ثابت کیا گیا ہے۔ کہ مذہب کا اختلاف دنیا میں بدامنی اور شور و فساد کا باعث نہیں ہونا چاہئے۔ جو لوگ مذہبی تعصب کی وجہ سے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں۔ وہ اس کتاب کو ملاحظہ فرما کر دیکھیں۔ کہ زمانہ گذشتہ میں ہندو مسلمانوں اور سکھوں نے ایک دوسرے سے حسب ضرورت ایسے بہتر سلوک کئے ہیں جو حقیقی بھائیوں سے ممکن نہیں۔ قیمت ۶ر

مذہبی دنیا میں امن کی تلاش:۔ اس اعلےٰ درجہ کی سبق آموز کتاب میں نہایت زبردست دلائل اور تواریخی واقعات کی بنا پر ثابت کیا گیا ہے۔ کہ محض مذہب کے ایک ہونے سے دنیا میں امن قائم نہیں ہو سکتا۔ اگر ایسا ہونا ممکن ہوتا۔ تو اسلامی جگت میں کبھی باہمی فساد کے خوفناک شرارے نہ نکلتے۔ ہندوؤں کے کیمپ سے بدامنی اور بےچینی کی آواز سنائی نہ دیتی۔ سکھوں میں خانہ جنگی اور آپس میں خونریزی کی کوئی نظیر نہ ملتی۔ الغرض ایک ہی مذہبی جھنڈے کے نیچے سر جھکانے اور ایک ہی عقیدے کے ماننے والے ایک دوسرے کے جانی دشمن اور خون کے پیاسے نظر نہ آتے۔ اس کے مطالعہ سے انسان کو اس بات کا بھی پتہ لگ جاتا ہے۔ کہ حقیقی امن کہاں ہے۔ اور وہ کس طرح نصیب ہو سکتا ہے۔ لہٰذا اصلی اور حقیقی امن کے متلاشیوں کے واسطے اس کتاب کا مطالعہ از بس ضروری ہے۔ یہ کتاب کیا ہے۔ گویا خزانہ امن کی چابی ہے۔ جو صرف ۶ر کو ملتی ہے۔

آفتاب حقیقت:۔ اس بہترین جدید کتاب کی نسبت شری جان لالہ مہر چند جی۔ بی۔ اے لکھتے ہیں کہ یہ بےنظیر کتاب جہاں صحیح معنوں میں مذہب کی اصلیت کو ظاہر کرتی ہے۔ وہاں کئی جگہ اس میں ایسے اصول پیش کئے گئے ہیں۔ جن کی ذیل میں سر آلیور لاج۔ ڈارون و ہمبولڈ صاحب وغیرہ جیسے یورپ کے مشہور سائنسدان اور جے۔ سی۔ بوس جیسے فخر ہند محققوں کی بہت سی تھیوریاں خود بخود آ جاتی ہیں۔ آج تک میری نظر سے کوئی ایسی کتاب نہیں گذری جو اس کی طرح مدلل اور معقول ہو۔ اور جس کی ہر بات اصول کے ماتحت ہو۔ حجم مع تصاویر ۲۶۰ صفحہ قیمت صرف ۸؍ محصولڈاک ۴؍

مفید عام علمی و اخلاقی ٹریکٹ:۔ یہ ٹریکٹ بچوں اور نوجوانوں کے لئے نہایت مفید ہیں۔ ان کے مطالعہ سے گھنٹوں یا دنوں میں اس قدر مفید علم حاصل ہو جاتا ہے۔ جو بڑی بڑی کتابوں کے مہینوں پڑھنے اور زر کثیر صرف کرنے سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ حجم قریب ۱۰۰ صفحہ قیمت صرف ۴؍ پھول [illegible] زعفران [illegible] رہنمائے [illegible]

[illegible]

سگندہت دہُوپ

ہمارے کارخانہ میں سگندہت دہُوپ کے علاوہ سگندہت ہون سامگری اور اگربتیاں بھی خاص خاص موسم کے انوسار تیار کروائی جاتی ہیں۔ جن کے استعمال سے تمام دُرگندھی (بدبو) دُور ہو کر خوشبو پھیل جاتی ہے۔ اور خراب جرم رہنے نہیں پاتے۔ آپ ایک دفعہ منگوا کر استعمال کر دیکھیں۔ ہماری صداقت آپ کو خود بخود معلوم ہو جائیگی۔ یہ کارخانہ ۱۹۰۵ء سے جاری ہے۔ اور تمام پنجاب اور باہر کے صوبوں میں اسکا تیار کردہ مال جاتا ہے۔ اور لوگوں کی عام مانگ بنی رہتی ہے۔

نرخ حسب ذیل ہیں

دہُوپ درجہ اوّل ۱۲ فی سیر

ہون سامگری ۶ ۔ ۸ اور درجہ اوّل ۱۰ فی سیر ہے۔

اگربتیاں ۸ سینکڑہ اور درجہ اوّل ۱۰ سینکڑہ ہیں۔

المشتہر

بھگت رام پُوری مالک کارخانہ سگندہت دھُوپ ستر منڈی لاہور